زخمِ جفا

ملک صفدر حیات

(ریٹائیرڈ ڈی ایس پی)

Pakistanipoint
Waqar
Azeem

سیدھی بات.....5

بیمار گھوڑا.....53

پردہ نشین.....105

فتنہ گر.....152

زخم جفا.....206

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

خوب سے خوب تر کتابوں کی اشاعت
جدت اور معیار کے ساتھ

بااہتمام.....محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

باراوّل..... 2013ء

مطبع..... نیئر اسد پریس لاہور

کمپوزنگ..... کلائمکس گرافکس

قیمت ..... -/200روپے

سیدھی بات

میں ایک روز حسب معمول تیار ہو کر تھانے پہنچا تو اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے میں نے برآمدے میں ایک پریشان حال عورت کو بینچ پر بیٹھے دیکھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اسے صبح صبح کون سی مصیبت پڑ گئی ہے' جو تھانے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ میں اس سے کوئی بات کئے بغیر اپنے کمرے میں پہنچا اور ایک کانسٹیبل کو اپنے پاس بلا لیا۔

''جی ملک صاحب!'' کانسٹیبل وحید نے مجھے سیلوٹ کیا' پھر بولا۔

''حکم.....''

''یہ باہر برآمدے میں کون عورت بیٹھی ہوئی ہے؟'' میں نے کانسٹیبل سے پوچھا۔ ''اس کے ساتھ کیا پریشانی ہے؟''

''ملک صاحب! یہ کافی دیر سے یہاں بیٹھی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔'' کانسٹیبل نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''بڑی دکھی لگتی ہے جناب.....!''

''وہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''آخر وہ کون سا دکھ ہے' جو اسے یہاں کھینچ لایا ہے؟''

''میں نے بہت کریدنے کی کوشش کی ہے' لیکن وہ کچھ بتانے کو تیار نہیں۔'' کانسٹیبل وحید نے جواب دیا۔ ''کہہ رہی ہے' اپنی مشکل تھانے دار صاحب کو بتائے گی۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اسے اندر بھیجتا ہوں۔''

''اس نیک کام کے لئے بھلا اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔ ''اسے فوراً بھیجو میرے پاس.....''

کانسٹیبل ''جی ملک صاحب!'' کہہ کر چلا گیا اور اگلے ہی لمحے وہ مذکورہ عورت کے ساتھ

Pakistanipoint
Waqar Azeem
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

میرے سامنے حاضر تھا۔ میں نے آنکھ کے اشارے سے وحید کو واپس جانے کے لئے کہا' پھر عورت کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''بیٹھ جاؤ بی بی.....!''

وہ تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد سامنے کرسی پر بیٹھ گئی اور امداد طلب نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے گہری نگاہ سے اس کا جائزہ لیا اور پوچھا۔

''بی بی! تمہارا نام کیا ہے؟''

''جی.....صغریٰ.....!''

''صغریٰ بی بی!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم بہت پریشان ہو' آخر کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟''

''تھانے دار صاحب!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میں اپنے جوان بیٹے کی وجہ سے سخت پریشان ہوں۔''

اس پریشانی کا سبب کیا ہے.....'' میں نے پوچھا۔

''اور یہ بتاؤ کہ تمہارے جوان بیٹے کا نام کیا ہے؟''

''یعقوب.....میرے بیٹے کا نام یعقوب ہے جی۔'' وہ غمزدہ لہجے میں بولی۔ ''وہ کل سے غائب ہے۔''

''غائب ہے.....کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''یعقوب کل صبح موضع کمال پور گیا تھا اور کہا تھا کہ رات کو واپس آ جائے گا۔ کل کا سورج غروب ہو گیا اور اب تو آج کا نیا سورج بھی طلوع ہو چکا ہے' لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آیا.....'' لمحاتی توقف کر کے اس نے اپنی سانس کو ہموار کیا' پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''میں نے ساری رات جاگ کر اس کی راہ دیکھی ہے اور صبح ہی صبح آپ کے پاس آ گئی ہوں۔ اب آپ ہی میرے بیٹے کی تلاش کے سلسلے میں کچھ کریں.....''

''وہ کمال پور کیا لینے گیا تھا؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ادھر کمال پور میں میری بڑی بہن رہتی ہے' جس کا نام کبریٰ ہے۔'' صغریٰ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے یعقوب کے ہاتھ کبریٰ کے لئے کچھ رقم بھجوائی تھی۔''

''کتنی رقم.....؟'' میں نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

''پندرہ سو روپے۔'' صغریٰ نے بتایا۔ ''اور ساتھ ہی میں نے تاکید کر دی تھی کہ ہر قیمت پر وہ سورج غروب ہونے سے پہلے گھر واپس آ جائے' لیکن ابھی تک.....'' بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔

پندرہ سو روپے یعنی ڈیڑھ ہزار روپے آج کل کے حساب سے ایک معمولی سی رقم ہے' لیکن جس زمانے کی یہ کہانی ہے اس دور میں پندرہ سو روپے بہت تگڑی رقم تصور کی جاتی تھی۔ ایک عام آدمی کی تنخواہ ساٹھ سے اسی یا زیادہ سے زیادہ سو روپے ہوا کرتی تھی اور بیس پچیس روپے میں کسی متوسط فیملی کے گھر میں مہینے بھر کا راشن بھرا جا سکتا تھا۔ اگر آج کل کے تناظر میں حساب کرنے بیٹھیں تو ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ رقم لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ روپے بنتی تھی۔

میں نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ ''زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں صغریٰ بی بی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا بیٹا رات کو اپنی خالہ کے گھر ہی میں رک گیا ہو اور دوپہر تک واپس آ جائے۔''

''یعقوب نے آج تک میری بات رد نہیں کی۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ ''میں نے جو کہہ دیا' بس کہہ دیا۔ وہ میرے کہے سے ایک سوت بھی اِدھر اُدھر نہیں ہلتا۔ میں نے بڑی سختی سے اسے تاکید کی تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو اور کتنی بھی دیر ہو جائے' وہ رات کو ضرور واپس آئے۔ برکت علی نے مرتے وقت یعقوب کو ایک ہی نصیحت کی تھی کہ اسے میری بات ماننا ہے۔'' وہ تھوڑی دیر کے لئے تھمی' دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں خشک کرنے کی کوشش کی' پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''اگر ہر طرف خیریت رہتی تو یعقوب رات میں ضرور واپس آ جاتا۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میرے بیٹے کے ساتھ کوئی نہ کوئی.....''

وہ بولتے بولتے ایک مرتبہ پھر خاموش ہو گئی۔ غم کے بوجھ نے اس کی آواز کو گلے میں پھنسا کر رکھ دیا تھا۔ میں نے اس کی دلجوئی کرنے کی خاطر ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

''صغریٰ بی بی! میری بات دھیان سے سنو!''

وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھایا۔ ''مجھے امید ہے کہ تمہارا بیٹا دوپہر تک واپس آ جائے گا۔''

''اور اگر وہ دوپہر تک بھی نہ لوٹا تو.....؟'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھی۔

صغریٰ بی بی کی آنکھوں میں مجسم استفسار نے مجھے دل گرفتہ کر دیا۔ وہ ان لمحات میں مجروح ممتا کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''اگر وہ دوپہر تک واپس نہ آیا تو پھر میں اپنے دو جوانوں کو ادھر کمال پور تمہارے بیٹے کی تلاش کے لئے بھیجوں گا۔ شام سے پہلے پہلے تمہیں کوئی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے تھانے دار صاحب۔'' وہ دعائیہ انداز میں بولی۔

''اللہ تو سب کا بھلا ہی کرتا ہے۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم بھی فکر نہ کرو' انشاء اللہ! یعقوب خیر خیریت سے واپس آ جائے گا۔''

میں نے تسلی تشفی دے کر اسے رخصت کر دیا۔

میرے حساب سے یہ کوئی تشویش ناک بات نہیں تھی کہ یعقوب رات کو واپس نہیں آیا تھا۔ صغریٰ کی زبانی مجھے پتا چلا تھا کہ یعقوب اس کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کی عمر اٹھارہ' انیس سال کے درمیان تھی۔ وہ کوئی ننھا بچہ نہیں تھا کہ کہیں کھو جاتا۔ یعقوب کا باپ برکت علی چند سال پہلے حادثاتی موت کا شکار ہو کر دوسری دنیا میں جا چکا تھا' کھیتوں میں کام کرتے ہوئے ایک زہریلے سانپ نے اسے ڈس لیا اور بہ قول شخصے' وہ پانی مانگے بغیر ہی اس جہان سے اس جہان چلا گیا تھا۔ اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ برکت علی نے اپنی اکلوتی اولاد کی بڑی مناسب تربیت کی تھی اور یعقوب اپنے والدین کا فرماں بردار تھا' لیکن اس فرماں برداری کی روشنی میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یعقوب پچھلی رات کسی بھی قیمت پر اپنی خالہ کے گھر نہیں رک سکتا تھا۔

صغریٰ ایک ماں تھی اور یعقوب اس کی اکلوتی اولاد۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ بیوہ بھی تھی۔ اس قسم کی مصیبت شناس عورتوں کی حساسیت بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی بہت سنگین محسوس کرنے لگتی ہیں۔ اکلوتی اولاد ان کے جینے مرنے کا بہانہ بلکہ زندگی اور موت کی وجہ بن جاتی ہے' جیسا کہ یعقوب کے معاملے میں صغریٰ کے ساتھ ہو رہا تھا۔ شوہر کی وفات کے بعد چونکہ یعقوب ہی اس کی سوچ کا مرکز بن گیا تھا۔ اس لئے وہ اس کی خاطر مختلف نوعیت کے اندیشوں اور وسوسوں میں گھری ہوئی تھی اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ ایک بیوہ ماں کو اپنی

اکلوتی جوان اولاد کے لئے ایسے ہی جذباتی اور فکر انگیز انداز میں سوچنا چاہئے تھا۔

میں نے صغریٰ کو رخصت کرنے سے پہلے اس کی بہن کبریٰ کے بارے میں اچھی خاصی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ مثلاً یہ کہ وہ صغریٰ سے عمر میں بڑی تھی اور اس کی ماشاء اللہ! سات اولادیں تھیں۔ چار بیٹیاں' پھر ان سے چھوٹے تین بیٹے تھے۔ کبریٰ کا شوہر جان محمد ادھر کمال پور میں کریانے کی ایک چھوٹی سی دکان چلاتا تھا جو بس ''ایویں'' سی چلتی تھی۔ جان محمد اس دکان سے جو کچھ بھی کماتا تھا' وہ نو افراد کا پیٹ پالنے کے لئے کافی نہیں تھا لہٰذا تنگ دستی اور عسرت نے ان کا گھر دیکھ رکھا تھا۔ بس' وہ لوگ جیسے تیسے گزارہ کر رہے تھے۔

کبریٰ کی نسبت اللہ تعالیٰ نے صغریٰ کو خوب نواز رکھا تھا۔ اچھے وقتوں میں اس کی شادی ایک چھوٹے زمیندار سے ہو گئی تھی۔ برکت علی نامی اس زمیندار نے اپنی زندگی ہی میں صغریٰ کو بھی زمینداری سکھا دی تھی۔ وہ ان تمام زمینی اور موسمی رازوں سے واقف ہو گئی تھی' جو زراعت کے شعبے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے تھے۔ اسی لئے برکت علی کی وفات کے بعد اسے ان مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا' جیسا کہ عموماً عورتوں کو پیش آتی ہیں۔ برکت علی مرتے وقت اپنے لواحقین کے لئے ایک شاندار گھر اور پچیس ایکڑ زرعی' نہری زمین چھوڑ گیا تھا۔ گھر میں وہ تمام زرعی آلات بھی موجود تھے' جو کسی بھی زمیندار کی انتہائی ضرورت ہوتے ہیں۔ جب سے صغریٰ کھیت مزدوروں کی مدد سے اپنی نگرانی اور یعقوب کے تعاون سے کاشتکاری کے امور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہی تھی۔

ان تمام تر معاشی و معاشرتی حالات میں صغریٰ کو اپنی بڑی بہن کبریٰ کا بڑا خیال تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ان لوگوں کا گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا تھا' اسی لئے وہ ان کی مدد کرتی رہتی تھی۔ اسی مقصد کی خاطر اس نے کل یعقوب کو پندرہ سو روپے دے کر کمال پور بھیجا تھا۔ کبریٰ کی بڑی بیٹی رضیہ کی شادی ہونے والی تھی۔ یہ پندرہ سو روپے رضیہ کے جہیز اور شادی کے دیگر اخراجات کے لئے تھے۔

کبریٰ اور صغریٰ کے درمیان بہن کے رشتے کے علاوہ بھی ایک اور رشتہ استوار ہونے جا رہا تھا۔ رضیہ سے چھوٹی بہن سلمیٰ کو صغریٰ نے اپنے بیٹے یعقوب کے لئے منتخب کر لیا تھا اور اس رشتے کے حوالے سے ان کی باقاعدگی منگنی بھی ہو چکی تھی۔ شادی کا ارادہ ڈیڑھ دو سال بعد کا تھا۔ سلمیٰ اس وقت محض سترہ سال کی تھی' یعنی وہ یعقوب سے لگ بھگ دو سال چھوٹی تھی۔

اس دہری رشتے داری کی روشنی میں بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ عین ممکن ہے' یعقوب اپنی ہونے والی سسرال ہی میں رات گزارنے کے لئے رک گیا ہو' منگیتر کے گھر کے چکر لگانے اور وہاں قیام کرنے کے لئے تو انسان خوامخواہ بھی بہانے ڈھونڈتا ہے۔

***

جس زمانے کا یہ واقعہ ہے' ان دنوں میں ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے ایک چھوٹے سے قصبے شرف آباد کے تھانے میں تعینات تھا۔ شرف آباد سے کمال پور لگ بھگ چھ میل کے فاصلے پر مغرب میں واقع تھا۔ ایک چھوٹی نہر شرقاً غرباً بہتے ہوئے ان دونوں گاؤں کو بیچ کرتی تھی' یعنی مشرق سے مغرب کی سمت رواں دواں تھی اور اسی نہر کے ساتھ ساتھ ایک کچا راستہ بھی بنا ہوا تھا' جہاں تانگے' بیل گاڑیاں اور گھڑ سوار حسب ضرورت محو سفر رہتے تھے۔ ان دونوں گاؤں کو آپس میں ملانے کے لئے یہ واحد کچا راستہ تھا' ورنہ ایک چھوٹا سا جنگل ان کے بیچ ادھر سے ادھر پھیلا نظر آتا تھا۔

میں جیسے ہی دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوا' صغریٰ ایک مرتبہ پھر تھانے میں آن موجود ہوئی۔ اب کی بار وہ پہلے سے بھی زیادہ متفکر اور پریشان دکھائی دیتی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات کوئی اچھی خبر نہیں سنا رہے تھے' تاہم میں نے فوراً اسے اپنے پاس بلا لیا۔

''صغریٰ بی بی! تمہارا بیٹا گھر آ گیا؟''

''اگر یعقوب واپس آ گیا ہوتا تو میں آپ کو اتنی ٹوٹی پھوٹی حالت میں نہ نظر آتی۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔ ''تھانے دار صاحب..... آپ کچھ کرتے ہیں یا میں کمال پور جانے کی تیاری کروں؟''

یعقوب کی عدم واپسی نے اب تو مجھے بھی تشویش میں ڈال دیا تھا۔ میں نے ایک لمحہ سوچا اور پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہم یہ دونوں کام کریں گے۔''

''دونوں کام!'' وہ الجھن زدہ نظر سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کون سے دونوں کام تھانے دار صاحب.....؟''

''کام نمبر ایک' تمہیں ضرور کمال پور جانا چاہئے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''کام نمبر دو' میں تمہارے بیٹے کی تلاش کے لئے اپنے بندوں کو دوڑاتا ہوں اور.....''

''یہ دونوں کام ایک وقت میں اور ایک ساتھ ہی ہوں گے۔''

''ایک ساتھ کیسے؟'' وہ حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''تم میرے دو آدمیوں کے ساتھ تانگے میں بیٹھ کر ابھی اور اسی وقت کمال پور جاؤ گی۔ سب سے پہلے یعقوب کو تمہاری بہن کبریٰ کے گھر میں چیک کیا جائے گا۔ مجھے امید ہے' وہ ادھر ہی مل جائے گا یا راستے میں بھی اس سے ملاقات ہو سکتی ہے۔'' میں نے تھوڑا توقف کر کے سوچتی ہوئی نظر سے اسے دیکھا پھر پوچھا۔

''تمہارا بیٹا کس چیز پر بیٹھ کر کمال پور گیا تھا؟''

''وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کبریٰ کے گھر گیا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم اپنے گھر پہنچ کر تیاری کرو۔ تھوڑی دیر میں' میں اپنے بندوں کو اِدھر ہی بھیجتا ہوں۔''

''اور اگر وہ.....'' وہ تشویش بھرے لہجے میں بولی۔ ''کبریٰ کے گھر میں بھی نہ ہوا تو.....؟''

''حوصلہ کرو صغریٰ.....'' میں نے اس کی دل شکستگی کو سہارا دیتے ہوئے کہا۔ ''اللہ بہتری کرے گا' تم ہمت نہ ہارو یعقوب کو کچھ نہیں ہوگا۔''

وہ چند لمحات تک یقین اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ مجھے تکتی رہی' پھر ایک افسردہ سی سانس خارج کرنے کے بعد رخصت ہو گئی۔

صغریٰ کے جانے کے بعد میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اب تو مجھے بھی تشویش ہونے لگی تھی۔ اگر واقعی یعقوب کمال پور میں نہ ہوتا تو پھر پریشانی والی بات تھی۔ میں نے اے ایس آئی شوکت علی اور کانسٹیبل خالد کو اپنے پاس بلایا' انہیں حالات کی سنگینی سے آگاہ کیا' پھر ضروری ہدایات کے ساتھ صغریٰ کی جانب روانہ کر دیا۔ پروگرام کے مطابق' وہ صغریٰ کے ساتھ تانگے میں بیٹھ کر کمال پور جاتے۔

دوپہر سے سہ پہر ہوئی' سہ پہر سے شام اور شام سے رات' لیکن کمال پور جانے والوں میں سے کوئی بھی واپس نہیں آیا۔ اس زمانے میں موبائل فون تو ہوا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی گاؤں دیہات کی سطح پر لینڈ لائن فون کا وجود نظر آتا تھا۔ اگر اس قسم کی کوئی سہولت میسر ہوتی تو میں فوراً ادھر کی خبر لے لیتا۔ سو' سوائے انتظار کے میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

خدا خدا کر کے یہ انتظار اختتام پذیر ہوا اور رات کے آٹھ بجے مجھے اپنے عملے کے افراد کی شکل نظر آئی۔ خالد اور شوکت علی نہ صرف ناکام و نامراد واپس آ گئے تھے' بلکہ وہ اپنے ساتھ ایک بری خبر بھی لائے تھے۔

وہ گھوڑا جس پر سوار ہو کر یعقوب کمال پور گیا تھا' اس کی لاش جنگل کے اندرونی حصے سے مل گئی تھی۔

میں ابھی تک انہی کی واپسی کے انتظار میں بیٹھا تھا' ورنہ عام دنوں میں' میں اس وقت تک تھانے سے اٹھ کر اپنے کوارٹر میں جا چکا ہوتا تھا۔ میں نے ان دونوں کو فوراً اپنے کمرے میں بلا لیا اور استفساریہ نظر سے انہیں دیکھنے لگا۔

اے ایس آئی شوکت علی نے کہا۔ ''ملک صاحب! یہ تو کہانی ہی الٹ ہو گئی ہے۔ ہمیں اس گھوڑے کی لاش جنگل کے اندرونی حصے میں پڑی ملی ہے' جس پر صغریٰ کا بیٹا سوار ہو کر یہاں سے کمال پور کی جانب روانہ ہوا تھا اور پھر کمال پور سے واپس اس طرف آیا تھا۔''

''اور صغریٰ کا جوان بیٹا یعقوب؟''

''اس کی کچھ خبر نہیں ملی۔'' شوکت علی گمبھیر لہجے میں بولا۔ ''رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا' لہٰذا ہم نے جنگل کے اندر مزید آگے جانے کی کوشش نہیں کی۔ تلاش کا باقی کام کل صبح ہی ہو سکے گا۔''

''گھوڑے کی تلاش جنگل کے کس حصے میں پائی گئی ہے؟'' میں نے تشویش بھرے انداز میں دریافت کیا۔

''وہ مقام کمال پور کے نزدیک اور شرف آباد سے قدرے دور واقع ہے۔'' شوکت علی نے جواب دیا۔ ''بس یوں سمجھیں کہ جائے وقوعہ کمال پور کے مشرق میں زیادہ سے زیادہ ایک میل کے فاصلے پر ہو گا' یعنی جب یعقوب کمال پور سے واپس شرف آباد کی طرف آ رہا تھا تو اس کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا ہو گا۔ گھوڑے کی لاش کو دیکھ کر تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے سوار کے ساتھ بھی کوئی اچھا سلوک نہیں ہوا ہو گا۔''

''تم کس بنا پر اتنے وثوق سے کہہ رہے ہو کہ جس گھوڑے کی لاش تمہیں جنگل میں پڑی ملی ہے وہ صغریٰ کے بیٹے یعقوب ہی سے تعلق رکھتا تھا؟'' میں نے اپنے ذہن میں سر اٹھانے والے خدشات میں سے ایک کی تسکین کی خاطر پوچھ لیا۔

اس مرتبہ کانسٹیبل خالد نے جواب دیا۔ ''ملک صاحب! ہم راستے بھر صغریٰ سے کرید

کرید کر سوال پوچھتے رہے تھے اور اس گفتگو کے دوران میں بارہا یعقوب کے گھوڑے کا بھی ذکر آیا تھا۔ صغریٰ نے مذکورہ گھوڑے کی جو نشانیاں ہمیں بتائی تھیں' وہ مردہ گھوڑا ان پر پورا اترتا ہے۔''

''کمال پور میں ہم نے صغریٰ کی بہن اور بہنوئی سے بھی پوچھ گچھ کی ہے جناب!'' اے ایس آئی شوکت علی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''جہاں ان لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ یعقوب کل سہ پہر میں کمال پور سے شرف آباد کے لئے روانہ ہو گیا تھا' وہیں اس کے گھوڑے کے بارے میں بھی ہمیں تفصیل فراہم کر دی ہے اور میں نے جس مردہ گھوڑے کا تذکرہ کیا ہے' وہ سو فیصد وہی گھوڑا ہے جناب۔''

''مثلاً.....'' میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔ ''اس گھوڑے کی ایسی کون سی نشانی بتائی گئی ہے' جو یہ تصدیق کرتی ہے کہ وہی یعقوب کا گھوڑا ہے..... بلکہ یعقوب کا گھوڑا تھا' اب تو وہ گھوڑا لاش کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کا مالک یعقوب بھی لاپتا ہے۔''

''جناب!'' دیگر چھوٹی بڑی نشانیوں کے علاوہ اس گھوڑے کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس کی گردن میں بڑے بڑے سفید موتیوں منکوں کی ایک مالا پڑی ہوئی ہے' جو اس کی گردن کے ساتھ بالکل فٹ ہے۔''

''ہوں.....'' میں گہری سوچ میں ڈوب گیا' پھر پوچھا۔ ''کیا صغریٰ کے بہن بہنوئی نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یعقوب کل سہ پہر میں' ان کے گھر سے واپسی کے لئے روانہ ہو گیا تھا؟''

''یعقوب کل سہ پہر میں کمال پور سے شرف آباد کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ ''یہ خبر سن کر صغریٰ پر کیا اثر ہوا ہے؟''

''اس کی حالت پہلے ہی کچھ اچھی نہیں تھی' ملک صاحب!'' وہ افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''جب اسے پتا چلا کہ یعقوب کل ہی وہاں سے روانہ ہو گیا تھا تو وہ غش کھا کر گر پڑی۔ اس کو ہوش میں لانے میں کوئی ایک گھنٹہ لگ گیا تھا۔ وہ ہوش میں تو آ گئی' لیکن اس کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں۔''

''کیا تم لوگ صغریٰ کو اس کے گھر پہنچانے کے بعد تھانے آئے ہو؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھ لیا۔

''نہیں جناب!'' اے ایس آئی نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''وہ تو ادھر کمال پور ہی میں ہے۔''

''اوہ.....'' میں ایک گہری سانس خارج کر کے رہ گیا۔

''جناب! اسے کبریٰ اور جان محمد نے ضد کر کے اپنے پاس روک لیا ہے۔'' شوکت علی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''اس کی ذہنی حالت کو دیکھتے ہوئے جان محمد نے اسے شرف آباد آنے کی اجازت نہیں دی اور ہمیں یہ ہدایت کی ہے کہ ہم جلد از جلد یعقوب کا سراغ لگانے کی کوشش کریں۔ جب تک اس کا اتا پتا نہیں مل جاتا' وہ لوگ صغریٰ کو اپنے پاس ہی سنبھال کر رکھیں گے۔''

''یہ بھی اچھی بات ہے۔'' میں نے کہا' پھر پوچھا۔

''کیا مردہ گھوڑے کے بارے میں صغریٰ یا کبریٰ اینڈ کمپنی کو خبر ہو گئی ہے؟''

''نہیں جناب! بالکل نہیں۔'' شوکت نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور بتایا۔ ''ہم جنگل سے سیدھے ادھر ہی آئے ہیں۔''

''یہ تم لوگوں نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔'' میں نے سراہنے والے انداز میں باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''صغریٰ پر تو پہلے ہی قیامت ٹوٹی ہوئی ہے۔ اگر اسے اپنے گم شدہ بیٹے کے گھوڑے کا حشر پتا چل جاتا تو غم کی شدت سے اس کا دماغ بھی الٹ سکتا تھا۔''

''ملک صاحب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اے ایس آئی تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''صغریٰ کی نازک حالت کے پیش نظر ہی تو ہم نے اسے گھوڑے کی موت کی خبر نہیں دی اور چپ چاپ آپ کے پاس چلے آئے ہیں۔''

''میں نے اس کارنامے پر انہیں شاباشی دی' پھر ایک اہم سوال کیا۔ ''صغریٰ نے کل صبح ایک تگڑی رقم کے ساتھ یعقوب کو کمال پور کی جانب روانہ کیا تھا۔ کیا وہ رقم کبریٰ تک بہ خیر و عافیت پہنچ گئی ہے؟''

''جی ہاں' میں نے کبریٰ سے اس امر کی تصدیق کر لی ہے ملک صاحب!'' اے ایس آئی نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''وہ رقم بڑے محفوظ انداز میں کل ہی کبریٰ کو مل گئی تھی۔''

میں نے ایک مطمئن اور پرسکون سانس لی' پھر شوکت علی سے دریافت کیا۔ ''تم نے اس

بات کی وضاحت نہیں کی کہ یعقوب کے گھوڑے کو کس طرح موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے؟''

''گھوڑے کا سارا بدن خصوصاً ٹانگیں اور گردن لہولہان ہو رہی تھی۔'' اے ایس آئی ایک جھرجھری لیتے ہوئے بولا۔ ''دن کی روشنی بہت کم رہ گئی تھی' تاہم میرا اندازہ ہے کہ گھوڑے پر کسی تیز دھار آلے مثلاً کلہاڑی وغیرہ سے پے در پے خطرناک اور مہلک وار کئے گئے ہیں۔''

''اس طرز کی وحشیانہ دشمنی گھوڑے سے تو کسی شخص کی ہو نہیں سکتی۔'' میں نے تشویش میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''قاتل جو کوئی بھی تھا یا تھے وہ یقیناً یعقوب کے تعاقب میں ہوں گے۔ پتا نہیں' ان بدبختوں نے بے چارے یعقوب کا کیا حشر نشر کیا ہوگا؟''

''میں بھی اس نوجوان کے لئے بہت پریشان ہوں ملک صاحب۔'' شوکت علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''گھوڑے کی لاش جنگل کے اندرونی حصے میں پڑی ملی ہے اور یہ حصہ نہر والے کچے راستے سے زیادہ فاصلے پر نہیں۔ میرے اندازے کے مطابق کمال پور سے شرف آباد کی طرف آتے ہوئے کوئی دشمن اس کے پیچھے لگ گیا تھا' پھر وہ اسے گھوڑے سمیت گھیر گھار کر جنگل کے اندر لے گیا اور وہاں اس پر حملہ کر دیا۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ دشمن گھیر کر اسے جنگل میں نہ لے گیا ہو' بلکہ وہ دشمن سے بچنے کے لئے نہر والا کچا راستہ چھوڑ کر جنگل کے اندر گھس گیا ہو۔'' میں نے خیال آرائی کی۔ ''لیکن ہر دو صورت میں یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ یعقوب کہاں غائب ہے؟ اگر اس کی سواری کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے تو دشمن نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے.....؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب!'' اے ایس آئی تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''یعقوب کی گمشدگی کو لگ بھگ چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔ اگر اب تک اس کی کوئی خیر خبر سامنے نہیں آئی تو ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ یہی سوچنا پڑے گا کہ اس بے چارے کے ساتھ کوئی سنگین حادثہ پیش آ چکا ہے۔''

میں معنی خیز انداز میں سر کو اثباتی جنبش دے کر رہ گیا۔ ہمارے درمیان مزید بیس پچیس منٹ تک یعقوب کی گمشدگی اور اس کے گھوڑے کی ہلاکت کے بارے میں بات ہوتی رہی' پھر میں نے اٹھنے سے پہلے اے ایس آئی کو کچھ اس انداز میں ہدایات دیں۔

''شوکت علی! کل صبح تم میرے ساتھ' یعقوب کی تلاش میں جنگل کی طرف جاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے ملک صاحب!''

وہ فرماں برداری سے بولا۔

''جو آپ کا حکم۔''

''اور ہم یہاں سے علی الصبح نکل جائیں گے' تاکہ جب ہم جائے وقوعہ پر پہنچیں تو سورج نکل رہا ہو' اس طرح ہمیں کام کرنے کے لئے زیادہ وقت مل جائے گا۔ آج کل ویسے بھی دن چھوٹا ہو چکا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم رات ہی میں ضروری تیاری کر لینا۔ سواری کے لئے تانگے کا بندوبست کرو گے یا.....؟''

''میرے خیال میں گھوڑے زیادہ مناسب رہیں گے۔'' میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھا۔ ''جائے وقوعہ تک رسائی کے لئے تو تانگا ٹھیک ہے' لیکن یعقوب کی تلاش میں پتا نہیں' ہمیں جنگل کی کس گہرائی تک جانا پڑے۔ گھنے درختوں کے بیچوں بیچ تانگے کو آگے بڑھانا مشکل ہی نہیں' بلکہ ناممکن ثابت ہوگا۔''

''میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں شوکت علی۔'' میں نے تعریفی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم نے بڑی عاقلانہ تجویز دی ہے۔ اب ہم صبح ہی ملیں گے۔ جیسے ہی سپیدۂ سحر نمودار ہوگا' ہم تھانے سے روانہ ہو جائیں گے۔''

میں مطمئن ہو کر تھانے سے نکلا اور اپنے سرکاری کوارٹر میں آ گیا۔ میں نے خلاف معمول رات کا کھانا تھوڑی تاخیر سے کھایا' پھر عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سونے کے لئے لیٹ گیا۔ اس رات مجھے آسانی سے نیند نہ آئی۔ بستر پر لیٹے لیٹے میں کافی دیر تک یعقوب کے بارے ہی میں سوچتا رہا۔

ایک بات تو طے تھی کہ کسی شخص کو یعقوب کے گھوڑے سے قطعاً کوئی دشمنی نہیں ہو سکتی تھی۔ قاتل جو کوئی بھی تھا وہ یقیناً یعقوب کے تعاقب میں تھا اور اس نے یعقوب کو زیر کرنے کے لئے اس پر بھی خطرناک حملہ کیا ہوگا۔ جب وہ بے زبان گھوڑا زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے لقمہ اجل بن گیا تھا' تو یہ سوچنا سراسر حماقت ہوتی کہ یعقوب کہیں صحیح سلامت بیٹھا ہوگا۔

گھوڑے کی موت اور یعقوب کے ساتھ پیش آنے والی مبہم صورت حالات کے اسباب پر غور کریں تو اس رقم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا' جو صغریٰ بی بی نے اپنی بڑی بہن کبریٰ بی بی کے لئے بھیجی تھی۔ کوئی بھی شخص اس رقم کے لئے یعقوب کی جان کا دشمن بن سکتا تھا' لیکن اس

تھیوری میں ایک بہت بڑا سقم مجھے شروع ہی سے نظر آ رہا تھا۔

اور وہ یہ کہ..... اگر کوئی شخص یعقوب کے ساتھ اس رقم کی خاطر کوئی اونچ نیچ کرتا تو پھر یہ افسوس ناک واقعہ شرف آباد سے کمال پور کی جانب سفر کے دوران میں پیش آنا چاہئے تھا۔ اگر کوئی شخص اس راز سے آگاہ ہو گیا تھا کہ یعقوب ایک موٹی رقم لے کر شرف آباد سے کمال پور جا رہا ہے تو ایسے شخص کو یعقوب کے کمال پور پہنچنے سے پہلے' راستے میں کہیں ''کارروائی'' کرنا چاہئے تھی' لیکن واقعہ اس کے برعکس پیش آیا تھا' جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ یہ سارا ہنگامہ رقم کی وجہ سے ہرگز نہیں تھا۔

***

اگلے روز میں علی الصبح تیار ہو کر تھانے پہنچا تو ایک نئی صورت حال میری منتظر تھی۔ میں جیسے ہی اپنے کمرے کی جانب بڑھا' صغریٰ بی بی ایک ادھیڑ عمر شخص کے ساتھ وہاں آن موجود ہوئی۔ میں اتنی صبح اسے اپنے سامنے دیکھ کر چونک اٹھا' کیونکہ میری معلومات کے مطابق صغریٰ کے بہن بہنوئی نے اس کی ذہنی حالت کے پیش نظر اسے ادھر کمال پور ہی میں روک لیا تھا۔ اگر وہ اتنی صبح تھانے میں موجود تھی تو اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اس طرف کوئی بڑی گڑبڑ ہو چکی ہے۔

میں نے صغریٰ اور اس کے ساتھی کو فوراً اپنے کمرے میں بلا لیا۔ بعد ازاں پتا لگا کہ ساتھ آنے والا شخص صغریٰ کا بہنوئی جان محمد تھا۔ میں نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا' پھر صغریٰ کی جانب دیکھتے ہوئے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔

''خیریت تو ہے نا صغریٰ.....؟''

''تھانے دار صاحب!'' صغریٰ کے بجائے اس کے بہنوئی جان محمد نے جواب دیا۔ ''صغریٰ اپنے جوان بیٹے کی جدائی میں نیم پاگل ہو گئی ہے۔ کل آپ کے عملے کے دو افراد کے ساتھ یہ ہمارے پاس آئی تھی اور جب اسے پتا چلا کہ یعقوب ہمارے گھر سے صحیح سلامت روانہ ہو گیا تھا' تو اس کی طبیعت بگڑ گئی' مجبوراً ہم نے اسے ادھر کمال پور ہی میں روک لیا تھا اور.....''

''ہاں' یہ بات تو رات ہی کو میرے علم میں آ گئی تھی کہ صغریٰ کو تم لوگوں نے اپنے پاس روک لیا ہے۔'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ ''اور اب اتنی صبح تم لوگ یہاں ہو' یہ کیا ماجرا ہے جان محمد.....؟''

جان محمد کی عمر پچپن سے متجاوز نظر آتی تھی۔ وہ ایک متناسب البدن اور دراز قامت شخص تھا۔ اس کے سر کے بالوں میں سفیدی اور سیاہی کا تناسب یکساں تھا۔ سات بچوں کا باپ بھی تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ محنت اولاد کی تعداد بڑھانے پر کی تھی۔ بعد ازاں

مجھے یہ بھی پتا چلا کہ درحقیقت کبریٰ کے بطن سے دس بچے پیدا ہوئے تھے۔ چار لڑکیاں اور چھ لڑکے..... جن میں سے تین لڑکے اوائل عمری ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اسی جان محمد نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

''تھانے دار جی! ہم نے تو صغریٰ کے بھلے ہی کے لئے اسے اپنے گھر میں روک لیا تھا کہ جب تک یعقوب کی خیر خبر نہیں مل جاتی یہ ہمارے ساتھ رہے' لیکن جناب ہم نے پوری رات جاگ کر گزار دی اور فجر کی اذان کے وقت میں اس کی ضد کے سامنے مجبور ہو گیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر یہاں آ گیا ہوں۔ اس کا خیال یہ ہے کہ اسے اپنے گھر میں رہتے ہوئے یعقوب کا انتظار کرنا چاہئے۔'' خدا خدا کر کے وہ متوقف ہوا' ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''ہم ابھی ابھی یہاں پہنچے ہیں۔'' میں صغریٰ کو لے کر اس کے گھر کی طرف جا رہا تھا کہ اس کی ضد پر ادھر آ گیا ہوں۔ یہ گھر میں قدم رکھنے سے پہلے آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ اب آپ خود اس سے بات کر لیں۔''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا' جیسے اس کے بولنے کا کوٹا ختم ہو گیا ہو۔ جان محمد کے چپ ہوتے ہی صغریٰ پھٹ پڑی۔

''تھانے دار جی..... میرے یعقوب کا کچھ پتا چلا؟'' اس کا یہ سوال کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہاں' ایک سراغ ملا تو ہے۔''

''دیکھا' میں نے کہا تھا نا.....'' وہ اپنے بہنوئی کی طرف دیکھتے ہوئے جوشیلے انداز میں بولی۔ ''تھانے دار جی ضرور میرے یعقوب کو ڈھونڈ نکالیں گے' اسی لئے تو میں شرف آباد آنے کی ضد کر رہی تھی۔'' پھر وہ دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گئی اور سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یعقوب کہاں ہے تھانے دار جی؟''

''تم نے میرے الفاظ پر غور نہیں کیا صغریٰ بی بی!'' میں نے اس کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر نرم لہجے میں کہا۔ ''میں نے یعقوب کی نہیں' اس کا سراغ ملنے کی بات کی ہے۔''

''جی..... کیا مطلب؟'' وہ بے تابی سے تڑپ کر بولی۔

میں نے صغریٰ کو حقیقت حالات سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ گھوڑے کی موت والی خبر کو اس سے چھپا کر رکھنا ٹھیک نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے نہایت ہی مختصر اور جامع الفاظ میں اسے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

ادھر میری بات ختم ہوئی' ادھر صغریٰ نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا۔ اس کی آہ و بکا کا فوکس اسی نقطے پر تھا کہ جب یعقوب کے گھوڑے کو اتنی بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے تو پھر خود اس کے بیٹے کا کیا حشر ہوا ہوگا۔

اس کا موقف تو سولہ آنے درست تھا' میں خود بھی اس سے متفق تھا' لیکن تھانے میں اس چیخ پکار کا کوئی فائدہ نہیں تھا' لہٰذا میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔

''صغریٰ! اس وقت میں تمہارے بیٹے کی تلاش ہی میں جا رہا ہوں۔ تم بھی گھر جا کر آرام کرو' انشاء اللہ دوپہر تک میں تمہارے لئے کوئی اچھی خبر ہی لے کر آؤں گا۔''

وہ تھانے سے جانے کے لئے تیار نہیں تھی' بلکہ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا۔ ''تھانے دار جی' میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''

''نہیں..... یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' میں نے دوٹوک الفاظ میں اسے منع کر دیا۔ ''یہ کام اتنا آسان نہیں' جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ تمہیں یہاں سے سیدھا اپنے گھر ہی جانا چاہئے۔''

جان محمد نے بھی اسے یہی سمجھایا کہ پولیس کے تفتیشی معاملات میں اسے نہیں کودنا چاہئے۔ ''تھانے دار صاحب بالکل ٹھیک مشورہ دے رہے ہیں۔ اول تو تمہیں کمال پور سے آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ ضد کر کے آ ہی گئی ہو تو سیدھی اپنے گھر چلو۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

ہم دونوں کے سمجھانے بجھانے پر وہ راضی ہوگئی۔ ہم لوگ ایک ساتھ ہی تھانے سے باہر نکلے۔ مجھے اور شوکت علی کو گھوڑوں پر سوار ہو کر یعقوب کی تلاش میں جنگل کی طرف جانا تھا اور صغریٰ کو جان محمد کے ساتھ اپنے گھر۔ ہم تھانے کے احاطے سے باہر نکلے تو ایک ناخوشگوار صورت حال ہماری راہ دیکھ رہی تھی۔

صغریٰ' جان محمد کے ساتھ جس تانگے میں بیٹھ کر کمال پور سے یہاں پہنچی تھی وہ اپنے کوچوان سمیت تھانے کی باؤنڈری وال کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر تھانے کے داخلی راستے کے قریب ہی ایک اور سجا سجایا تانگا بھی نظر آ رہا تھا' جس پر کوچوان کے علاوہ بھی ایک

بھاری بھرکم شخص موجود تھا۔ صغریٰ پر نظر پڑتے ہی مذکورہ شخص تانگے سے نیچے اتر آیا اور تیز قدموں سے صغریٰ کی جانب بڑھنے لگا۔

''یہ کون ہے صغریٰ.....؟''

جواب دینے کے بجائے اس نے الٹا مجھ سے سوال کر دیا۔ ''یہ کم بخت یہاں کیوں آیا ہے.....؟''

''اگر مجھے اس بدبخت کے بارے میں کچھ معلوم ہوتا تو تم سے کیوں پوچھتا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی اپنا سوال بھی دہرا دیا۔ ''یہ ہے کون جسے دیکھتے ہی تم اچانک غصے میں آ گئی ہو؟''

مذکورہ شخص جیسا خود بھاری بھرکم تھا' اسی مناسبت سے اس نے کنگ سائز مونچھیں بھی رکھ چھوڑی تھیں۔ صغریٰ نے بدستور اس شخص پر نگاہ رکھتے ہوئے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

''یہ رحمت علی ہے جناب..... میرا جیٹھ!''

''تمہارے تیور بتا رہے ہیں کہ تم رحمت علی کو پسند نہیں کرتی ہو۔'' میں نے قدرے دھیمے انداز میں کہا۔

''ناپسند کرنا تو بہت ہی چھوٹی بات ہوگی۔'' وہ تپتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''میں تو اس سے شدید نفرت کرتی ہوں۔ یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ اسے دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا ہے تھانے دار جی.....''

''تم فکر نہ کرو صغریٰ!'' میں نے دھیمی آواز میں اسے تسلی دی۔ ''میں خود ہی پوچھ لیتا ہوں کہ یہ صبح ہی صبح یہاں کس مقصد سے آیا ہے؟''

اس دوران میں رحمت علی ہمارے قریب پہنچ گیا اور میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ صغریٰ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''بھابی! تم کل سے یعقوب کے لئے اِدھر اُدھر پریشان پھر رہی ہو۔ مجھے تو بتایا ہوتا۔ میں تمہارا دشمن تو نہیں ہوں۔''

''تم کون ہوتے ہو دوست اور دشمن کا فیصلہ کرنے والے؟'' صغریٰ تڑخ کر بولی۔ ''جب میں تم سے ہر تعلق ناتا توڑ بیٹھی ہوں تو پھر تم بہانے بہانے سے میری راہ میں آنے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟''

صغریٰ کے جارحانہ بلکہ منہ توڑ جواب نے رحمت علی کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ وہ چور نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی کہ ان بھابی جیٹھ میں بڑی شدید نوعیت کی کشیدگی پائی جاتی تھی۔ اس موقع پر میں نے صورت حال کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور رحمت علی سے مخاطب ہو کر قدرے سخت لہجے میں کہا۔

''تم خوامخواہ اپنی بھابی کو کیوں تنگ کر رہے ہو۔ یہ پہلے ہی بہت پریشان ہے۔''

''حکم کار! میں کہاں صغریٰ کو تنگ کر رہا ہوں۔'' وہ میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

''میں تو اپنی بھابی کا خیر خواہ ہوں جناب! پتا نہیں' یہ مجھ سے اتنی خفا کیوں ہے؟''

''مجھے تمہاری خیر خواہی کی ضرورت نہیں۔'' صغریٰ نے ناگواری سے کہا۔ ''اس لئے تم مجھ سے دور ہی رہو تو اچھا ہے۔''

''دیکھا آپ نے تھانے دار جی۔'' وہ شکایتی انداز میں مجھ سے بولا۔ ''میں اپنے دل میں اس کے لئے کتنی ہمدردی رکھتا ہوں اور یہ.....''

''میں نے کہا ہے نا' نہیں چاہئے مجھے تمہاری ہمدردی!'' صغریٰ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ ''تمہارے لئے یہی اچھا ہے کہ تم فوراً میری نظر سے دور ہو جاؤ۔''

''تھانے دار صاحب! مجھے پتا چلا تھا کہ صغریٰ کا بیٹا کہیں گم ہو گیا ہے۔'' رحمت نے مجھ سے کہا۔ ''میں تو اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی پریشانی بانٹنا چاہتا ہوں اور یہ سمجھ رہی ہے کہ میں اسے تنگ کر رہا ہوں۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ میرا بھتیجا یعقوب آخر کہاں چلا گیا ہے؟''

''اگر صرف اتنی سی بات ہے تو تم فکر نہ کرو' یہ سارا چکر میں تمہیں سمجھا دوں گا۔'' میں نے وقت کی نزاکت کے پیش نظر کہا۔ ''تم اپنی بھابی کا خیال دل سے نکال دو۔''

''ٹھیک ہے جی' آپ جیسے کہہ رہے ہیں' میں ویسے ہی کر لیتا ہوں۔'' وہ بڑی فرماں برداری سے بولا۔

میں نے صغریٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بی بی! تم بیٹھو تانگے میں اور گھر جا کر آرام کرو' میں شام سے پہلے تمہاری طرف چکر لگاؤں گا' جو بھی صورت حال سامنے آئے گی وہ میں تمہیں بتا دوں گا۔''

صغریٰ نے گھور کر ناپسندیدہ نظر سے اپنے جیٹھ رحمت علی کی طرف دیکھا' پھر منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر وہ تانگے پر سوار ہوئی اور جان محمد کے ساتھ اپنے گھر کی جانب روانہ ہو گئی۔

میں نے دانستہ ان جیٹھ بھابی کی تلخ گفتگو کو طویل نہیں ہونے دیا تھا۔ اس سے سوائے وقت ضائع ہونے کے اور کچھ بھی نہ ہوتا۔ صغریٰ کے جانے کے بعد میں نے اے ایس آئی شوکت کو روانہ ہونے کا اشارہ کر دیا اور رحمت علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم اپنے تانگے پر ہمارے پیچھے آؤ۔''

''ہمیں جانا کہاں ہے؟'' وہ الجھن زدہ لہجے میں مستفسر ہوا۔

''یعقوب کو ڈھونڈنے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ادھر جنگل میں۔''

''جنگل میں.....؟'' اس کی حیرت دو چند ہو گئی۔

میں نے گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے یعقوب کے گھوڑے کو پیش آنے والے اندوہناک واقعہ سے آگاہ کیا' پھر گہری سنجیدگی سے کہا۔

''دیکھو رحمت! مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ تمہارا صغریٰ کے ساتھ کیا جھگڑا ہے اور میں یہ بھی نہیں جاننا چاہوں گا کہ تم دونوں کے بیچ کس نوعیت کے اختلافات ہیں۔ میں تو پہلی فرصت میں تمہارے بھتیجے یعقوب کو ڈھونڈ نکالنا چاہتا ہوں۔ پتا نہیں' وہ بے چارہ کہاں اور کس حال میں ہو گا؟'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اس کی جانب گردن گھما کر پوچھا۔

''تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟''

اب ہم تھانے کو پیچھے چھوڑ آئے تھے اور کمال پور کی جانب ہمارا سفر شروع ہو چکا تھا۔ اے ایس آئی شوکت علی اور میں گھوڑوں پر سوار تھے' جبکہ رحمت علی اپنے تانگے پر بیٹھا ہوا تھا۔ شوکت کسی رہنما کی مانند ہم سب سے آگے تھا اور میرا گھوڑا رحمت علی کے تانگے کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا' اس طرح کہ ہم بہ آسانی بات چیت بھی کرتے چلے جا رہے تھے۔ بچپن کا ہندسہ عبور کرنے کے باوجود بھی وہ خاصا مستعد دکھائی دیتا تھا۔

رحمت نے میرے استفسار کے جواب میں کہا۔ ''تھانے دار جی! مجھے آپ کی مدد کرنے میں تو کوئی اعتراض نہیں' لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ جب تک مجھے حالات کا پوری طرح علم نہ ہو۔''

''حالات کا مکمل علم تو کسی کو بھی نہیں ہے رحمت!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ابھی تک اس سلسلے میں جو پیش رفت ہوئی ہے' وہ میں نے تمہیں بتا دی ہے۔''

وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''یہ تو بڑی تشویشناک صورت حال ہے جناب!''

میں نے تھوڑی دیر پہلے تھانے کے سامنے رحمت اور صغریٰ کے درمیان ہونے والی گفتگو کو بڑی توجہ سے سنا تھا۔ رحمت کا انداز تعاون آمیز تھا' جبکہ صغریٰ اس سے سخت ناراض اور برہم نظر آئی تھی۔ ان کے بیچ اصل وجہ کیا تھا' وہ تو ابھی مجھے معلوم نہیں تھی' اسی لئے میں رحمت سے بات کرتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات کو بھی خصوصاً نوٹ کرتا جا رہا تھا' تاکہ اسے سمجھنے میں آسانی رہے۔

''رحمت! تمہارا ذہن اس معاملے کو کس انداز میں لے رہا ہے؟'' میں نے سنجیدہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

''تمہارے خیال میں یعقوب کو کس قسم کے حالات پیش آئے ہوں گے۔''

''میں سمجھتا ہوں' صغریٰ کے بیٹے کو کوئی سنگین حادثہ پیش آ چکا ہے۔'' وہ گمبھیر انداز میں بولا۔ ''آپ نے جو حالات بتائے ہیں' وہ تو اسی جانب اشارہ کرتے ہیں۔''

''ہوں.....'' میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''شرف آباد اور کمال پور کے درمیان جنگل کا ایک بڑا حصہ پڑتا ہے۔'' رحمت نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''یہ جنگل لگ بھگ دو' ڈھائی میل تک پھیلا ہوا ہے۔ مجھے تو یہ کوئی راہ زنی کی واردات لگتی ہے جناب.....!''

''راہ زنی!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''تمہارا مطلب کہ کمال پور سے شرف آباد کی طرف آتے ہوئے ڈاکوؤں نے یعقوب کو لوٹنے کی کوشش کی ہوگی۔''

''ایسا ناممکن تو نہیں ہے جناب!'' وہ ٹھوس انداز میں بولا۔ ''آپ تو جانتے ہی ہیں' یہ جنگل ڈاکوؤں کے وجود سے خالی نہیں۔ اکا دکا وارداتیں تو سامنے آتی ہی رہتی ہیں' جب گھوڑے کی لاش جنگل کے اندرونی حصے سے ملی ہے تو یعقوب کا سراغ بھی اسی جنگل سے ملے گا جناب۔ ہمیں جنگل کے اس حصے کو خاص طور پر اچھی طرح کھنگالنا چاہئے' جہاں یعقوب کے گھوڑے کی لاش پڑی ملی ہے۔''

''ہم اسی طرف جا رہے ہیں رحمت.....'' میں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

وہ اثبات میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

***

لگ بھگ ایک گھنٹے کے بعد اے ایس آئی شوکت کی رہنمائی میں ہم اس مقام پر پہنچ گئے تھے' جہاں یعقوب کے گھوڑے کی لاش پڑی تھی۔ میں نے پہلے کھڑے کھڑے اور پھر اکڑوں بیٹھ کر گھوڑے کا تفصیلی جائزہ لیا۔ واقعی اس بے زبان جانور پر بڑا ستم توڑا گیا تھا۔ اس کا پورا بدن زخموں سے چور چور تھا۔ گردن پر لگنے والے وار نے اس کی شہ رگ کو کاٹ ڈالا تھا۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق اسی خطرناک زخم سے اس کی موت واقع ہوئی تھی۔

ہم اس وقت جنگل کے ابتدائی حصے میں کھڑے تھے۔ میں گھوڑے کی لاش کے معائنے سے فارغ ہوا تو شوکت علی نے کہا۔

''ملک صاحب! اب کیا کرنا ہے؟''

''کرنا تو وہی ہے جو ہم یہاں کرنے آئے ہیں۔'' میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ ''یعنی یعقوب کی تلاش.....''

''اس کا کیا کرنا ہے؟'' اس بار اے ایس آئی نے گھوڑے کی لاش کی جانب اشارہ کیا۔

''اگر یہ کسی انسان کا جسد خاکی ہوتا تو میں وقوعہ کی ضروری کارروائی کے فوراً بعد اسے پوسٹ مارٹم کے لئے سرکاری ہسپتال بھجوا دیتا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''فی الحال اس کو یہیں چھوڑ کر ہمیں یعقوب کی تلاش میں آگے بڑھنا چاہئے۔''

''ٹھیک ہے ملک صاحب! بسم اللہ کریں۔'' وہ سر کو تائیدی جنبش دیتے ہوئے بولا اور ہم نے بسم اللہ کر دی۔

''ہم'' سے میری مراد میں' اے ایس آئی شوکت علی اور گمشدہ یعقوب کا تایا رحمت علی تھے۔ رحمت نے کوچوان کو تانگے ہی میں چھوڑ دیا تھا' جو لاش سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔

میں ''تلاش یعقوب'' کی تفصیل میں جا کر آپ کو بور نہیں کروں گا' کیونکہ گھنے جنگل میں

اس نوعیت کا کام خاصا اکتاہٹ آمیز اور دشوار گزار ہوتا ہے۔ اس دوران میں ہمارے بیچ گفتگو کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ایک سوال صبح ہی سے میری سوچ کو ڈسٹرب کر رہا تھا' لہٰذا اپنے ذہن کی تشفی کے لئے میں نے رحمت علی سے پوچھ لیا۔

''رحمت! میں نے واضح طور پر محسوس کیا ہے کہ تمہاری بھابی تم سے سخت ناراض ہے۔ یہ کیا ماجرا ہے؟''

''جناب! یہ ماجرا تو آج تک میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔'' وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''پتا نہیں' اسے مجھ سے خدا واسطے کا بیر کیوں ہے' جبکہ آج تک میں نے ایک پیسے کا نقصان اسے نہیں پہنچایا۔''

''اتنی شدید نفرت خوامخواہ نہیں پیدا ہو جاتی رحمت۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''میں نے صغریٰ کی آنکھوں میں تمہارے لئے ناپسندیدگی امڈتے دیکھی ہے۔ اس نوعیت کی رنجش کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہوگا نا.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم بتانا نہ چاہو تو الگ بات ہے.....''

''ایسی بات نہیں ہے ملک صاحب!'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں صرف اس لئے اپنی زبان نہیں کھول رہا کہ کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں صغریٰ کے خلاف زہر اگل رہا ہوں۔ اس کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔''

انسانی جان بچانے کے لئے اور تفتیش کی گاڑی کو آگے بڑھانے کے لئے نظریہ ضرورت کے تحت اسے جائز سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک کسی بھی قانون قاعدے سے زیادہ اہم انسان ہوتا ہے اور..... وہ صورت حال اہم ہوتی ہے' جس کے اندر انسان پھنسا ہوا ہو۔ ہم اس وقت جس مشن پر ہیں' اس کا مقصد نیک اور مثبت ہے لہٰذا اگر یعقوب تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مجھے تمہاری زبان سے صغریٰ کی اور صغریٰ کی زبان سے تمہاری برائی بھی اگلوانا پڑے تو میں اس میں ایک لمحے کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گا۔'' میں نے توقف کر کے بڑی گہری نظر سے رحمت علی کی طرف دیکھا' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''اگر میری بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہو تو بتا دو کہ تمہاری صغریٰ سے یا صغریٰ کی تم سے کیا دشمنی ہے..... وہ تم سے اتنی شدید نفرت کیوں کرتی ہے؟''

''میری تو اس سے قطعاً کوئی دشمنی نہیں ہے ملک صاحب۔'' وہ بڑے کھلے ڈلے انداز میں بولا۔ ''اب جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ وہ مجھے کیوں ناپسند کرتی ہے تو میں اس سلسلے میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ وہ ایک سازشی اور فتنہ پرور عورت ہے۔ میں چونکہ کھری بات کرتا ہوں' اس لئے وہ مجھ سے اپنی نفرت کا اظہار کرتی ہے۔ اسی عورت کی چال بازیوں نے ہمارا ہنستا بستا گھر اجاڑ کر رکھ دیا ہے۔''

یہ ایک بالکل نئی کہانی سامنے آ رہی تھی۔ میں نے یعقوب کی تلاش کا کام جاری رکھتے ہوئے رحمت علی سے کہا۔

''رحمت! ابھی تم نے صغریٰ کے حوالے سے جن گھریلو حالات و واقعات کا ذکر کیا ہے' مجھے تفصیلاً اس کے بارے میں بتاؤ' میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔''

میں نے گرین سگنل دیا تو وہ اللہ کا بندہ شروع ہو گیا۔ اس نے تو مجھے ایک لمبا چوڑا قصہ سنا ڈالا تھا' لیکن میں اس کے بیان میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ صغریٰ بی بی کا پس منظر آپ کے سامنے اجاگر ہو جائے۔ ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ یہ رحمت علی کا موقف ہے جو اس نے میرے گوش گزار کیا اور میں آپ تک پہنچا رہا ہوں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صغریٰ رحمت کے موقف سے اتفاق بھی کرے' بلکہ مجھے جو حالات نظر آ رہے تھے ان کی روشنی میں ایک بات میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ صغریٰ اس سے مکمل اختلاف ہی کرے گی۔

رحمت علی کے بیان کے مطابق صغریٰ بہت ہی چنٹ اور چالاک عورت تھی۔ اس کی مکاری اور چال بازی کو سمجھنا ہما شما کے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا مرحوم برکت علی (صغریٰ کا شوہر اور رحمت علی کا چھوٹا بھائی) بھی اس کے دام فریب کا شکار ہو گیا۔ صغریٰ کا تعلق دوسرے خاندان سے تھا اور رحمت کا باپ سلامت علی اس رشتے کے لئے تیار نہیں تھا۔ صغریٰ نے ایسا چکر چلایا کہ اسے پانے کے لئے برکت علی نے والدین کی مخالفت مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ معاملہ جب حدود سے تجاوز کرنے لگا تو سلامت علی نے بہت ہی دانش مندانہ اقدام کیا' حالانکہ رحمت علی اور اس کی ماں کنیز فاطمہ بھی برکت اور صغریٰ کی شادی کے حق میں نہیں تھے۔ سلامت علی نے اس بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کو ٹھنڈا کرنے اور خاندان کی بقا کے لئے تمام تر اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر برکت علی کو صغریٰ سے شادی کرنے کی اجازت دے دی۔

برکت اور رحمت صرف دو بھائی تھے۔ ان کی کوئی بہن نہیں تھی۔ رحمت کی شادی چند سال پہلے اپنے ماموں کی بیٹی سے ہوئی تھی اور یہ سب لوگ مل جل کر ایک ہی بڑے سے گھر میں رہتے تھے۔ سلامت علی' شرف آباد کے چودھری مرغوب حسین کے بعد دوسرے درجے کے چودھریوں میں پہلے نمبر پر شمار کیا جاتا تھا۔ اس کی اچھی خاصی اراضی تھی اور گھر کے اندر ہر سکون اور آسائش میسر تھی۔ صغریٰ بھی بیاہ کر اسی گھر میں آ گئی تھی۔

دو تین ماہ تو ہنستے کھیلتے گزر گئے۔ اس کے بعد رحمت علی کے مطابق صغریٰ نے پر پرزے نکالنا شروع کر دیئے۔ سب پہلے تو دیورانی اور جیٹھانی میں محاذ جنگ کھل گیا۔ یہ جھگڑے پھڈے اتنے بڑھے کہ اپنی بیویوں کی حمایت میں دونوں بھائی ایک دوسرے کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ اس صورتحال نے بوڑھے والدین کو مشکل میں ڈال دیا۔ سلامت علی ایک دانا و بینا شخص تھا۔ اسے معاملے کی تہ تک پہنچنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور اس نے ایک مکان اور پچیس ایکڑ نہری زرعی اراضی دے کر برکت علی اور اس کی بیوی صغریٰ کو الگ کر دیا۔ رحمت علی کے مطابق صغریٰ نے یہ سارا فساد الگ ہونے کے لئے ہی برپا کیا تھا' بالآخر وہ اپنی ضد نما کوشش یا جھگڑا نما سازش میں کامیاب ہو گئی تھی۔

اس علیحدگی کے بعد صغریٰ نے پلٹ کر اپنی سسرال میں قدم نہیں رکھا تھا' البتہ دونوں بھائیوں میں کبھی کبھار میل ملاقات ہو جاتی تھی۔ گاہے بہ گاہے برکت علی اپنے والدین سے ملنے بھی چلا جاتا تھا۔ اس دوران میں سلامت علی اور کنیز فاطمہ کا انتقال ہو گیا۔ سلامت علی کے پاس کل ستر ایکڑ زمین تھی۔ جب برکت علی الگ ہوا تو اسے ایک مکان کے علاوہ انہی ستر میں سے پچیس ایکڑ زمین دے دی گئی تھی لہٰذا باقی بچ رہنے والے پینتالیس ایکڑ رحمت علی کے حصے میں آ گئے تھے۔ وہ اب اپنے بیوی بچوں کے ساتھ والدین والے بڑے گھر میں رہ رہا تھا۔

رحمت نے مجھے بتایا کہ سلامت علی اور کنیز فاطمہ کے انتقال کے بعد صغریٰ نے ایک مرتبہ پھر تنازع کھڑا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا مطالبہ تھا کہ والدین کے انتقال کے بعد دونوں بھائیوں میں زمین و جائیداد کی منصفانہ تقسیم ہونا چاہئے یعنی دونوں کے حصے پینتیس' پینتیس ایکڑ زمین آنا چاہئے۔ اس سلسلے میں چونکہ برکت علی نے کوئی دباؤ نہیں ڈالا تھا' لہٰذا رحمت علی نے بھی صغریٰ کے واویلے کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا تھا۔ پھر کچھ عرصے بعد جب برکت علی حادثاتی موت کا شکار ہو کر دوسری دنیا میں منتقل ہو گیا تو یہ معاملہ بھی دب دبا گیا۔ رحمت

علی کا ضمیر مطمئن تھا کہ اس نے کسی کا حق نہیں کھایا۔ جب والد صاحب نے ایک شاندار مکان اور پچیس ایکڑ زرعی اراضی دے کر برکت علی کو اسی کے مطالبے پر الگ کیا تھا تو جائیداد کی تقسیم اسی دن ہو گئی تھی۔ اب جو کچھ بھی باقی بچا تھا اس پر صرف اور صرف اسی کا حق تھا۔

اپنے بیان کے آخر میں رحمت علی نے بڑے افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بتایا۔ ''ملک صاحب! میں صغریٰ کی ہر زیادتی کو نظر انداز کر سکتا ہوں لیکن برکت کے انتقال کے کچھ عرصے بعد اس نے ایک ایسی گھٹیا حرکت کی کہ مجھے بھی اس سے شدید نفرت ہو گئی تھی اور.....'' اس نے توقف کر کے معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھا' پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کیا کروں جناب صغریٰ تو غیر تھی اور اب تک غیر ہی بنی ہوئی ہے' لیکن یعقوب تو میرے بھائی کا خون ہے نا..... اس کی گمشدگی سے میرا دل نہیں دکھے گا تو پھر کس کا دکھے گا۔ بس' دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور اپنے خون کی پکار پر میں ادھر آ گیا تھا' ورنہ صغریٰ کی تو شکل دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔''

وہ خاموش ہوا تو میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ ''صغریٰ نے تمہارے ساتھ ایسی کون سی گھٹیا حرکت کی تھی' جو تمہارا دل کھٹا ہو گیا.....؟''

''اس نے مجھ پر یہ گھناؤنا الزام لگایا تھا کہ ایک رات میں نے اس کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی تھی۔'' اتنا بتانے کے بعد وہ افسردہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

''اوہ.....'' میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس کے بعد ہمارے درمیان خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا' پھر یعقوب کی تلاش کے ساتھ ہی اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ آئندہ چند گھنٹوں میں' میں نے جنگل کا تقریباً چپا چپا چھان مارا' لیکن مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ یعقوب کا ہمیں کوئی سراغ نہیں ملا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں اڑن چھو ہو گیا۔ اب یہی کہا جا سکتا تھا کہ اسے آسمان نے کھایا تھا اور نہ ہی زمین نے نگلا تھا۔ وہ اگر اس جنگل میں جنگل ہوا تو پھر وہ جنگل سے نکل کر آگے کہیں اور چلا گیا تھا یا اسے کہیں اور پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کا گھوڑا زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ اگر خدانخواستہ یعقوب کے ساتھ بھی اسی نوعیت کا کوئی سنگین اور جان لیوا واقعہ پیش آ گیا تھا تو آج کی تلاش کے دوران

جنگل سے نکل کر کہیں اور چلا گیا تھا۔

ہم یعقوب کی تلاش والے مشن میں ناکام و نامراد واپس لوٹ آئے۔ میرا ذہن الجھن زدہ اور دل بوجھل تھا اور میں مسلسل ایک ہی نقطے پر غور کر رہا تھا کہ یعقوب کا ایسا خطرناک دشمن کون ہوسکتا ہے جس نے پہلے اس کے گھوڑے کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا اور پھر خود اسے بھی غائب کر دیا۔ ایسا کام کسی دوست کا تو ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔

شروع میں میرا دھیان ڈاکوؤں کی کارروائی کی طرف گیا تھا' لیکن جنگل کا مکمل سروے کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ گھوڑے کی دردناک موت اور یعقوب کے غیاب میں کوئی ڈاکو یا ان کا گروہ ملوث نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر یہ ڈاکوؤں کا کارنامہ ہوتا تو وہ یعقوب کو لوٹنے کے بعد آگے بڑھ جاتے۔ انہیں گھوڑے کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور بالفرض محال کسی چھینا جھپٹی اور کھینچا تانی میں گھوڑا شدید زخمی ہو بھی گیا تھا تو پھر یعقوب کا بھی صحیح و سالم بچ جانا ممکن نہیں تھا۔ وہ زندہ یا مردہ اسی جنگل سے دستیاب ہو جاتا..... چونکہ ایسا نہیں ہوا تھا اس لئے میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ یہ واقعہ کسی بھی زاویے سے ڈاکوؤں کے کھاتے میں نہیں ڈالا جا سکتا تھا..... میں سوچ کے گھوڑے دوڑا ہی رہا تھا کہ رحمت علی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''ملک صاحب! مجھے تو یہ کوئی اور ہی چکر لگتا ہے۔''

میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''کیا چکر رحمت علی؟''

''مجھے تو یوں لگتا ہے یعقوب کے ساتھ جنگل میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''میں کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یعقوب چپ چاپ خود ہی کہیں نکل گیا ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

''چپ چاپ وہ کیوں چلا جائے گا.....؟'' میری الجھن بجا تھی۔

''ہوسکتا ہے' یہ کوئی لڑکی وغیرہ کا چکر ہو.....'' وہ اتنی دھیمی آواز میں بولا کہ اے ایس آئی شوکت علی ہماری جانب متوجہ نہ ہوسکے۔ ''وہ کہیں کسی لڑکی کو تو بھگا نہیں لے گیا؟''

''عقل کو ہاتھ مارو رحمت علی!'' میں نے تیز نظر سے اسے گھورا۔ ''یعقوب کے قصبے سے غائب ہوئے آج تیسرا دن ہے۔ اگر یہ لڑکی کو بھگا لے جانے کا کوئی واقعہ ہوتا تو اب تک اس

مبینہ لڑکی کے ورثا ضرور حرکت میں آ چکے ہوتے۔ شرف آباد میں اتنی خاموشی نظر نہ آتی اور پھر.....'' میں نے رک کر ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''شاید یہ بات تمہارے علم میں نہیں کہ یعقوب کی منگنی کبریٰ کی بیٹی سلمیٰ سے ہو چکی ہے اور ڈیڑھ دو سال میں ان کی شادی ہونے والی ہے۔ ان حالات میں وہ کسی لڑکی کو کیسے بھگا کر کہیں لے جا سکتا ہے؟''

''میں اس کی منگنی سے اچھی طرح واقف ہوں ملک صاحب۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ''عین ممکن ہے' وہ اپنی خالہ کی بیٹی کو پسند نہ کرتا ہو' صغریٰ نے یہ منگنی زبردستی کر دی ہو۔ وہ چپکے چپکے کسی اور لڑکی کو چاہتا ہو اور موقع ملتے ہی وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں فرار ہو گیا ہو..... یہ ناممکن تو نہیں ہے جناب۔ عشق اور محبت کے معاملات بعض اوقات بڑے حیرت انگیز اور سمجھ میں نہ آنے والے واقعات کو جنم دیتے ہیں۔''

''ہاں' رحمت علی! ایسا ہو جانا ناممکن تو نہیں۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن اس صورت میں تم یعقوب کے گھوڑے کی دردناک موت کو کس خانے میں فٹ کرو گے؟''

''یہ ڈرامہ خود یعقوب کا رچایا ہوا بھی تو ہوسکتا ہے جناب۔'' وہ گمبھیر انداز میں بولا۔ ''تاکہ سب کا دھیان ڈاکوؤں کی کارروائی کی طرف جائے اور کوئی اس کے اصل مقصد تک رسائی حاصل نہ کر سکے' جیسا کہ ہم نے بھی یہی سوچا اور پانچ چھ گھنٹے جنگل میں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد واپس آ گئے۔''

''تمہاری باتوں میں خاصا وزن ہے رحمت علی۔'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ اتنا ہی شقی القلب ہے کہ اپنی ماں کو تن تنہا چھوڑ کر کسی لڑکی کے ساتھ کہیں رفو چکر ہو گیا ہے۔''

''میرے ذہن میں جو بات آئی' وہ میں نے آپ کو بتا دی ہے۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔ ''یقین کریں یا نہ کریں' یہ تو آپ کی مرضی ہے جناب۔''

''یقین نہ کرنے والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے رحمت علی۔'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''تفتیش کی گاڑی تو ہمیشہ شک کے پٹرول ہی سے چلتی ہے اور تم نے اس سلسلے میں مجھے عملی اقدام کے لئے کئی راہیں دکھا دی ہیں۔ میں تمہارے اس تعاون کے لئے شکر گزار ہوں۔''

''جناب! یہ تو میرا فرض تھا۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''صغریٰ مجھے لاکھ اپنا دشمن سمجھتی رہے' لیکن یعقوب تو میرا بھتیجا ہے اور ہمیشہ بھتیجا ہی رہے گا۔ میں تو یہی چاہوں گا کہ اس کا کوئی نقصان نہ ہو۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں رحمت علی۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اور اس سلسلے میں تم سے میری ایک درخواست ہے۔''

''درخواست نہیں' آپ حکم کریں ملک صاحب۔'' وہ جذباتی ہو گیا۔

میں نے کہا۔ ''یعقوب کی تلاش اور بازیابی کے لئے تم اپنے طور پر جو بھی کوشش کرنا چاہو' میں تمہیں روکوں گا نہیں لیکن صغریٰ کو اس بات کی خبر نہیں ہونا چاہئے کہ اس تفتیش میں تم بہ نفس نفیس ملوث ہو۔ تم سمجھ رہے ہو نا' میں یہ بات کیوں کہہ رہا ہوں۔''

''جی ملک صاحب! بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔ جب اسے پتا چلے گا کہ یعقوب کی تلاش کے سلسلے میں' میں آپ کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کر رہا ہوں تو وہ ہتھے سے اکھڑ جائے گی۔''

''ہاں' بالکل یہی بات ہے۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ ''تم در پردہ رہ کر کام کرو گے اور اپنی کوشش کی رپورٹ پہنچاتے رہو گے۔''

''آپ بھی مجھ سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔'' وہ اپنایت سے بولا۔

''اس سلسلے میں جو بھی پیش رفت ہو گی اس سے مجھے آگاہ کرتے رہیں گے۔''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے دو لفظی جواب پر اکتفا کیا۔

لگ بھگ چار بجے سہ پہر ہم واپس تھانے پہنچ گئے۔

***

سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے میں صغریٰ سے ملنے اس کے گھر چلا گیا۔ آج کا پورا دن بہت بھاگ دوڑ بلکہ شدید نوعیت کی مشقت میں گزرا تھا۔ کام تو ہم روز ہی کرتے تھے اور ظاہر ہے' اس کام سے تھکاوٹ بھی ہوتی تھی' لیکن آخر میں انسان کو اس کا مقصد حاصل ہو جائے تو پھر ساری تھکن راحت میں بدل جاتی ہے' میرے ساتھ چونکہ ایسا نہیں ہوا تھا' لہٰذا دن بھر کی تھکان نے اعصاب اور حواس پر ایک عجیب سی اکتاہٹ اور بے زاری طاری کر دی تھی۔

یہ تو میرے جی جان کی کیفیت تھی' اس ماں کے دل پر کیا گزر رہی تھی' جس کا جوان جہان

بیٹا پچھلے دو دن سے لاپتا تھا..... بس یہی سوچ کر میں صغریٰ سے ملنے چلا آیا تھا۔

یہاں آ کر پتا چلا کہ کمال پور سے کبریٰ اور عمران بھی آئے ہوئے ہیں۔ عمران کبریٰ کا بڑا بیٹا تھا' جس کی عمر کم و بیش دس سال تھی۔ وہ اس وقت باہر گلی میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ یہ لوگ کوئی ایک گھنٹہ پہلے کمال پور سے شرف آباد پہنچے تھے۔ کبریٰ کو اپنی بہن کے ساتھ ساتھ' ہونے والے داماد کی فکر بھی کھائے جا رہی تھی لہٰذا وہ اپنے بیٹے کو لے کر ادھر ہی آ گئی تھی۔

میں گھر کے اندر پہنچا تو جان محمد' صغریٰ اور کبریٰ کی یاسیت بھری سوالیہ نگاہوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان کے اضطراری استفسارات کے جواب میں' میں نے نہایت ہی مختصر اور جامع الفاظ میں انہیں تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ دنیا کا سب سے مشکل کام یہی ہوتا ہے کہ کسی کی بندھی ہوئی امید کو توڑ دیا جائے۔

ان کے چہرے اترے گئے اور وہاں پر گہرے رنج و الم کی گھٹاؤں نے ڈیرہ جما لیا۔

میں نے صغریٰ کو مخاطب کرتے ہوئے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ ''دیکھو بی بی! تمہارے بیٹے کے ساتھ جنگل میں کیا واقعہ پیش آیا ہو گا' ابھی اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا' لیکن مجھے امید ہے کہ بہت جلد اس کا سراغ لگا لوں گا۔'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ان الفاظ کا اضافہ کر دیا۔

''میں تمہارے دکھ درد میں برابر کا شریک ہوں۔ میں اور میرے تھانے کا پورا عملہ یعقوب کی تلاش کے سلسلے میں مصروف ہے' لیکن اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے مجھے تمہارے بھرپور تعاون کی بھی ضرورت ہے۔''

''جی.....'' وہ روہانسی ہو گئی۔ ''آپ مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتے ہیں؟''

''میں تمہاری مدد سے اس شخص تک پہنچنا چاہتا ہوں جو کسی بھی حوالے سے اپنے دل میں یعقوب کے لئے دشمنی کے جذبات رکھتا ہو.....؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''دیکھیں جی' دلوں کے حال تو صرف خدا ہی جانتا ہے۔'' وہ دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے بولی۔ ''میں تو یعقوب کے کسی دشمن کو نہیں جانتی۔ وہ تو سب کے ساتھ بنا کر رکھنے والا بچہ تھا۔''

''یعقوب کے گھوڑے کو جس بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے وہ کسی ظالم اور سفاک شخص کا کارنامہ دکھائی دیتا ہے اور ایسا کام کوئی دشمن ہی کر سکتا ہے۔'' میں نے سمجھانے

والے انداز میں کہا۔ ''لہٰذا جب تک مجھے یہ پتا نہ چلے کہ یعقوب کس کی آنکھ میں کھٹکتا تھا' میں تفتیش کی گاڑی کو مؤثر انداز میں آگے نہیں بڑھا سکتا۔''

''تھانے دار جی..... یہ کام راہزنوں اور ڈاکوؤں وغیرہ کا بھی تو ہوسکتا ہے۔'' جان محمد نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔ ''یہ دو ڈھائی میل تک پھیلا ہوا جنگل بہت ہی خطرناک ہے۔''

''میں نے ڈاکوؤں والے پہلو پر بہت غور کیا ہے جان محمد!'' میں نے جان محمد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ مجھے ان کا کیا دھرا نہیں لگتا۔''

''جناب! یہ بات آپ کس بنا پر کہہ رہے ہیں؟'' وہ پوچھ بیٹھا۔

''بنا.....'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ ڈاکو اور خصوصاً وہ ڈاکو جو جنگل کا سہارا لے کر مسافروں کو لوٹتے ہیں وہ اس قسم کی کارروائی دن دہاڑے نہیں کیا کرتے۔ جنگل کو یہ لوگ اپنے مسکن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر وہ اپنے مسکن سے دور کوئی خطرناک واردات کرتے ہیں' پھر جنگل میں آکر چھپ جاتے ہیں۔'' میں نے تھوڑی دیر کے لئے رک کر ان تینوں کے چہروں کا جائزہ لیا' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یعقوب دن کے اجالے میں کمال پور سے روانہ ہوا تھا اور جب وہ جائے وقوعہ پر پہنچا اس وقت بھی اچھی خاصی روشنی ہوگی لہٰذا ڈاکوؤں کی کارروائی کا امکان تو رد ہی کر دیں' البتہ کسی راہزن کے بارے میں تھوڑی دیر کے لئے سوچا جا سکتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اس لئے کہ مجھے نہیں امید' یہ کسی راہزن کا کیا دھرا ہو' کیونکہ راہزن بڑی جلدی میں ہوتا ہے اور وہ قتل و غارت گری سے حتی الامکان گریز کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا مطمح نظر مسافر کو لوٹنا اور بڑی سرعت سے آگے بڑھ جانا ہوتا ہے۔ وہ اس قسم کے معاملات میں نہیں پڑتا' جیسا کہ یعقوب کے گھوڑے کے ساتھ ہوا ہے۔''

جان محمد سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''یہ اغوا برائے تاوان کا بھی تو واقعہ ہوسکتا ہے؟''

''ہرگز نہیں!'' میں نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''اگر یعقوب کو کسی تاوان کی غرض سے اغوا کیا گیا ہوتا تو اب تک اغوا کنندگان کی جانب سے کوئی مطالبہ سامنے آچکا ہوتا اور اغوا کرنے والے مغوی کی سواری کو عبرت ناک موت سے دوچار نہیں کیا کرتے۔''

''پھر..... آپ کے خیال میں یعقوب کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہوگا؟'' یہ سوال کبریٰ کی طرف سے اٹھایا گیا تھا۔

''میں نے یعقوب کی گمشدگی کے حوالے سے اب تک جو تفتیش کی ہے' اس سے میرے سامنے صرف دو وجوہات آئی ہیں۔'' میں نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال' کوئی تیسرا سبب سمجھ میں نہیں آرہا۔''

''اور وہ دو وجوہات کون سی ہیں؟'' جان محمد نے سنسنی خیز انداز میں مجھ سے پوچھا۔ ''کیا آپ ہمیں بھی بتائیں گے۔''

''کیوں نہیں.....'' میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں اسی لئے تو یہاں آیا ہوں کہ اپنے اور آپ لوگوں کے خیالات کو ملا کر کوئی جامع منصوبہ بندی کر سکوں۔ مجھے آپ لوگوں سے زیادہ یعقوب کو بازیاب کرانے کی جلدی ہے۔'' میں نے تھوڑی دیر رک کر ایک بوجھل سانس خارج کی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''میری نظر میں یہ یعقوب کے کسی جانے پہچانے دشمن کی کارستانی ہے۔ وہ کمال پور ہی سے اس کے تعاقب میں تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے' وہ شرف آباد سے اس کے پیچھے گیا ہو۔ اسے راستے میں وار کرنے کا موقع نہ ملا ہو' لہٰذا اس نے واپسی پر اپنا کام دکھا دیا۔ یعقوب کو جیسے ہی حملہ آور کا احساس ہوا' اس نے اپنے گھوڑے کو بھگانے کی کوشش کی ہوگی لہٰذا حملہ آور کے زیادہ تر وار گھوڑے کے بدن پر لگے اور وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یعقوب کہاں چلا گیا.....؟ میں نے آج جنگل کا چپا چپا اور کونا کونا چھان مارا ہے' زندہ یا زخمی یا مردہ یعقوب کے آثار کہیں دکھائی نہیں دیئے۔ اس راز سے وہ شخص ہی پردہ اٹھا سکتا ہے' جس نے گھوڑے کو اذیت ناک موت مرنے پر مجبور کر دیا تھا..... وہی دراصل یعقوب کا دشمن ہے' جس کی مجھے تلاش ہے۔''

''اور دوسری وجہ.....؟'' میرے خاموش ہونے پر جان محمد نے سوال کیا۔

''دوسری وجہ خود یعقوب ہی ہوسکتا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''جی..... کیا مطلب.....؟'' صغریٰ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

''یہ بھی ممکن ہے کہ یعقوب کسی لڑکی کو یہاں سے بھگا لے گیا ہو۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''گھوڑے کو موت کے گھاٹ اتار کر اس نے اغوا وغیرہ کا ڈرامہ رچایا ہو' یہ لڑکی شرف

آباد کی رہنے والی بھی ہوسکتی ہے اور کمال پور کی وسنیک بھی۔ آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے.....؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھانے دار صاحب!'' صغریٰ بڑے وثوق سے بولی۔ ''اگر اس کا کسی لڑکی کے ساتھ کوئی چکر ہوتا تو مجھ سے چھپ نہیں سکتا تھا اور پھر اس کی تو منگنی بھی ہو چکی ہے۔''

ہر ماں کا اپنی اولاد کے بارے میں یہی دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ ان کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے کی بھی خبر رکھتی ہے۔ انہی خیالات کا اظہار صغریٰ بی بی نے بھی کیا تھا۔ میں اس کے دعوے کو چیلنج کر کے بحث کا کوئی نیا دروازہ نہیں کھول سکتا تھا' لہٰذا کبریٰ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یعقوب کی ادھر کمال پور میں تو کسی سے دشمنی وغیرہ نہیں تھی؟''

''نہیں جی..... وہ تو کسی سے گھلتا ملتا ہی نہیں تھا۔'' کبریٰ نے جواب دیا۔ ''یعقوب اپنے کام سے کام رکھنے والا بچہ تھا۔''

ایک فوری خیال کے تحت میں نے جان محمد سے پوچھ لیا۔ ''ایک بڑا نازک اور ذاتی نوعیت کا سوال ہے' لیکن آپ لوگوں کو اس کا بہت سوچ سمجھ کر جواب دینا ہوگا۔''

''جی پوچھیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''ہم سب یعقوب کی بازیابی کے لئے سخت پریشان ہیں۔ آپ ہم سے جو بھی سوال کریں گے' ہم اس کا بالکل درست جواب دیں گے۔''

میں نے یکے بعد دیگرے جان محمد اور کبریٰ کی طرف دیکھا' پھر سوال کیا۔ ''کیا سلمیٰ اور یعقوب کی منگنی سے پہلے سلمیٰ کا کہیں اور سے بھی رشتہ آیا تھا؟''

''جی ہاں' سلمیٰ کے تین رشتے آئے تھے۔'' کبریٰ نے بتایا۔ ''لیکن میں چونکہ صغریٰ کو زبان دے چکی تھی اس لئے ہم نے ان سب کو صاف انکار کر دیا۔''

''کیا ان لوگوں کا تعلق کمال پور ہی سے تھا۔''

''جی ہاں!'' کبریٰ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''تم مجھے ان تینوں کے نام اور گھر کے پتے نوٹ کروا دو۔'' میں نے اپنی جیب سے پاکٹ ڈائری اور قلم برآمد کرتے ہوئے کہا۔

اس دوران میں جان محمد خاموش بیٹھا بڑی گہری نظر سے میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔ کبریٰ نے

ایک ہی سانس میں مجھے ان لڑکوں کے نام اور پتے لکھوا دیئے جن کے رشتے اس کی بیٹی سلمیٰ کے لئے آئے تھے۔ ان لڑکوں کے نام علی الترتیب کچھ اس طرح تھے۔ ساجد علی' امیر خان اور پرویز احمد۔

''رشتے ٹھکرائے جانے پر ان لوگوں میں سے کسی نے کوئی احتجاج وغیرہ بھی کیا تھا۔'' میں نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔ ''اپنی برہمی یا ناراضی وغیرہ کا اظہار کیا ہو.....؟''

''ساجد علی اور پرویز احمد نے تو ہمارے انکار کو بالکل عام انداز میں لیا تھا۔'' کبریٰ نے جواب دیا۔ ''لیکن امیر خان اور اس کے گھر والوں کو ہمارا منع کرنا بہت برا لگا تھا۔ اسی روز سے انہوں نے ہم سے بول چال اور ملنا جلنا بھی بند کر دیا ہے۔''

''امیر خان.....'' میں نے زیر لب دہرایا پھر ڈائری میں درج اس نام پر دائرہ لگا دیا۔

جان محمد سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''تھانے دار صاحب! میں سمجھ سکتا ہوں کہ آپ سلمیٰ کے مسترد کئے جانے والے رشتوں کے بارے میں اتنا کرید کرید کر کیوں پوچھ رہے ہیں۔ آپ کے ذہن میں یہ بات ہے کہ ممکن ہے انہی میں سے کسی نے حاسدانہ جذبات سے مغلوب ہو کر یعقوب کو نقصان پہنچایا ہو.....''

''یہ ناممکن تو نہیں ہے.....'' میں نے سوالیہ نظر سے جان محمد کی طرف دیکھا۔ ''مجھے تو ہر وہ راہ اختیار کرنا ہے' جو کسی بھی زاویے سے اصل مجرم تک پہنچا دے اور مجھے یقین ہے' آپ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ملک صاحب..... بے شک ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔'' جان محمد نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''آپ جیسے مناسب سمجھتے ہیں' ضرور تفتیش کریں۔ ویسے میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ادھر کمال پور سے کسی نے یعقوب کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی ہو گی۔''

میں نے جان محمد کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر صغریٰ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''تو تم یعقوب کے کسی دشمن کو نہیں جانتی ہو.....؟''

''جی ہاں' جو حقیقت ہے وہ میں نے آپ کو بتا دی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''دشمن نہیں تو یعقوب کے چند ایسے دوستوں ہی کے نام بتا دو جن کے ساتھ اس کا زیادہ اٹھنا بیٹھنا تھا۔''

''ان میں ایک کا نام تو نور شاہ ہے اور دوسرے کا نام ہے حنیف خان۔'' اس نے بتایا۔

''یعقوب کی زیادہ میل ملاقات انہی دو لڑکوں سے تھی۔''

''کیا حنیف خان اور نور شاہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ یعقوب پچھلے دو دن سے غائب ہے؟'' میں نے صغریٰ سے سوال کیا۔

''جی۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''یہ دونوں بھی یعقوب کی گمشدگی کی وجہ سے سخت پریشان ہیں۔''

''ہوں.....'' میں نے پرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا پھر کہا۔ ''ٹھیک ہے' میں ان کو تھانے بلا کر ضرور پوچھ گچھ کروں گا۔ کیا یہ بھی اسی محلے میں رہتے ہیں؟''

صغریٰ نے مجھے ان کے گھروں کے حدود اربعہ کے بارے میں تفصیلاً بتا دیا۔ میں نے ضروری معلومات کو اپنی ڈائری میں درج کرنے کے بعد نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''صغریٰ! میں تم سے تنہائی میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

میرے الفاظ سے ٹپکتی سنجیدگی' بلکہ سنگینی کو محسوس کر کے کبریٰ اور جان محمد نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر صغریٰ کی سمت دیکھتے ہوئے جان محمد نے کہا۔

''صغریٰ! ہم دوسرے کمرے میں جا رہے ہیں۔ تم اطمینان سے بیٹھ کر تھانے دار صاحب کی بات سن لو۔''

پھر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ میاں بیوی خاموشی سے اٹھے اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

تنہائی میسر آتے ہی میں نے صغریٰ سے پوچھا۔

''یہ تمہارے جیٹھ رحمت علی کا کیا معاملہ ہے.....؟''

''کیوں.....'' وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ ''کیا اس نے میرے بارے میں کوئی بکواس کی ہے.....؟''

میں نے صغریٰ کو یہ بتانا ضروری نہ سمجھا کہ یعقوب کی تلاش میں رحمت علی کو دن بھر میں نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ یہ جان کر خوامخواہ اس کا پارا چڑھ جاتا۔ یہ بات میں نے اچھی طرح جان لی تھی کہ صغریٰ' رحمت علی کے لئے اپنے دل میں نفرت کے جذبات رکھتی تھی۔ میں نے اس کے سوال کے جواب میں کہا۔

''میں نہیں جانتا' اس نے بکواس کی ہے یا حقیقت بیانی سے کام لیا ہے۔ جب میں نے

اس سے پوچھا کہ اس کی بھابی یعنی تم اس سے قدر خفا کیوں ہو تو اس نے مجھے اس چپقلش کا خاندانی پس منظر بتا دیا۔ مجھے ان باتوں سے تو غرض نہیں کہ تم لوگوں کے بیچ کس نوعیت کے تنازعات رہے ہیں' لیکن ایک امر کی تصدیق میں ضروری سمجھتا ہوں' اسی لئے میں نے تم سے تنہائی میں بات کرنے کا فیصلہ کیا ہے' کیونکہ اس معاملے کا تعلق براہ راست تمہاری ذات سے ہے۔''

اس کی پیشانی پر الجھن کی لکیریں پھیل گئیں۔ متامل لہجے میں بولی۔ ''ایسا کون سا معاملہ ہے تھانے دار صاحب؟''

''رحمت علی نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے اس پر کوئی گھناؤنا الزام لگایا تھا.....؟''

''الزام نہیں' حقیقت کہیں تھانے دار صاحب۔'' وہ تلخ انداز میں بولی۔ ''جب اس نے زبان کھول ہی دی ہے تو میں بھی خاموش نہیں رہوں گی۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم مجھے اصل بات بتاؤ۔'' میں نے اس کا اعتماد حاصل کرنے کی غرض سے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''رحمت نے جو کچھ بھی بتایا ہے' مجھے تو اس پر یقین نہیں آیا۔ بھلا تم ایسا کیوں کرو گی۔ یہ تو تمہاری بدنامی کا سبب بھی تھا۔''

''جی ہاں' اس میں سراسر میری بدنامی کا بھی امکان تھا۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''لیکن چونکہ وہ ایک کھلا سچ تھا' اس لئے میں نے کسی بات کی پروا نہیں کی تھی۔''

''آخر ہوا کیا تھا صغریٰ.....؟'' میں نے ہمدردی بھرے لہجے میں پوچھا۔

''یہ برکت علی کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد کی بات ہے۔'' وہ خواب ناک انداز میں مجھے بتانے لگی۔ ''ایک رات رحمت علی میرے دروازے پر آیا.....''

آئندہ آدھے گھنٹے میں صغریٰ نے مجھے اس افسوس ناک واقعہ کی جس تفصیل سے آگاہ کیا' میں اس میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

اس رات صغریٰ گھر پر اکیلی تھی۔ یعقوب کی عمر اس وقت محض آٹھ سال تھی اور وہ اپنے خالو جان محمد کے ساتھ کمال پور گیا ہوا تھا۔ اسے ایک ہفتہ وہاں رہ کر واپس آنا تھا۔ صغریٰ کا شرف آباد میں رکنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ ان دنوں فصل کی کٹائی کا سیزن چل رہا تھا۔ نصف شب سے تھوڑی دیر پہلے جب اس کے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک اٹھی۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

''کون ہے.....؟''

''میں ہوں بھابی رحمت علی.....'' باہر سے آواز آئی۔

صغریٰ نے اپنے جیٹھ کی آواز کو فوراً پہچان لیا اور قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''یہاں کیوں آئے ہو رحمت علی؟''

''صغریٰ! میں تم سے چند ضروری باتیں کرنے آیا ہوں۔'' رحمت نے ندامت آمیز انداز میں کہا۔ ''میں اپنے اب تک کے رویوں پر سخت شرمندہ ہوں۔ یوں سمجھو کہ میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ دروازہ کھول دو۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھے تمہارے دروازے کے سامنے کھڑا دیکھے۔''

صغریٰ کے جی میں پتا نہیں کیا آئی کہ اس نے رحمت علی کے لئے اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں صغریٰ کی بیٹھک میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ رحمت علی نے بڑی محبت سے پوچھا۔

''بھابی! تمہیں برکت علی کے بغیر زندگی کیسی لگتی ہے؟''

''بہت ہی اداس اور ویران.....'' صغریٰ نے جواب دیا۔

وہ شرمندہ سے انداز میں بولا۔ ''میں نے آج تک آپ لوگوں کے ساتھ جو بھی زیادتی کی ہے' میں اس کے لئے تہ دل سے معافی چاہتا ہوں۔ اگر آپ میری درخواست مان لوگی تو میں وعدہ کرتا ہوں تمہارے ہر نقصان کی تلافی کر دوں گا۔''

صغریٰ کو رحمت کا بدلا ہوا مہذب انداز بڑا عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ بہر حال وہ اسے گھر کے اندر لے آئی تھی تو اس کی بات سننا بھی ضروری تھا۔ یہ وہ پہلے والا رحمت ہرگز نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کھوجتی نظروں سے اپنے جیٹھ کو دیکھا اور پوچھا۔

''تم کس طرح ماضی کی زیادتیوں کی تلافی کرو گے؟''

''تمہارا خیال رکھ کر۔'' برکت کو زہریلے ناگ نے ڈس کر تم سے چھین لیا ہے تو کیا ہوا' میں ہوں نا.....اگر تم چاہو تو میں تمہیں کبھی برکت کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گا۔''

صغریٰ کو رحمت کی باتوں سے الجھن ہونے لگی۔ وہ بیزاری سے بولی۔ ''میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا' تم کیا کہہ رہے ہو.....؟''

''میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور صغریٰ کے قریب آتے ہوئے بولا۔

''اگر تم تعاون کرو تو ہم دونوں کی زندگی میں بہار آ سکتی ہے۔''

''تعاون.....؟'' صغریٰ کی چھٹی حس نے اسے وارننگ دی کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ ''تم کس قسم کے تعاون کی بات کر رہے ہو؟'' اس نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

''باہمی تعاون کی بات کر رہا ہوں صغریٰ۔'' وہ ہونٹوں پر مخصوص مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔ ''اگر تم راز کو راز رکھنے کا وعدہ کرو تو ہم اسی طرح رات کی تاریکی اور تنہائی میں ملتے رہیں گے۔ اس میں ہم دونوں کا ہی فائدہ ہے.....''

صغریٰ کے ذہن میں خطرے کا الارم تو بج ہی چکا تھا' رہی سہی کسر رحمت کے الفاظ نے پوری کر دی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور سخت لہجے میں بولی۔

''رحمت! یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ کیا تم نے مجھے بکاؤ مال سمجھا ہوا ہے؟''

''یہ بکواس نہیں' تمہاری محبت ہے صغریٰ!'' وہ مخمور لہجے میں بولا۔ ''میں اپنے دل سے مجبور ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ تم خود کو بکاؤ مال نہ کہو۔ میں دل و جان سے تمہاری قدر کرتا ہوں۔ تم میرے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔''

صغریٰ کو یہ اندازہ لگانے میں قطعاً کوئی دشواری نہ ہوئی کہ رحمت علی اس وقت نشے میں بھی تھا۔ اسے گھر کے اندر بلا کر صغریٰ نے بہت بڑی غلطی کی تھی اور اس غلطی کو سنبھالنا بھی اسی کو تھا' وہ قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''رحمت! تم جس طرح خاموشی سے یہاں آئے ہو' ویسے ہی چپ چاپ واپس چلے جاؤ' مجھے تم سے یا تمہارے دلی جذبات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''تم ایک مرتبہ میری بانہوں میں آ جاؤ' پھر میں تمہارے گھر سے واپس چلا جاؤں گا۔'' وہ دونوں بازو وا کر کے صغریٰ کی جانب بڑھا۔

''رحمت! اگر یہ تمہارا کوئی ڈرامہ ہے تو اس ڈرامے کو یہیں ختم کر دو۔'' اس نے آخری مرتبہ اپنے جیٹھ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ تمہارے اس فعل سے برکت علی کی روح کو کس قدر اذیت ہو رہی ہو گی۔''

''میں زندہ تمہارے پاس موجود ہوں اور تم مرحوم کو یاد کر رہی ہو۔'' رحمت نے اس کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔ ''میں بھائی کی روح کو خود جواب دے دوں گا۔ تم میری بات مان لو۔'' اس کے ہاتھ اب بھی آگے کو پھیلے ہوئے تھے۔

''مجھے چھونے کی کوشش نہ کرنا رحمت۔'' صغریٰ نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ ''ورنہ میں شور مچادوں گی۔''

''شور مچانے میں تمہارا بھلا نہیں ہوگا۔'' وہ عجیب سے انداز میں ہنسا اور مزید کہا۔ ''بلکہ اس طرح تو تم بدنام ہو کر رہ جاؤ گی۔''

''میں..... میں کیوں بدنام ہوں گی۔''

صغریٰ نے غصے کے عالم میں استفسار کیا۔

''میرے شور مچانے پر تو لوگ جمع ہو جائیں گے' پھر تمہارے کالے کرتوت سب کے سامنے آ جائیں گے۔ وہ تم پر ہی تھوکیں گے۔''

''میں چیخ چیخ کر لوگوں کو بتاؤں گا کہ تم بلاتی ہو تو میں یہاں آتا ہوں۔'' وہ بڑے مکروہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ ''جب گاؤں والے کو میری زبانی یہ پتا چلے گا کہ میں رات کی تاریکی میں پہلے بھی تمہارے پاس آتا رہا ہوں تو تم کسی شخص کو صورت دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔ تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ تمہاری کس قدر رسوائی ہوگی۔ لوگ مجھ پر نہیں بلکہ تم پر تھوکیں گے۔ جب چاروں طرف سے تم پر انگلیاں اٹھیں گی تو کس کس کا ہاتھ اور کس کس کی زبان کو روکو گی صغریٰ.....''

اس رات صغریٰ نے انتہائی بہادری اور رحمت نے بے حد بزدلی کا ثبوت فراہم کیا تھا۔ صغریٰ نے مجھے بتایا کہ اپنے جیٹھ کی نیت کھل جانے کے بعد اس نے ہر مصلحت اور احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر چیخنے اور چلانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہیں رہی تھی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچتے' ان نازک اور سنگین لمحات میں پہلی ترجیح اپنی عزت کی حفاظت تھی' لیکن اس سے پہلے کہ وہ چیخنے کے لئے اپنی زبان اور حلق کو زحمت دیتی' رحمت نے جھپٹ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ پھر صغریٰ کے کان کے پاس اپنا منہ لے کر پسپائی اختیار کرنے والے انداز میں بولا تھا۔

''شور مچانے کی کوشش نہ کرنا..... میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

اور پھر وہ واقعی صغریٰ کے گھر سے نکل گیا تھا۔

صغریٰ نے اس واقعہ کو مکمل کیا' پھر میرے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے بولی۔ ''اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں رحمت علی سے اس قدر نفرت کیوں کرتی ہوں.....؟''

دونوں فریقین نے اپنی اپنی جگہ خود کو بے قصور اور پاک دامن ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں اس بحث میں پڑ کر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ان میں سے کون سچا تھا اور کون جھوٹا اور متذکرہ بالا واقعہ موجودہ معاملے سے براہ راست کوئی تعلق بھی نہیں رکھتا تھا۔ میرے لئے یہی اطمینان کافی تھا کہ اس رات' اپنی اپنی جگہ ان دونوں کی عزت محفوظ رہی تھی لہٰذا صغریٰ کے استفسار کے جواب میں' میں نے بڑے رسان سے کہہ دیا۔

''بڑی اچھی طرح سمجھ گیا ہوں صغریٰ.....''

میرے جواب کی مخفی توانائی نے اسے مطمئن کر دیا۔

***

اگلے روز میں نے دو اہم کام کئے۔ میں نے اپنے تھانے کے عملے میں سے دو دو افراد پر مشتمل دو ٹیمیں بنائیں۔ سادہ لباس ان ٹیموں کو میری ہدایات کی روشنی میں بڑی اہم معلومات اکٹھا کرنا تھیں۔ ایک ٹیم کو کمال پور جا کر امیر خان کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنا تھی۔ سلمٰی کے لئے آنے والے جن تین رشتوں کو صاف انکار کر دیا گیا تھا' ان میں سے ایک امیر خان بھی تھا۔ جان محمد اور کبریٰ کے بیان کے مطابق ساجد علی' پرویز احمد اور ان کے گھر والے تو انکار سن کر خاموش ہو بیٹھے تھے' تاہم امیر خان اور اس کے گھر والوں نے نہ صرف یہ کہ کافی شور مچایا تھا' بلکہ انہوں نے ان لوگوں کا سوشل بائیکاٹ بھی کر دیا تھا۔ اس تناظر میں امیر خان کے غصے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یعقوب ایک طرح سے اس کے نزدیک رقیب روسیاہ کا درجہ رکھتا تھا۔ امیر خان کے دل میں یعقوب کے لئے بے انتہا غم و غصہ بھرا ہوا تھا۔ اگر اسے ایسی کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو پھر اس معاملے پر اس کے گھر والوں کی جانب سے شدید نوعیت کی برہمی اور نفرت کا اظہار دیکھنے کو کیوں ملتا..... اپنے بیٹے کے رشتے کے ٹھکرائے جانے پر امیر خان کے گھر والوں نے جان محمد کے گھر والوں کا سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا اور یہ سب کچھ یعقوب اور سلمٰی کی منگنی کے طفیل ہی ہوا تھا۔

دوسری ٹیم کے ذمے میں نے ایک ایسا کام لگایا تھا' جس کا تعلق ہمارے اپنے علاقے شرف آباد ہی سے تھا۔ انہیں میری ہدایت کے مطابق قصبے میں گھوم پھر کر اس بات کا سراغ لگانا تھا کہ گزشتہ دو چار روز میں علاقے کی کوئی لڑکی تو گھر سے غائب نہیں ہوئی۔ گم شدہ یعقوب کے تایا رحمت علی کے بیان کردہ اندیشے کو یکسر نظر انداز کر دینا مناسب تھا اور نہ ہی کوئی معقول بات۔ عین ممکن تھا کہ یعقوب قصبے کی کسی لڑکی کو لے کر کہیں نکل گیا ہو اور گھوڑے کی الم ناک موت والا ڈرامہ اس نے اس لئے رچایا ہو کہ اس کی گمشدگی کے حوالے سے لوگوں کا دھیان راہ زنی کی کسی

واردات کی طرف جائے اور کوئی حقیقت سے واقف نہ ہو سکے۔ ویسے ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی اور وہ یہ کہ اگر شرف آباد سے کوئی لڑکی غائب ہوئی ہوتی تو یہ بات اب تک چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔

جب یہ دونوں ٹیمیں اپنے مشن پر روانہ ہو گئیں تو میں اپنے کمرے میں بیٹھ کر حالات و واقعات پر غور کرنے لگا۔ معاملہ خاصا الجھ کر رہ گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یعقوب کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا تھا۔ اس تمام تر سوچ بچار کے دوران میں بھی رحمت علی کو میں نے ایک لمحے کے لئے اپنے ذہن سے غائب نہیں ہونے دیا۔ اس بندے نے صغریٰ کی نفرت کے حوالے سے مجھے جو کہانی سنائی تھی' صغریٰ کا بیان اس کے انتہائی مخالف جاتا تھا۔ اگر رحمت علی کی کہانی کو درست تسلیم کر لیا جاتا تو پھر صغریٰ ایک عیار اور چال باز عورت کی شکل میں سامنے آتی' تاہم اس کا یعقوب کی گمشدگی سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا تھا اور اگر صغریٰ کے بیان کو سچ مان لیا جاتا تو پھر کیس میں ایک سنسنی خیز موڑ کا امکان نظر آتا تھا' لہٰذا رحمت علی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنی بے عزتی اور ناآسودہ خواہشات کی عدم تکمیل کے دلے میں صغریٰ کو ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے اور اسے کوئی دلی صدمہ پہنچانے کی خاطر کوئی بھی الٹا سیدھا قدم اٹھا سکتا تھا اور انہی الٹے سیدھے قدموں میں ایک قدم یعقوب کو جانی نقصان پہنچانا بھی ہو سکتا تھا۔

رحمت علی نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے طور پر یعقوب کو تلاش کرنے کی حتی الامکان کوشش کرے گا اور میں نے اسے اس بات کی اجازت بھی دے دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک سادہ لباس اہلکار کو اس کی خفیہ نگرانی پر بھی مامور کر دیا' تاکہ اس کی حرکات و سکنات کی مجھے خبر ہوتی رہے۔ اگر وہ یعقوب کی گمشدگی میں کسی بھی طور ملوث تھا تو یہ بات زیادہ عرصے تک مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ میں نے جس اہلکار کو اس کی نگرانی کا کام سونپا تھا' وہ نہایت مستعد اور بیدار مغز شخص تھا۔

صغریٰ نے گزشتہ روز مجھے گمشدہ یعقوب کے دو دوستوں نور شاہ اور حنیف خان کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ صغریٰ کے مطابق یعقوب کی زیادہ میل جول انہی دو بندوں کے ساتھ تھی۔ دوپہر کے بعد میں نے ایک بندہ بھیج کر ان دونوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ حنیف خان اور نور شاہ کا تعلق چونکہ شرف آباد ہی سے تھا' لہٰذا انہیں ڈھونڈ کر تھانے پہنچانے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد میں انہیں اصل موضوع پر لے آیا۔ میں نے باری باری ان کے چہروں کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا۔ ''کیا تم لوگ یہ نہیں چاہتے کہ تمہارا دوست جلد از جلد بازیاب ہو جائے؟''

''کیوں نہیں جناب!'' نور شاہ جلدی سے بولا۔ ''ہم بھلا ایسا کیوں نہیں چاہیں گے۔ ہم تو یعقوب کے لئے بہت زیادہ فکر مند ہیں۔''

''بہت زیادہ فکر مند ہیں۔'' میں نے اسی کے الفاظ دہراتے ہوئے نور شاہ سے پوچھا۔ ''صرف فکر مند ہی ہیں یا یہ بھی پتا چلانے کی کوشش کی ہے کہ وہ گیا کہاں؟''

''جی، ہم نے اپنے طور پر یعقوب کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی ہے، مگر ہمیں کامیابی نہیں ہوئی۔'' حنیف خان دکھی لہجے میں بولا۔ ''کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، وہ کہاں غائب ہو گیا۔''

''کیوں.....'' میں گہری، ٹٹولنے والی نظر سے باری باری ان دونوں کو گھورنے لگا۔

صغریٰ بی بی کے مطابق حنیف خان اور نور شاہ سے یعقوب کی گہری دوستی تھی، لہٰذا انہی کو سب سے زیادہ یعقوب کی خبر بھی ہونا چاہئے تھی۔ شرف آباد میں کسی سے یعقوب کا زیادہ ملنا جلنا نہیں تھا۔ یہ بات بھی میرے ذہن میں تھی کہ بعض اوقات قریبی دوست ہی کام دکھا جاتے ہیں۔ وہ دونوں زیادہ دیر تک میری نظر کی تاب نہ لا سکے اور حنیف خان جلدی سے بولا۔

''تھانے دار صاحب! انسان اسی حد تک جا سکتا ہے جہاں تک اس کی پہنچ ہوتی ہے۔ ہم نے یہاں یعقوب کی تلاش میں شرف آباد کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ پچھلے دو تین دن میں ہم سے جو ہو سکتا تھا، وہ کر کے دیکھ لیا ہے لیکن یعقوب ہمیں کہیں نہیں ملا۔ اس کے بعد تو ہم مجبور ہیں۔''

''جب ہمیں پتا چلا کہ یعقوب کا گھوڑا ادھر کمال پور کے قریب جنگل میں مردہ پایا گیا ہے تو ہم نے اس کی تلاش میں جنگل کا رخ بھی کیا تھا۔'' نور شاہ اپنی کارگزاری کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن ہمیں ہر جگہ ناکامی کا منہ ہی دیکھنا پڑا۔ تھک ہار کر ہم نے خاموشی اختیار کر لی، لیکن ہمارے دل اپنے یار کے لئے بہت پریشان ہیں۔ ہم دن رات یعقوب کی بہ خیریت واپسی کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔''

بعد ازاں ان سے ہونے والی مزید گفتگو میں مجھے پتا چلا کہ وہ لوگ ہمارے واپس آنے کے بعد جنگل کی طرف گئے تھے۔ جب ہمیں آدھے پونے دن کی تلاش بسیار کے بعد جنگل میں یعقوب کا کوئی نام و نشان نہیں ملا تو انہیں کوئی سراغ کیسے مل سکتا تھا۔

''دیکھو.....'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر واقعی تم دونوں کی یہی خواہش ہے کہ میں جلد از جلد تمہارے دوست کو بازیاب کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو پھر تمہیں میرے ساتھ بھرپور تعاون کرنا ہوگا۔''

''آپ حکم کریں تھانے دار صاحب۔'' نور شاہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہم ہر تعاون کے لئے تیار ہیں۔''

میں نے ان سے اس طرح سوالات کرنا شروع کئے کہ میرا مقصد بھی پورا ہو جائے اور انہیں بھی محسوس نہ ہو کہ میں ان سے کوئی شک بھری تفتیش کر رہا ہوں۔

''کیا تم یہ بات جانتے تھے کہ یعقوب کمال پور جانے والا ہے؟''

''جی ہاں۔'' نور شاہ نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''یعقوب نے کمال پور جانے والی بات خود ہمیں بتائی تھی۔''

''کب.....؟'' میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ ''اس نے یہ بات تم لوگوں کو کب بتائی تھی؟''

''کمال پور جانے سے ایک دن پہلے۔'' حنیف خان نے بتایا۔ ''رات کو ہماری ملاقات ہوئی تھی اور اگلی صبح وہ کمال پور روانہ ہو گیا تھا۔''

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور پوچھا۔ ''کیا اس نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کمال پور کیوں جا رہا ہے؟''

''جی، اس نے بتایا تھا کہ کسی ضروری کام سے اسے کمال پور جانا ہے۔'' حنیف خان گردن کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ''اس کا کہنا تھا کہ وہ رات کو واپس شرف آباد آ جائے گا مگر.....'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک افسردہ سانس خارج کی، پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''مگر وہ ابھی تک واپس نہیں آیا.....''

میں نے سردست اس کی افسردگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اضطراری لہجے میں دریافت کیا۔ ''کیا یعقوب نے اس ''ضروری کام'' کی وضاحت بھی کی تھی، جس کی وجہ سے اسے کمال پور جانا پڑا تھا۔''

''جی ہاں۔'' اس بار نور شاہ نے جواب دیا۔ ''ہمارے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا کہ وہ اپنی

خالہ سے کچھ رقم لینے کمال پور جا رہا ہے۔''

میں اس کی بات سن کر اچھل پڑا۔''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''جی تھانے دار صاحب۔'' حنیف خان نے نور شاہ کی تائید کرتے ہوئے کہا۔''اس نے ہمیں یہی بتایا تھا۔''

''یعنی کہ.....اس نے بتایا تھا.....''وہ اپنی خالہ سے رقم لینے کمال پور جا رہا ہے؟'' میں نے باری باری تصدیق طلب نظر سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

''بالکل.....'' نور شاہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔''آپ کو اگر ہماری بات کا یقین نہیں آ رہا تو ہم قسم کھانے کو تیار ہیں۔''

''واقعی..... مجھے آپ لوگوں کی بات کا یقین نہیں آ رہا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔''کیونکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔''

''اور وہ حقیقت کیا ہے تھانے دار صاحب.....؟'' حنیف خان سوچتی ہوئی نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی خالہ کو رقم دینے کمال پور گیا تھا۔'' میں نے ٹھوس انداز میں بتایا۔

''کیا.....؟'' اب ان کے چونکنے کی باری تھی۔''پھر اس نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا؟''

''یہ تو تم ہی بتاؤ گے۔'' میں نے ٹٹولتی ہوئی نظر سے انہیں دیکھا۔''ہو سکتا ہے' اسے تم لوگوں پر اعتبار نہ ہو.....؟''

''بے اعتباری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' حنیف خان بڑے اعتماد سے بولا۔''ہم تینوں دوست ایک دوسرے سے جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور آپ بتا رہے ہیں' یعقوب نے ہم سے غلط بیانی کی تھی۔''

''میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''یہ ساری باتیں مجھے یعقوب کی ماں صغریٰ بی بی نے بتائی ہیں۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے باری باری سوالیہ نظر سے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''کیا اس سلسلے میں تم لوگوں کی صغریٰ بی بی سے کوئی بات ہوئی ہے؟''

''نہیں جناب!'' نور شاہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''ہم نے صغریٰ چاچی سے کچھ بھی

پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یعقوب نے ہمیں جو بھی بتایا' ہم نے اس پر یقین کر لیا تھا۔''

''پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یعقوب نے تم لوگوں سے غلط بیانی کیوں کی؟'' میں اپنے پوائنٹ پر واپس آ گیا۔''میرا ذہن پچھلے آدھے گھنٹے میں اس کی طرف ایک ہی وجہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔''

''کون سی وجہ؟'' نور شاہ نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

''یہی کہ..... اگر اس نے سچ بات بتا دی تو اس رقم کی وجہ سے شرف آباد سے کمال پور کی طرف جاتے ہوئے اس کے ساتھ کوئی بھی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔'' میں نے اپنی سوچ کی روشنی میں کہا۔''اور اسے اس قسم کا خطرہ شرف آباد میں رہنے والے کسی شخص سے تھا اور..... عین ممکن ہے کہ وہ شخص تم دونوں میں سے کوئی ہو.....؟''

میں حالات و واقعات کی روشنی میں بالکل درست تجزیہ پیش کر رہا تھا۔ یعقوب نے غلط بیانی کی اور وہ شرف آباد سے کمال پور تک صحیح سلامت پہنچ گیا تھا' لیکن واپسی کے راستے میں اسے ایک اندوہناک سانحہ پیش آ گیا تھا اور مجھے صد فیصد یقین تھا کہ یعقوب کے ساتھ جو بھی ہوا تھا وہ انہی ڈیڑھ ہزار روپے کی وجہ سے ہوا تھا۔ اب مجھے یہ پتا چلانا تھا کہ رقم والی بات ان دونوں کے علاوہ اور کس کس کو معلوم تھی۔

وہ دونوں بڑی بڑی قسمیں کھا کر مجھے اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کرنے لگے۔ میں چند لمحات تک تو مختلف زاویوں سے' ان سے کڑے سوالات کرتا رہا' پھر میرے پیشہ ورانہ تجربے نے بتایا کہ وہ کسی قسم کی دروغ گوئی سے کام نہیں لے رہے لہٰذا میں نے بھی اپنے انداز میں نرمی بھرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تم لوگوں نے کسی اور سے بھی اس بات کا ذکر کیا تھا کہ یعقوب اپنی خالہ کبریٰ بی بی سے کوئی بھاری رقم لے کر آنے والا ہے؟''

''ہم نے تو کسی سے ذکر نہیں کیا مگر.....''

حنیف خان کچھ کہتے کہتے اچانک رک گیا تو میں نے اضطراری لہجے میں دریافت کیا۔

''مگر کیا حنیف خان؟''

''مگر یہ بات ہمارے علاوہ بھی کسی کو پتا تھی.....'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

''کس کو..... اور کیسے.....؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''وہ جناب' بات دراصل یہ ہے کہ ...'' نور شاہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''جب یعقوب ہمیں اپنے کمال پور جانے کے بارے میں بتا رہا تھا تو اس وقت نواجا بھی ہمارے پاس ہی کھڑا تھا۔''

''کھڑا نہیں تھا' بلکہ وہ اسی وقت آیا تھا' جب یعقوب نے کمال پور جانے کی بات بات شروع کی تھی۔'' حنیف خان نے نور شاہ کی بات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''جی..... جی ہاں۔'' نور شاہ نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ ''حنیف خان بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ یعقوب نے کمال پور جانے کی بات شروع کی ہی تھی کہ نواجا وہاں آ گیا تھا۔''

''تو اس کا مطلب ہے' یعقوب نے نواجا کو سنانے کے لئے وہ جھوٹ بولا تھا۔'' میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

''ہو سکتا ہے جی' یہی بات ہو۔'' نور شاہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نواجا ویسے بھی کوئی اچھا بندہ نہیں ہے۔''

''تم دو تین دن سے اتنی اہم بات اپنے دل میں دبائے بیٹھے تھے۔'' میں نے خفگی آمیز نظر سے باری باری ان دونوں کو گھورا۔ ''جلدی بتاؤ' یہ نواجا ہے کون اور کہاں ملے گا؟''

''نواجا کا اصل نام نواز تیلی ہے جی۔'' نور شاہ نے بتایا۔ ''وہ ادھر شرف آباد ہی میں رہتا ہے جناب۔ اس کے باپ سرفراز تیلی کا اپنا کولہو ہے جی۔''

ساری کہانی میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ نواجا کی آمد پر اگر یعقوب نے کمال پور جانے کے حوالے سے اپنے دوستوں سے غلط بیانی کی تھی تو اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نواجا ہی سے اس بات کو چھپانا چاہتا تھا کہ وہ ایک بھاری رقم لے کر کمال پور جا رہا ہے۔ یقیناً اسے نواجا کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق تھا۔ ویسے ابھی تھوڑی دیر پہلے نور شاہ نے بھی یہی بتایا تھا کہ نواجا کوئی اچھا بندہ نہیں ہے۔ نواجا' یعقوب کی گمشدگی اور اس کے گھوڑے کے حسرت ناک انجام والے معاملے میں ملوث تھا یا نہیں اس امر کی تصدیق صرف دو افراد ہی کر سکتے تھے۔ نمبر ایک یعقوب اور نمبر دو نواجا۔ یعقوب تو پچھلے تین دن سے غائب تھا' البتہ نواجا بہ آسانی مجھے دستیاب ہو سکتا تھا۔ نوجوان کو ٹارگٹ بناتے ہوئے میں نے یعقوب کے دوستوں سے سوال کیا۔

''تم لوگوں نے آخری مرتبہ نواجا کو کب اور کہاں دیکھا تھا؟''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے جناب۔'' حنیف خان نے جلدی سے کہا۔ ''میں نے اسے کولہو پر

دیکھا تھا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ کام میں جتا ہوا تھا۔''

نواز تیلی عرف نواجا میری نظر میں مشکوک ہو گیا تھا' لہٰذا میں فوراً سے پیشتر اسے اپنے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس سے کی جانے والی پوچھ تاچھ مجھے اس کیس کے منطقی انجام تک پہنچا سکتی تھی۔ میں نے دو کانسٹیبلز کو اپنے ساتھ لیا اور حنیف خان اینڈ کمپنی کی معیت میں نواجا کی طرف روانہ ہو گیا۔ دس منٹ کے بعد ہم سرفراز تیلی کے کولہو سے سو قدم کی دوری پر تھے۔

نور شاہ نے کولہو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تھانے دار صاحب! وہ دیکھیں' جس بندے نے کالا کرتہ پہنا ہوا ہے نا..... وہی نواجا ہے۔ اس کا باپ اس وقت کولہو پر نظر نہیں آ رہا۔''

میں نے ویسے بھی اس کے باپ کا اچار نہیں ڈالنا تھا۔ میرا ٹارگٹ صرف اور صرف نواجا تھا اور وہ اس وقت میری نظر کے سامنے تھا۔ میں اپنے آدمی کے ساتھ تیزی سے کولہو کی طرف بڑھنے لگا۔

پتا نہیں نواجا کی چھٹی حس تیز تھی یا بے خیالی میں اس نے گردن اٹھا کر ہماری جانب دیکھا تھا۔ ہم اس وقت یونیفارم میں تھے۔ تین باوردی پولیس والوں کو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر وہ بری طرح چونک اٹھا' پھر اس نے بدحواسی میں ایک ایسی حرکت کی جس نے اس کے مجرم ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔

ہم پر نگاہ پڑتے ہی وہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر ایک جانب کھیتوں کی سمت بھاگ اٹھا تھا' مگر میں کہاں اسے فرار ہونے کا موقع دینے والا تھا۔ دس منٹ کے اندر ہی میں نے اپنے آدمیوں کی مدد سے گھیر گھار کر نواجا کو ہتھکڑی لگا دی۔ اس ''کارخیر'' میں نور شاہ اور حنیف خان نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ ڈالا تھا۔

***

نواز تیلی عرف نواجا ایک کچا مجرم تھا۔ وہ دس پندرہ منٹ سے زیادہ تفتیش کے مختلف مراحل کا ''سامنا'' نہ کر سکا اور اس نے زبان کھول دی۔ اپنی بزدلی اور ناپختہ پن کا مظاہرہ تو وہ کولہو پر ہمیں دیکھتے ہی کر چکا تھا' جب پولیس پر نگاہ پڑتے ہی اس نے راہ فرار اختیار کی تھی۔ ہمیں اس پر زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی اور اس نے یعقوب کے قتل کا اقرار کر لیا۔

واقعات کی تفصیل کے مطابق اس کے دل میں لالچ آ گیا تھا۔ جب اسے پتا چلا کہ

یعقوب کمال پور سے ایک بھاری رقم لے کر آنے والا ہے تو اس نے اپنے ''پیٹی بھائی'' سخی محمد کے ساتھ مل کر یعقوب کو لوٹنے کا منصوبہ بنالا۔ سخی محمد بھی آوارہ اور بدقماش شخص تھا۔ دونوں تیز دھار کلہاڑیوں سے لیس ہو کر جنگل کے اس حصے میں پہنچ گئے جہاں سے یعقوب کو گزر کر شرف آباد کی طرف آنا تھا۔ انہوں نے اپنے چہروں کو ڈھاٹوں کے پیچھے چھپا رکھا تھا' تاکہ یعقوب انہیں پہچان نہ سکے۔ انہوں نے واردات کے لئے جان بوجھ کر ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جو کمال پور کے نزدیک تھی تاکہ اس واقعہ کے حوالے سے شرف آباد کے کسی آدمی پر شک نہ آئے' مگر وہی بات کہ جب وقت ساتھ نہ دے تو بڑی سے بڑی پلاننگ خاک میں مل کر رہ جاتی ہے۔ نواجا اور اس کے شریک جرم سخی محمد کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ نواجا کی نشاندہی پر میں نے اسی رات سخی محمد کو بھی گرفتار کر لیا۔

جب میرے شکنجے میں آنے کے بعد انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا تھا تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ میں یعقوب کی لاش کا سراغ لگائے بغیر ان کی جان چھوڑ دیتا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یعقوب سے ''معرکے'' کے دوران میں اس کا گھوڑا تو شدید زخمی ہوا ہی تھا' لیکن اس کے ساتھ ہی یعقوب بھی جان کی بازی ہار گیا تھا۔ لب دم زخمی گھوڑے کو انہوں نے جنگل ہی میں چھوڑ دیا اور یعقوب کی لاش کو نہر کے اندرونی حصے میں گھڑا کھود کر دفن کر دیا۔

یہ ان کی ایک سنگین غلطی تھی۔ اگر وہ یعقوب کی تلاش کو جنگل میں ہی چھوڑ دیتے تو شاید میری تفتیش شرف آباد کا رخ نہ کرتی۔ جب مردہ گھوڑے کے قریب یعقوب کی لاش پڑی ملتی تو یہ سمجھ کر صبر کر لیا جاتا کہ یعقوب راہ زنوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ انہوں نے اسے لوٹنے کے بعد قتل کیا یا قتل کرنے کے بعد لوٹا اور جائے وقوعہ سے فرار ہو گئے۔

کوئی کچا مجرم ہو یا پکا لیکن وہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسی غلط ضرور کرتا ہے' جس سے اس کا یا اس کے جرم کا سراغ لگانے میں بہت مدد ملتی ہے۔ اس معاملے میں بھی یہی ہوا تھا۔ انسان چاہے جتنی بھی مضبوط پلاننگ کر لے' مگر اوپر بھی کوئی بیٹھا ہے۔ قدرت اپنے انداز میں مصروف عمل رہتی ہے اور سیدھی بات یہ کہ.....

تدبیر کنند بندہ
تقدیر کنند خندہ

***

بیمار گھوڑا

ان دنوں میں تھانہ مرید کے میں تعینات تھا۔ لاہور سے بہ راستہ جی ٹی روڈ راولپنڈی کی طرف سفر کریں تو مرید کے' لاہور اور گوجرانوالہ کے تقریباً درمیان میں پڑتا ہے۔ اس زمانے میں یہ چھوٹا سا قصبہ ہوا کرتا تھا۔ آج کل خاصا پھیل چکا ہے اور خبروں میں بھی رہنے لگا ہے۔

وہ اگست کی ابتدائی تاریخیں تھیں۔ میں ایک صبح حسب معمول تیار ہو کر تھانے پہنچا تو پتا چلا' رات سے ایک جوڑا حوالات میں بند ہے۔ میری رہائش تھانے کے عقبی حصے میں واقع چھوٹے سے سرکاری کوارٹر میں تھی۔ رات کو جب میں تھانے سے اٹھ کر اپنے کوارٹر کی طرف گیا تو حوالات خالی تھی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ یہ کارنامہ نائٹ ڈیوٹی والے عملے نے انجام دیا تھا۔ میں نے اطلاع دینے والے کانسٹیبل سے کہا۔

''افضل! ہارون کو فوراً میرے پاس بھیجو۔''

''جی ملک صاحب!'' وہ مجھے سیلوٹ کر کے کمرے سے نکل گیا۔

ہارون ایک اے ایس آئی تھا اور آج کل رات کی ڈیوٹی کر رہا تھا۔ وہی صحیح معنوں میں مجھے بتا سکتا تھا کہ اس جوڑے کا کیا قصور تھا' جسے رات سے انہوں نے تھانے کی حوالات میں بند کر رکھا تھا اور مجھے اس واقعہ کی اطلاع تک نہیں دی گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد اے ایس آئی ہارون کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے حسب دستور مجھے سیلوٹ کیا اور میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

''ملک صاحب! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے ہی والا تھا اور آپ نے یاد فرما لیا۔''

میں نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور پوچھا۔ ''مجھے پتا چلا ہے کہ تم لوگوں نے رات کسی جوڑے کو پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا ہے۔ یہ کیا قصہ ہے؟''

''جناب! میں انہی کے بارے میں بتانے کے لئے تو آپ کے پاس آ رہا تھا۔'' وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''ہم نے انہیں سرعام فحش حرکتیں کرتے ہوئے' رنگے ہاتھوں پکڑا ہے جناب.....''

''یہ کب کا واقعہ ہے؟'' میں نے چونک کر اے ایس آئی کی طرف دیکھا۔ ''تم لوگوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''ملک صاحب! جب ہم اس جوڑے کو گرفتار کر کے تھانے لائے اس وقت آدھی رات گزر چکی تھی۔'' اے ایس آئی نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔ ''میں نے آپ کو بے آرام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''یہ ہیں کون لوگ.....؟'' میں نے اے ایس آئی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''اور آدھی رات کو کس قسم کی فحش حرکتیں کر رہے تھے' جو تمہیں مجبوراً انہیں گرفتار کر کے تھانے میں بند کرنا پڑا؟''

''جناب! ان کا تعلق ہمارے قصبے سے نہیں ہے۔''

اے ایس آئی نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔ ''یہ لوگ کہیں اور سے یہاں آئے ہیں۔ جب میں نے انہیں گرفتار کیا تو کانسٹیبل حفیظ بھی میرے ساتھ تھا۔ حفیظ اسی قصبے کا رہنے والا ہے اور یہاں کے بچے بچے کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اسی نے تصدیق کی ہے کہ ان لوگوں کا مرید کے سے کوئی تعلق نہیں۔''

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اے ایس آئی سے پوچھا۔ ''وہ لوگ اپنے بارے میں کیا بتاتے ہیں؟''

''ان دونوں کا دعویٰ ہے کہ وہ میاں بیوی ہیں۔''

''لیکن یہ میاں بیوی آئے کہاں سے ہیں؟'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں استفسار کیا۔ ''جب وہ یہاں کے وسینک نہیں ہیں تو پھر سرعام فحش حرکتوں کے لئے انہوں نے ہمارے قصبے ہی کا انتخاب کیوں کیا.....؟''

''ملک صاحب! میں نے ان سے جو پوچھ گچھ کی ہے اس کے مطابق.....'' اے ایس آئی ٹھہرے ہوئے انداز میں بتانے لگا۔ ''ان لوگوں کا تعلق موضع رتاں والی سے ہے۔ وہ دو دن پہلے مرید کے آئے ہیں اور یہاں ایک بیوہ نعمت بی بی کے گھر کا ایک کمرہ کرائے پر حاصل کر کے

رہ رہے ہیں۔ مرد کو منڈی مرید کے میں کوئی نوکری وغیرہ بھی مل گئی ہے۔''

موضع رتاں والی مرید کے مغرب میں لگ بھگ آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ رتاں والی سے مرید کے تک ایک کچا راستہ آتا تھا۔ اے ایس آئی ہارون کی پیش کردہ وضاحت مجھے ہضم نہ ہوئی اور میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''تم فوراً اس جوڑے کو میرے پاس لے کر آؤ۔''

اے ایس آئی نے فوراً سے پیشتر میرے حکم کی تعمیل کی اور چند لمحات کے بعد وہ دونوں میرے سامنے حاضر تھے۔ میں نے بغور سرتاپا ان کا جائزہ لیا۔

مرد کی عمر پچیس چھبیس سال رہی ہوگی۔ وہ ایک خوش شکل اور دراز قامت شخص تھا۔ اس کی تھوڑی پر گہرے زخم کا ایک نشان بڑا واضح تھا۔ اس نے مناسب سائز کی گھٹی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں' جو بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔ عورت..... بلکہ اسے لڑکی کہنا زیادہ مناسب ہوگا' اس کی عمر اٹھارہ انیس کے درمیان نظر آتی تھی۔ وہ بونے قد کی مالک ایک حسین وجمیل اور تیز طرار لڑکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بڑی مقناطیسی چمک (کشش) تھی۔ وہ خاموشی کی حالت میں بھی آنکھوں سے باتیں کرتی محسوس ہوتی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر میرے ذہن میں جو پہلا خیال ابھرا وہ کچھ اس قسم کا تھا..... یہ کم بخت اس لڑکی کو کہیں سے بھگا کر لایا ہے۔

وہ دونوں میرے سامنے مجرموں کی طرح کھڑے تھے اور خاصے خفا دکھائی دیتے تھے۔ میں نے مرد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سخت لہجے میں پوچھا۔

''نام کیا ہے تمہارا.....؟''

''جی.....'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''فرید.....''

میں نے نگاہ کا زاویہ لڑکی کی جانب موڑا اور کہا۔ ''تمہارا نام.....؟''

''نرگس!'' فرید کی بہ نسبت اس نے زیادہ اعتماد سے جواب دیا۔

''تم دونوں موضع رتاں والی سے آئے ہو؟'' میں نے باری باری ان کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔ ''اور تمہارا دعویٰ ہے کہ میاں بیوی ہو.....؟''

فرید نے فریادی انداز میں وضاحت کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ ان کی شادی کو لگ بھگ ایک سال ہو گیا ہے۔ گاؤں میں اس کے لئے کوئی ڈھنگ کا کام نہیں تھا اور کھیتی باڑی وہ کرنا نہیں چاہتا تھا' لہٰذا اپنی بیوی کو لے کر مرید کے آ گیا۔ وہ معمولی پڑھا لکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہاں

کوئی چھوٹی موٹی مناسب نوکری مل جائے گی۔ اس کا یہ خیال درست ثابت ہوا اور ایک آڑھتی برکت باجوہ نے منڈی مرید کے میں اسے اپنی دکان پر منشی رکھ لیا' چنانچہ وہ نعمت بی بی سے ایک کمرہ کرائے پر لے کر یہاں رہنے لگے' وغیرہ وغیرہ.....!

اس کی وضاحت مجھے متاثر نہ کر سکی۔ عام طور پر دیکھنے میں یہی آیا تھا کہ گاؤں دیہات سے جو مرد کمانے کے لئے شہروں یا قصبے جات کا رخ کرتے تھے وہ اپنے ساتھ بیوی بچوں کو اٹھائے اٹھائے نہیں پھرتے تھے۔ اگرچہ ان دونوں کی ابھی کوئی اولاد نہیں تھی' تاہم ان کی مرید کے میں آمد' سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہا۔

''میں ابھی اپنے ایک بندے کو بھیج کر تمہارے بیان کی تصدیق کروالوں گا۔ وہ پہلے نعمت بی بی سے جا کر ملے گا اور بعد ازاں منڈی پہنچ کر برکت باجوہ سے تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا۔''

''جی ضرور..... آپ تصدیق کروائیں۔'' نرگس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن ہمیں گھر جانے دیں۔ رات ہم نے حوالات میں بڑی مشکل سے گزاری ہے۔ ایک تو قیامت کی گرمی اوپر سے..... مکھیوں سے بھی بڑے سائز کے مچھروں نے ایک لمحے کے لئے چین نہیں لینے دیا۔''

''تم دونوں کو جانے کی اجازت تو مل جائے گی۔'' میں نے یکے بعد دیگرے ان کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ابتدائی تصدیق کے بعد۔''

''آخر ہمارا قصور کیا ہے؟'' فرید نے سٹپٹائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''ہم نے کون سا جرم کیا ہے؟''

''تم دونوں کو میرے بندوں نے جس نازیبا حالت میں گرفتار کیا ہے وہ تو میاں بیوی کو بھی یوں سرعام زیب نہیں دیتی۔'' میں نے فرید کو تیز نظر سے گھورا۔ ''اور ابھی تک تو یہ فیصلہ بھی نہیں ہوا کہ تم دونوں میاں بیوی ہو یا.....''

اے ایس آئی ہارون نے مجھے بتایا تھا کہ بیوہ نعمت بی بی کے گھر کے باہر گلی میں ایک چھوٹا سا چبوترا بنا ہوا تھا' جہاں سے اس جوڑے کو گرفتار کیا گیا تھا۔ ہارون کے مطابق فرید ٹانگیں لٹکائے چبوترے پر اس طرح بیٹھا تھا کہ نرگس اس کے زانو پر سر رکھے لیٹی ہوئی تھی اور وہ اللہ کا بندہ' نرگس کے چہرے پر جھکا بوس و کنار میں مصروف تھا۔ پولیس کی آمد پر وہ ہڑبڑا کر ایک

دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔

''آپ ہم سے بڑی سے بڑی قسم لے لیں۔'' نرگس نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ''اس بات میں ذرا بھی جھوٹ نہیں..... ہم اصلی میاں بیوی ہیں۔ ایک سال پہلے ہماری باقاعدہ شادی ہوئی تھی۔''

''یہ معاملہ قسم لینے یا قسم دینے سے حل نہیں ہوگا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تصدیق بہت ضروری ہے۔ جہاں تم لوگوں نے آدھی رات حوالات میں گزار دی ہے' ایک دو گھنٹے اور صبر کر لو۔''

فرید اپنی پوزیشن صاف کرنے کی غرض سے بولا۔ ''تھانے دار صاحب! آپ۔ ذرا موسم کو دیکھا ہے نا..... کتنی زبردست گرمی پڑ رہی ہے۔ ادھر گاؤں میں تو ہم لوگ کھلے آسمان کے نیچے بھی آرام سے سو سکتے تھے' لیکن نعمت بی بی نے ہمیں اپنی جو بیٹھک کرائے پر دی ہے' اس کی تو دیواروں میں سے آگ نکلتی ہے۔ پورا دن اس پر دھوپ پڑتی ہے اور رات کو تنور بن جاتی ہے۔ ہم گھبرا کر باہر چبوترے پر آ بیٹھے تھے..... بس اتنی سی بات ہے۔''

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔'' میں نے اسے دبکا مارا۔ ''گھر کے باہر چبوترے پر بیٹھنے سے تم لوگوں کو کس نے منع کیا ہے۔ تمہاری گرفتاری تو اس خطرناک حرکت کا نتیجہ ہے' جو فحاشی کے زمرے میں آتی ہے۔''

نرگس ہونٹ کاٹنے لگی' جبکہ فرید پریشان نظر سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے اپنے عملے کے ایک آدمی کو ضروری ہدایات دے کر اس جوڑے کے بیانات کی تصدیق کے لئے روانہ کر دیا' پھر ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

''بیٹھ جاؤ۔''

اپنی بات کے اختتام پر میں نے میز کے سامنے بچھی کرسیوں کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔ تھوڑی ہی ہچکچاہٹ کے بعد وہ ایک ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔ میں نے اے ایس آئی ہارون کو نگاہ کے اشارے سے کہا کہ وہ کمرے سے باہر چلا جائے۔ جب صرف میں اور زیر حراست جوڑا باقی رہ گئے تو میں نے فرید سے کہا۔

''جب تک تم لوگوں کے بیانات کی تصدیق نہیں ہو جاتی' تم ادھر میرے سامنے ہی بیٹھو گے لہٰذا زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

ان کی جان میں جان آئی۔ ظاہر ہے' حوالات کی بہ نسبت میرا کمرہ بہ درجہا بہتر جگہ تھی' تاہم تھانے کے مخصوص ماحول کی اپنی ایک دہشت اور وحشت ہوتی ہے' جو ان کی آنکھوں ور چہروں سے جھلک رہی تھی۔ میں چند لمحات ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھتا رہا۔ ان کے میاں بیوی والے رشتے کے حوالے سے ابھی تک میرا ذہن مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اپنی تسلی کی خاطر میں انہیں انٹرویو کے انداز میں گھسنے لگا۔

''تم لوگوں کے سب عزیز رشتے دار تو ادھر رتاں والی ہی میں ہوں گے؟''

''جی..... جی ہاں۔'' نرگس نے متذبذب انداز میں جواب دیا۔

ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ نرگس جواب دینے میں پہل کی کوشش کر رہی تھی' جیسے اسے خدشہ ہو کہ کہیں فرید کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ ڈالے۔ نرگس کا یہ احتیاط بھرا انداز بھی مرے مبینہ شک کو مہمیز کرتا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

''تمہارے ماں باپ کا نام کیا ہے؟'' میں نے نرگس ہی سے پوچھ لیا۔

''میرے باپ کا نام یعقوب اور ماں کا عائشہ بی بی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور تمہارے.....؟'' میں نے سوالیہ نظر سے فرید کی طرف دیکھا۔

''نصیب بیگم اور کرم دین۔''

میں نے باری باری ان دونوں کو دیکھا اور پوچھا۔ ''ایک سال پہلے تم دونوں کا نکاح کس نے پڑھایا تھا؟''

فرید نے متذبذب انداز میں نرگس کی جانب دیکھا' وہ جلدی سے بولی۔ ''جی..... ان کا نام مولوی شرافت ہے۔''

''کیا تمہیں یہ نام پتا نہیں تھا؟'' میں نے گھور کر فرید کو دیکھا۔

''پتا تھا جناب.....'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''رتاں والی کے ایک ہی تو مولوی صاحب ہیں جو مدینہ مسجد میں پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھاتے ہیں' ہم دونوں کا نکاح بھی انہوں نے ہی پڑھایا تھا۔''

''تو پھر تم میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے نرگس کی جانب کیوں دیکھنے لگے تھے؟'' میں نے کڑے لہجے میں استفسار کیا۔

''وہ جی..... وہ جی۔'' وہ متاملانہ انداز میں بولا۔ ''میں ڈر گیا تھا۔''

''ڈر گئے تھے..... کس سے.....؟''

''مجھے یوں لگا تھا کہ آپ یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد اپنے کسی بندے کو ہمارے گاؤں بھیجیں گے۔'' اس نے سہمے ہوئے انداز میں بتایا۔ ''وہاں سے بھی آپ ہمارے بارے میں تصدیق کریں گے۔''

''تمہارا انداز بالکل درست ہے۔ وہ تو میں ضرور کروں گا۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس میں تمہارے خوف زدہ ہونے کا سبب سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر تم دونوں میاں بیوی ہو تو پھر پریشانی والی کون سی بات ہے؟''

''جناب.....'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔ ''آپ کا جو بندہ گاؤں جا کر ہمارے بارے میں پوچھ پڑتال کرے گا' وہ ان لوگوں کو یہ بھی بتائے گا کہ ہمیں کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔''

''اچھا..... تو تمہاری پریشانی کا یہ سبب ہے۔'' میں نے متاسفانہ انداز میں گردن ہلائی۔ ''اگر اپنی عزت کا اتنا ہی خیال ہے تو اس قسم کی حرکت کیوں کی تھی؟''

''وہ جناب..... بس غلطی ہو گئی۔'' وہ لجاجت بھرے لہجے میں بولا۔ ''معاف کر دیں جی۔''

''تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے اس لئے میں نے تمہیں معاف کر دیا' لیکن تمہارے بیانات کی تصدیق ضروری ہے۔'' میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ ''اور اس حوالے سے بھی تمہیں بے فکر رہنا چاہئے کہ ادھر رتاں والی میں تمہارے کرتوتوں کا بھانڈا نہیں پھوڑا جائے گا۔''

ان دونوں کی جان میں جان آئی اور وہ مطمئن ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ میں باری باری گھما پھرا کر ان سے مختلف سوالات کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بندہ واپس آ گیا' جسے میں نے فرید اور نرگس کے بیانات کی تصدیق کے لئے نعمت بی بی اور برکت باجوہ کی طرف بھیجا تھا۔ میرے بندے کی رپورٹ کی روشنی میں وہ جوڑا صاف ثابت ہوا' لہٰذا میں نے انہیں جانے کی اجازت دے دی' اس ہدایت کے ساتھ.....

''تم لوگ یہ نہیں سمجھنا کہ میں تمہاری طرف سے مطمئن ہو گیا ہوں۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''ابھی رتاں والی سے تصدیق کرنا باقی ہے۔''

''جی.....'' نرگس نے مختصراً کہا۔

''اور اس دوران میں تم دونوں علاقے کو چھوڑ کر کہیں جانے کی کوشش نہیں کرو گے۔'' میں

نے مزید کہا۔ ''اگر کہیں آنا جانا بہت ہی ضروری ٹھہرا تو پہلے تم تھانے میں رپورٹ کرو گے۔ اس کے بعد ہی کوئی قدم اٹھاؤ گے۔''

''میں ایک سادہ لباس اہلکار کو تم دونوں کی خفیہ نگرانی پر بھی مامور کر رہا ہوں۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جو مجھے تم لوگوں کی سرگرمیوں کی خبر دے گا۔ اس لئے زیادہ ہوشیار اور چالاک بننے کی کوشش نہ کرنا۔'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''سمجھ رہے ہو نا' میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

انہوں نے ایک مرتبہ پھر بہ یک زبان ہو کر کہا۔ ''جی.....''

میں نے انہیں رخصت کر دیا۔

خفیہ نگرانی والی بات میں نے محض انہیں ڈرانے کے لئے کہی تھی' ورنہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے خصوصی ہدایات دے کر اس اہلکار کو رتاں والی روانہ کر دیا' جو اس سے پہلے نعمت بی بی اور برکت باجوہ سے مل کر آیا تھا۔ میرے سٹاف کے اس بندے کا نام حنیف تھا۔ حنیف کی ایک خالہ موضع رتاں والی میں رہتی تھی اور اس نے مجھ سے خصوصی درخواست کی تھی کہ وہ آج کی رات وہاں گزار کر صبح واپس آئے گا۔

میں نے حنیف کی استدعا قبول کر لی۔

***

گزشتہ رات گرج چمک کے ساتھ وقفے وقفے سے ہلکی بارش ہوتی رہی تھی۔ وہ ساون کے آخری ایام تھے۔ بارش برستی تو موسم خوشگوار ہو جاتا اور دھوپ نکل آنے پر یہی موسم بڑی خطرناک صورت اختیار کر لیتا تھا۔ میں ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے کمرے میں پہنچا تو ایک سنسنی خیز بری خبر میری منتظر تھی۔ پچھلی رات کسی نے فرید پردیسی کو قتل کر دیا تھا۔

جی ہاں..... میں اسی فرید کی بات کر رہا ہوں' جس کا روزگار اسے رتاں والی سے کھینچ کر مرید کے لے آیا تھا اور اس کی مبینہ بیوی بھی اس کے ساتھ تھی۔ میں نے ایک اہلکار کو ساتھ لیا اور جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔

پچھلی رات ہونے والی بارش نے زمین کو اچھا خاصا سیراب کر ڈالا تھا۔ بیوہ نعمت بی بی کا گھر میرے تھانے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ میں مختلف گلیوں میں سے گزر کر جب اس کے دروازے پر پہنچا تو وہاں اچھے خاصا لوگوں کو جمع پایا۔ وہ صبح کا وقت تھا' لیکن دھوپ کا دور دور

تک نشان نظر نہیں آتا تھا۔ آسمان بادلوں سے پوری طرح ڈھکا ہوا تھا۔ بارش تھم گئی تھی' تاہم آثار سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ کسی بھی وقت یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو سکتا تھا۔

میں نعمت بی بی کے گھر میں داخل ہونے کے بعد بیٹھک میں آ گیا' کیونکہ مقتول فرید کی لاش اسی کمرے میں پڑی تھی۔ میں فوراً سے پیشتر لاش کے معائنے میں مصروف ہو گیا۔ پہلی نظر میں یہی محسوس ہوا کہ فرید کو سوتے میں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ وہ بستر سے عاری' ایک چارپائی پر چت پڑا تھا' اس طرح کہ ایک خطرناک خنجر دستے تک اس کے سینے میں پیوست دکھائی دیتا تھا اور بلاشبہ یہی قاتل خنجر اس کی موت کا سبب بھی تھا۔

میں نے اکڑوں بیٹھ کر اور گردن جھکا کر چارپائی کے نیچے متلاشی نگاہ دوڑائی تو وہاں خون ہی خون پھیلا دکھائی دیا۔ یہ خنجر کی دھار کا کمال تھا۔ اس امر میں کسی شک کی گنجائش تلاش کرنا ممکن نہیں تھا کہ میں نے گزشتہ روز جس فرید سے تھانے میں ملاقات کی تھی' وہ اب قید حیات سے آزاد ہو چکا تھا۔

جائے واردات پر ضروری کارروائی کے دوران میں مجھے دو چیزوں نے بری طرح چونکا دیا تھا۔ نمبر ون..... لاش کی پوزیشن' نمبر ٹو..... نرگس کی غیر موجودگی۔

جب کسی شخص کے سینے میں خنجر گھونپ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے تو وہ بڑی شرافت کے ساتھ چپ چاپ لیٹ کر قتل نہیں ہو جاتا' بلکہ زندگی کی آخری سانسوں میں اس کا بدن بے طرح تڑپتا پھڑکتا ہے' مگر چارپائی پر پڑی مقتول کی لاش کو دیکھ کر ایسا کوئی تاثر نہیں ابھرتا تھا اور..... مقتول کی مبینہ بیوی نرگس بھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

میں نے آئندہ آدھے گھنٹے میں موقع کی کارروائی مکمل کی' پھر لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے سرکاری ہسپتال بھجوانے کے بعد وہاں موجود افراد کے بیانات قلم بند کرنے لگا۔ جب اس کوشش میں مجھے خاطر خواہ کامیابی نہ ملی تو میں نے تمام لوگوں کو گھر سے باہر نکالا اور گھر کی مالکن کو لے کر برآمدے میں بیٹھ گیا۔

بیوہ خاتون نعمت بی بی کی عمر ساٹھ سے متجاوز تھی۔ وہ ایک فربہ اور پستہ قامت عورت تھی۔ آنکھوں پر اس نے نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ میں نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لینے کے بعد سوال کیا۔

''کچھ بھی نہیں پتر!'' وہ ڈرے سہمے انداز میں بولی۔

''میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا' رات کو یہ دونوں جی ٹھیک ٹھاک سوئے تھے۔''

''رات کو ٹھیک ٹھاک سوئے تھے.....'' میں نے تشویش بھرے انداز میں اسی کے الفاظ دہرائے اور کہا۔ ''اب ان دونوں میں سے ایک قتل ہو چکا ہے اور دوسری منظر سے غائب ہے۔ تم مجھے مقتول کی بیوی کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہو؟''

''کیا.....؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

''یہی کہ وہ کہاں چلی گئی ہے.....؟''

''تھانے دار پتر! میں نے آپ کو بتایا ہے نا' وہ دونوں میاں بیوی رات کو بیٹھک میں سوئے تھے۔'' وہ سادگی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''پچھلے دن آپ نے تھانے میں انہیں خوب ڈانٹا تھا۔ ان لوگوں نے رات کو مجھے ساری کہانی سنا دی تھی۔ وہ بہت پریشان نظر آتے تھے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ صبح اٹھوں گی تو یہ حادثہ پیش آ چکا ہوگا۔''

''تو تمہیں اس واقعے کے بارے میں آج صبح پتا چلا ہے؟''

لاش کی حالت کو دیکھ کر میں نے اندازہ قائم کیا تھا کہ مقتول فرید کی موت نصف شب کے آس پاس واقع ہوئی ہوگی۔ خون کا جماؤ بھی میرے اس اندازے کی تصدیق کرتا تھا۔ نعمت بی بی نے جواب میں اپنے سر کو اثباتی جنبش دی اور کہا۔

''ہاں..... مجھے صبح پتا چلا ہے۔''

''تمہیں کس طرح پتا چلا تھا؟'' میں نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔ ''میرا مطلب ہے' کیا تم بیٹھک کے اندر گئی تھیں؟''

''ہاں' میں اندر گئی تھی..... بلکہ مجھے اندر جانا پڑ گیا تھا۔''

''کیوں.....؟'' میں نے چونک کر نعمت بی بی کو دیکھا۔

''وہ جی' بات دراصل یہ ہے کہ.....'' وہ عینک کے پیچھے سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''میں صبح جلدی اٹھ جاتی ہوں اور تھوڑی دیر کے بعد نرگس بھی بیٹھک سے نکل آتی ہے۔ اس کے گھر والے کو ڈیوٹی پر منڈی جانا ہوتا تھا اور وہ فرید کے لئے ناشتہ وغیرہ میرے گھر کے باورچی خانے ہی میں بناتی تھی۔ پچھلے دو تین دن سے تو یہی ہو رہا تھا جناب' کھانا پکانے اور کھانے پینے کے لئے میں نے انہیں اپنے برتن اور باورچی خانہ استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔'' وہ

لمحے بھر کے لئے متوقف ہوئی' ایک گہری سانس لے کر تنفس کو درست کیا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بتانے لگی۔

''فرید کے ناشتے کا وقت ہو گیا تھا اور نرگس بیٹھک سے باہر نہیں نکلی تو مجھے اچنبھا ہوا۔ میں نے سوچا' جا کر پوچھوں تو سہی کہ ان لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔ بیٹھک کا ایک دروازہ باہر گلی میں اور دوسرا گھر کے اندر کھلتا ہے۔ میں نے اندرونی دروازے پر دستک دی۔ اس کے ساتھ ہی نرگس کو آواز بھی دی۔ جناب' پھر کیا ہوا؟''

نعمت بی بی نے اتنا اچانک یہ سوال کیا کہ میں چونک اٹھا' چونکہ اس کے استفسار کا جواب مجھے معلوم نہیں تھا' اس لئے بڑی سادگی سے کہہ دیا۔

''نہیں پتا.....''

''میں سمجھ رہی تھی کہ شاید آج ان کی آنکھ نہیں کھلی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''لیکن میں نے جب دروازہ کھٹکھٹایا تو دوسرا ہی معاملہ نکلا۔''

میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔ ''کون سا دوسرا معاملہ؟''

''یہ لوگ رات کو سوتے وقت بیٹھک کے دروازے کو اندر سے کنڈی لگا لیا کرتے تھے۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔ ''لیکن میرے دروازے بجانے پر اندر سے کوئی جواب نہ آیا اور ہاتھ کا دباؤ پڑتے ہی دروازہ کھل گیا' حالانکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے' رات کو انہوں نے دروازے کو کنڈی لگائی تھی۔''

''اوہ.....'' میں نے متذبذب نظر سے نعمت بی بی کو دیکھا اور پوچھا۔ ''تو کیا دروازہ کھلا پا کر تم بیٹھک کے اندر چلی گئی تھیں؟''

''ہاں!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی' پھر ایک جھرجھری لے کر بتانے لگی۔ ''میں بیٹھک میں پہنچی تو دیکھا کہ فرید چارپائی پر مردہ پڑا تھا اور نرگس کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔''

''اور گھر کے داخلی دروازے کی کیا پوزیشن تھی؟''

''وہ..... وہ جی..... وہ بھی کھلا پڑا تھا۔'' وہ لکنت زدہ انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''میرا مطلب ہے جی..... دروازہ تو بند ہی تھا' لیکن اس کی کنڈی اتری ہوئی تھی' جبکہ رات کو سوتے وقت میں نے یاد سے دروازے کی کنڈی چڑھائی تھی۔''

''تم بیٹھک میں داخل ہوئیں تو فرید چارپائی پر مردہ پڑا تھا۔'' میں نے اس کی آنکھوں

میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اپنے کرائے دار کی لاش دیکھنے کے بعد تم نے کیا کیا؟''

''کرنا کیا تھا جی.....'' وہ اپنے ہاتھوں کو افسوسناک انداز میں حرکت دیتے ہوئے بولی۔ ''میں گھر سے باہر نکل آئی اور آس پڑوس والوں کو اس واقعے کے بارے میں بتایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے درجن سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ انہی میں سے کسی نے تھانے جا کر اطلاع دی اور آپ تفتیش کرنے میرے گھر آ گئے..... اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی جناب.....''

''معاملہ خاصا الجھا ہوا ہے نعمت بی بی!'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''کیا تم نرگس کی پراسرار گمشدگی کے بارے میں کوئی اندازہ لگا سکتی ہو؟''

''نہیں جی..... بالکل نہیں.....'' وہ نفی میں گردن ہلا کر رہ گئی۔

''اور فرید کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے سوال کیا۔ ''تمہاری نظر میں یہ کام کس نے کیا ہوگا؟''

''میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتی تھانے دار جی۔'' وہ بے چارگی سے بولی۔ ''ان لوگوں کو اس علاقے میں آئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا' یہاں ان کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔''

''یہاں ان کے کتنے دوست ہیں اور کتنے دشمن اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اہم نکتہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی پیش آیا وہ کسی دوست کا کام نہیں ہو سکتا۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے گہری نظر سے نعمت بی بی کو دیکھا اور کہا۔

''نرگس کی پراسرار گمشدگی دو راستوں کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ نمبر ایک' وہ فرید کو قتل کر کے کہیں فرار ہو گئی ہے۔ نمبر دو' فرید کا قاتل جو کوئی بھی ہے وہ نرگس کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ ساتھ لے جانے والے معاملے پر بھی دو راہیں کھلتی ہیں..... یا تو قاتل زبردستی نرگس کو اپنے ساتھ لے گیا ہے اور یا پھر وہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی ہے۔ اگر مرضی والی بات پر غور کیا جائے تو پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نرگس' قاتل کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ تمہارا کیا خیال ہے نعمت بی بی؟''

''جی..... میں کیا..... بتا سکتی ہوں۔'' وہ الجھن زدہ انداز میں بولی۔ ''مجھے تو نہیں لگتا کہ نرگس نے فرید کو قتل کیا ہوگا۔''

''تمہیں کس بنا پر ایسا نہیں لگتا؟'' میں نے پوچھا۔

''تھانے دار جی! ابھی ان کی شادی کو ایک سال ہوا تھا۔ وہ متاملانہ انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''وہ دونوں روزی روٹی کے چکر میں اپنے گاؤں سے یہاں آئے تھے۔ میں نے پچھلے تین' چار دنوں میں انہیں بڑے پیار اور اتفاق سے رہتے دیکھا ہے۔ میں نہیں سوچ سکتی کہ نرگس نے فرید کو قتل کیا ہوگا۔''

''نرگس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے یا نہیں' میں بہت جلد اس حقیقت کو کھوج نکالوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''تم ان میاں بیوی کے بارے میں جو کچھ بھی جانتی ہو وہ مجھے بتاؤ؟''

''میں تو جی اتنا ہی جانتی ہوں جتنا نرگس نے مجھے بتایا تھا۔''

''وہ بھی وہی پوچھ رہا ہوں.....؟''

میرے استفسار کے جواب میں نعمت بی بی نے مجھے جو تفصیل سنائی وہ بہ عین وہی تھی' جو گزشتہ روز تھانے میں نرگس اور فرید کی زبانی مجھ تک پہنچی تھی۔ کوئی نئی بات نہ پا کر میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور کہا۔

''یہ کہانی انہوں نے مجھے بھی سنائی تھی' لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ان کے بیان پر بالکل یقین نہیں آیا تھا' اسی لئے میں نے کل ہی اپنے ایک بندے کو موضع رتاں والی روانہ کر دیا تھا تاکہ ان کے سچ جھوٹ کا اندازہ ہو سکے۔ وہ بندہ آج کسی وقت واپس آ جائے گا تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نظر ہو جائے گا۔'' میں نے توقف کر کے سوچتی ہوئی نظر سے نعمت بی بی کو دیکھا اور ایک فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

''جب تم دروازہ کھلا پا کر بیٹھک میں داخل ہوئیں تو تم نے فرید کو مردہ حالت میں چارپائی پر پڑا پایا۔ ذرا سوچ کر بتاؤ' اس وقت بیٹھک کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا یا بند تھا؟''

''وہ دروازہ تو بند تھا جی.....'' وہ چونکے ہوئے لہجے میں بولی۔

''صرف بند تھا یا کنڈی بھی چڑھی ہوئی تھی؟''

''کنڈی بھی چڑھی ہوئی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔

''کنڈی بھی چڑھی ہوئی تھی۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں دہرایا پھر کہا۔ ''اس کا مطلب ہے' نرگس بیٹھک کے اندرونی دروازے سے نکل کر صحن میں پہنچی ہوگی اور پھر گھر کا بیرونی داخلی دروازہ کھول کر باہر چلی گئی ہوگی۔''

''ہو سکتا ہے' ایسا ہی ہوا ہو۔'' وہ قیاس آرائی کے انداز میں بولی۔

میں نے پوچھا۔ ''ان تین چار دنوں میں کوئی ان سے ملنے بھی آیا..... خاص طور پر پچھلی رات.....؟''

''نہیں جی..... کوئی نہیں۔'' اس نے بتایا۔

''ہوں.....'' میں گہری سوچ میں ڈوب گیا' پھر پوچھا۔ ''نعمت بی بی! پچھلی رات تمہیں ٹھیک طرح نیند آئی تھی یا.....؟''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ متذبذب لہجے میں بولی۔ ''جی..... جی..... میں تو ٹھیک ہی سوئی تھی اور ٹھیک وقت پر صبح میری آنکھ بھی کھلی تھی' لیکن آپ یہ سوال..... کیوں کر رہے ہیں؟''

''یہ سوال میں نے اس لئے کیا ہے کہ.....'' میں نے نعمت بی بی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''فرید کو جس طرح سینے میں خنجر اتار کر موت کی نیند سلایا گیا ہے' وہ نظر انداز کر دینے والی بات نہیں۔ یہ کام چپ چاپ خاموشی سے نہیں ہوگا۔ فرید نے زندگی ہارنے سے پہلے بھرپور مزاحمت کی ہوگی۔ کیا پچھلی رات تم نے ایسی آوازیں سنی تھیں' جن سے اندازہ ہو کہ بیٹھک میں کچھ گڑبڑ ہے؟''

''نہیں جناب' مجھے اس بارے میں کچھ پتا نہیں۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولی۔ ''میں رات کو جب سوئی تو پھر صبح ہی میری آنکھ کھلی تھی۔ بیٹھک میں رات کو کیا واقعہ پیش آیا' اس بارے میں' میں بالکل نہیں جانتی۔''

''ایک بات بتاؤ نعمت بی بی!'' میں نے سوال و جواب کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے اس جوڑے کو آنکھیں بند کر کے اپنی بیٹھک کرائے پر دے دی تھی یا ان کے بارے میں کچھ پوچھ پڑتال بھی کی تھی؟''

''پوچھ پڑتال کہاں سے کرتی جی۔'' وہ بے بسی سے پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ ''ان لوگوں کو یہاں کوئی نہیں جانتا' میں کس کے پاس جا کر تصدیق کرتی یا کس کی ضمانت پر انہیں بیٹھک کرائے پر دیتی.....'' وہ تھوڑی دیر کے لئے رکی' ایک گہری سانس خارج کی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی' اس لئے میں نے انہیں' رہنے کے لئے بیٹھک کرائے پر دے دی۔''

''ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔'' میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں۔''

''سیدھی سی بات ہے جناب۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''انہیں رہنے کے لئے ایک کمرہ چاہئے تھا اور مجھے پیسوں کی ضرورت تھی۔ میں نے انہیں گھر کی بیٹھک کرائے پر دے دی۔''

''تم نے ان کے ساتھ کتنا کرایہ طے کیا تھا؟''

''دس روپے مہینہ۔'' نعمت بی بی نے جواب دیا۔

نعمت بی بی کے جواب سے پریشان یا حیرت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس زمانے میں ایک عام آدمی کی ماہانہ تنخواہ تیس سے پچاس روپے تک ہوا کرتی تھی۔ اس حساب سے کرایہ ماہانہ آمدنی کا لگ بھگ تیس فیصد تھا۔ لوگ خوامخواہ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ آج بھی پندرہ ہزار کمانے والا پانچ ہزار روپے کرائے کے گھر میں رہتا ہے۔ نہ تو چیزوں میں کوئی بدلاؤ آیا اور نہ ہی انسان کی ضروریات زندگی میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔

میں نے نعمت بی بی سے سوال کیا۔ ''انہوں نے تمہیں کرائے کی مد میں کچھ رقم ایڈوانس بھی دی تھی۔''

''نہیں جی.....'' اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بتایا۔ ''فرید نے مجھے یقین دلایا تھا کہ تنخواہ ملتے ہی وہ مجھے دو ماہ کا کرایہ ایک ساتھ دے دے گا۔''

''فرید کا وعدہ اور یقین دہانی تو اس کے ساتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔'' میں نے خیال افروز لہجے میں کہا۔ ''اب تم کسی کرائے وغیرہ کی توقع نہیں رکھنا۔''

''ظاہر ہے جی..... اب مجھے کون کرایہ دے گا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی پھر تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔ ''تھانے دار جی! میں اس واقعے کی وجہ سے کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس جاؤں گی.....؟''

''یہ سب کچھ تو تمہارے ہاتھ میں ہے نعمت بی بی!'' میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ہے جی.....؟'' وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے مستفسر ہوئی۔

''مطلب..... بہت سیدھا سادا ہے۔'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم نے

میرے سوالات کے جواب میں جو کچھ بھی بیان کیا ہے' اگر وہ صداقت پر مبنی ہے تو پھر تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور اگر..... تم نے مجھ سے کوئی غلط بیانی کی تو پھر تم کسی بھی خطرناک صورت حال کے لئے تیار رہنا۔''

''نہیں جناب.....'' وہ نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولی۔ ''میں نے آپ سے کوئی جھوٹی بات نہیں کی۔''

''بس تو پھر تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ اس کے چہرے پر اطمینان کی پرچھائیں لہرانے لگی۔

جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے' نعمت بی بی ایک بیوہ عورت تھی۔ اس کے شوہر کرامت علی کو فوت ہوئے کئی سال گزر گئے تھے۔ کرامت علی مرتے وقت نعمت بی بی کے لئے دو چیزیں چھوڑ گیا تھا۔ ایک یہ مختصر سا مکان اور دو سے تین ایکڑ زمین۔ اس زمین کو نعمت بی بی نے ٹھیکے پر دے رکھا تھا اور وہاں سے اتنا اناج آ جاتا تھا کہ اس کی اچھی خاصی گزر بسر ہو جاتی تھی۔ دیگر ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے مکان کی بیٹھک کو اکثر و بیشتر کرائے پر اٹھا دیتی تھی۔

میں نعمت بی بی کے گھر سے واپس آنے لگا تو اس نے پوچھا۔ ''جناب اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بیٹھک میں سے خون وغیرہ صاف کر دوں؟''

''ابھی نہیں.....'' میں نے جواب دیا۔ ''جب تک لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں ہو جاتا' اس کمرے کی ہر شے جوں کی توں رہے گی' بلکہ یوں سمجھو کہ میں تمہارے گھر کی ایک بیٹھک کو تالا بند کر کے جا رہا ہوں۔''

اس نے میری اس بات پر کوئی بھی اچھا یا برا ردعمل ظاہر نہیں کیا اور میں اسے ضروری ہدایات دینے کے بعد گھر سے نکل آیا۔

***

جب میں تھانے پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ برکت باجوہ میرے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے فوراً اسے کمرے میں بلا لیا۔ باجوہ منڈی مرید کے میں آڑھتی تھا اور مقتول فرید کے پاس بطور منشی کام کر رہا تھا۔

''تھانے دار صاحب! میں نے سنا ہے کہ فرید کو کسی نے قتل کر دیا ہے.....؟'' اس نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

''آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے پوسٹ مارٹم کے لئے اس کی لاش کو ہسپتال بھجوا دیا ہے۔''

''یہ سب کیسے ہو گیا جناب.....؟'' اس کے لہجے میں گہری تشویش جھلکتی تھی۔

''میں بھی یہی پتا لگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ اس سلسلے میں کچھ جانتے ہیں تو مجھے بتائیں۔''

''مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں ہے جناب!'' وہ بے بسی سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''ابھی تو اسے میرے پاس کام کرتے ہوئے دو تین دن ہی گزرے تھے اور..... مجھے پتا چلا ہے کہ اس کی بیوی بھی غائب ہے۔''

''آپ کو بالکل درست پتا چلا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور مقتول کی بیوی کی گمشدگی نے اس کیس کو بہت ہی تشویش ناک بنا دیا ہے۔''

''کہیں جناب یہ.....'' وہ آنکھیں سکیڑ کر خوف زدہ لہجے میں بولا۔ ''قتل اور اغوا کی کوئی سنگین واردات تو نہیں.....؟''

''ایسا بھی ہو سکتا ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔ ''اور ایسا نہیں بھی ہو سکتا۔''

''جی، میں سمجھا نہیں۔'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کی اس دہری بات کا مطلب کیا ہے جناب؟''

''بہت سیدھا سا مطلب ہے باجوہ صاحب!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''عین ممکن ہے کہ یہ قتل اور اغوا کی واردات ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نرگس نے خود ہی اپنے شوہر کو قتل کیا ہو اور راتوں رات کہیں فرار ہو گئی ہو۔''

''وہ ایسا کیوں کرے گی تھانے دار صاحب.....'' وہ متاملانہ لہجے میں بولا۔ ''ان کی شادی کو ابھی بہ مشکل ایک سال گزرا ہے اور وہ رزق روزگار کے سلسلے میں یہاں آئے تھے۔ فرید نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی بیوی بڑی محبت کرنے والی عورت ہے۔''

''باجوہ صاحب!'' میں نے آڑھتی برکت باجوہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے سوال کے مطابق نرگس نے فرید کو قتل کیوں کیا ہو گا' یہ تو میں اس سے اس وقت پوچھوں گا' جب وہ میرے ہتھے چڑھے گی اور جہاں تک ان کی شادی کی عمر کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں کوئی فارمولا وضع نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی شخص اپنے شریک حیات کو شادی کے فوراً بعد بھی موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے اور سال' دو سال یا پانچ' دس سال کے بعد بھی وہ ایسا کارنامہ انجام دے سکتا ہے۔''

''اس صورتحال نے مجھے تو ذہنی طور پر بہت الجھا دیا ہے جناب۔'' وہ تشویش ناک انداز میں بولا۔ ''فرید کی موت مجھے ہضم نہیں ہو رہی۔''

''آپ اپنے ذہن اور ہاضمے کو قابو میں رکھیں باجوہ صاحب ابھی مجھے آپ سے ضروری معلومات حاصل کرنا ہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ تو اچھا ہو گیا کہ آپ خود ہی تھانے تشریف لے آئے ہیں' ورنہ مجھے بندہ بھیج کر آپ کو یہاں بلوانا پڑتا۔''

''مث.....مثلاً.....کیسی معلومات.....؟'' وہ بے چینی سے بولا۔

''مثلاً یہ کہ.....'' میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا آپ فرید کو پہلے سے جانتے تھے؟''

''جی نہیں!'' وہ قطعی انداز میں بولا۔ ''بالکل نہیں جناب!''

''آپ نے ایک اجنبی شخص کو اپنے پاس ملازم رکھنے سے پہلے اس کے بارے میں کوئی چھان بین تو ضرور کی ہو گی؟''

''نہیں جناب!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اس کی زبان پر بھروسہ کر کے اسے نوکری دے دی تھی۔''

''زبان پر بھروسہ کر کے.....'' میں نے خود کلامی کے انداز میں برکت باجوہ کے الفاظ دہرائے اور پوچھا۔ ''مقتول نے اپنے بارے میں آپ کو کیا بتایا تھا؟''

''یہی کہ وہ.....'' برکت باجوہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ان کی شادی کو لگ بھگ ایک سال ہوا تھا۔ فرید گاؤں کی زندگی میں خود کو زیادہ فٹ محسوس نہیں کرتا تھا' اس لئے وہ روزگار کے سلسلے میں یہاں آ گیا تھا۔ جب اس نے مجھے بتایا کہ وہ بہ خوبی لکھنا پڑھنا جانتا ہے تو میں نے اسے اپنے پاس منشی رکھ لیا۔ سچی بات تو یہ ہے جناب.....'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''ان دنوں مجھے اپنے کاروبار کے لئے ایک منشی کی اشد ضرورت تھی اور دوسری طرف فرید بھی مجھے انتہائی ضرورت مند نظر آیا' لہٰذا کسی قسم کی جانچ پڑتال کے بغیر میں نے اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا تھا۔''

''وہ کم و بیش تین دن تک آپ کے پاس کام کرتا رہا.....'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اس دوران میں آپ نے اس کے ساتھ کوئی غیر معمولی معاملہ دیکھا؟''

''غیر معمولی معاملہ.....'' وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔ ''جناب پرسوں رات آپ کے بندے ان دونوں میاں بیوی کو پکڑ کر تھانے لے گئے تھے اور اگلی صبح آپ نے ایک اہل کار کو تصدیق کے لئے میرے پاس بھیجا تھا۔''

''اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ.....'' میں نے کہا۔ ''خاص طور پر کل دن میں آپ نے کوئی ایسی بات نوٹ کی ہو' جسے خلاف معمول کہا جا سکے.....؟''

''نہیں جی.....'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ایسی کوئی بات میرے علم میں نہیں ہے۔''

''پچھلے دو چار دنوں میں کوئی شخص مقتول سے ملنے آیا ہو؟''

جب برکت باجوہ نے میرے اس سوال کا بھی نفی میں جواب دیا تو پھر میں نے اس سے مزید کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور اس ہدایت کے ساتھ اسے رخصت کر دیا۔ ''باجوہ صاحب!

اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھئے گا اور مقتول کے بارے میں اگر کوئی بھی چھوٹی بڑی بات آپ کے علم میں آئے تو مجھے ضرور بتایئے گا۔''

اس نے میری ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا' پھر پوچھا۔ ''آپ نے اس واقعے کی اطلاع رتاں والی بھی پہنچائی ہے یا.....''

''میں اپنے ایک بندے کا انتظار کر رہا ہوں۔'' باجوہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی میں نے کہہ دیا۔ ''جس طرح کل میں نے ایک بندہ بھیج کر آپ سے اور نعمت بی بی سے مقتول اور اس کی مبینہ بیوی نرگس کے بیان کی تصدیق کرائی تھی' اسی مقصد کے لئے میں نے اپنے عملے کا ایک بندہ موضع رتاں والی بھی روانہ کیا تھا۔ وہ اب تب میں آنے ہی والا ہے۔ ذرا ادھر کی رپورٹ مجھے مل جائے تو پھر میں رتاں والی جانے یا اس واقعے کی اطلاع وہاں پہنچوانے کے بارے میں فیصلہ کروں گا۔''

برکت باجوہ مزید دس منٹ تک میرے پاس رکا' پھر اپنی دکان کی جانب روانہ ہو گیا۔ میں اس عجیب و حرکت قتل کی واردات کے بارے میں سوچنے لگا۔

اس واقعے میں بہت سی باتیں میرے لئے الجھن کا باعث تھیں۔ پہلے تو مجھے ان کے میاں بیوی ہونے پر ہی یقین نہیں تھا۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق' فرید نرگس کو بھگا کر لایا تھا۔ ایک یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ فرید قتل ہو گیا تھا اور نرگس موقعہ سے غائب تھی۔ اس سے دھیان اس امر کی جانب جاتا تھا کہ ہو نہ ہو' نرگس ہی نے فرید کو قتل کر دیا ہو اور پھر کہیں فرار ہو گئی ہو' لیکن کہاں.....؟

اس ''کہاں'' کا جواب حاصل کرنے کے لئے میرے پاس ایک ترکیب تھی' لیکن مشکل یہ تھی کہ حالات اس ترکیب کو آزمانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ گزشتہ رات ہونے والی بارش اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی' کیونکہ بارش کی وجہ سے ہر طرف اتنا پانی کھڑا ہو گیا تھا' کسی کھوجی کی خدمات حاصل کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔

ایک اور بات بھی میرے دل میں کھٹک رہی تھی اور وہ یہ کہ نعمت بی بی کے بیان کے مطابق' جب وہ صبح نرگس کو اٹھانے کے لئے گئی تو بیٹھک کا اندرونی دروازہ کھلا ہوا تھا' علاوہ ازیں گھر کے داخلی دروازے کی کنڈی کھلی ہوئی تھی' جبکہ نعمت بی بی کو اچھی طرح یاد تھا کہ رات کو سوتے وقت اس نے بیرونی دروازے کی کنڈی چڑھائی تھی۔ یہ بات بھی اس کی یادداشت میں

محفوظ تھی کہ نرگس نے بھی اندر سے کنڈی لگا لی تھی۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ فرید کو نرگس ہی نے قتل کیا تھا اور وہ بیٹھک کا دروازہ کھول کر صحن میں آئی تھی' پھر گھر کا بیرونی دروازہ کھول کر وہاں سے فرار ہو گئی تھی.....تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ.....فرار ہونے کے لئے نرگس نے بیٹھک کا بیرونی دروازہ استعمال کیوں نہیں کیا تھا؟ یہ راستہ اس کے لئے سب سے آسان ثابت ہوتا۔ اس نے خوامخواہ ایک پیچیدہ راہ کیوں اختیار کی.....؟

ان تمام سوالوں کے علاوہ ایک اور اہم پہلو بھی میری نظر میں تھا اور وہ یہ کہ فرید کو سینے میں خنجر گھونپ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اس صورت میں اس کی جانب سے شدید ترین مزاحمت کا مظاہرہ دیکھنے کو ملنا چاہئے تھا' جو کہ جائے وقوعہ پر کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ حالانکہ سینے پر خنجر کھانے والا آدمی بڑا تڑپتا پھڑکتا ہے۔ آسانی سے اس کی جان نہیں نکلتی۔ وہ حلق کے بل چیختا چلاتا ہے اور لوگوں کو اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے' مگر گزشتہ رات ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ نعمت بی بی کی سماعت تک ایسی کوئی آواز نہیں پہنچی تھی' جس سے اندازہ ہوتا کہ بیٹھک میں کوئی گڑبڑ ہے۔ اب اس پراسرار اور ''خاموش'' قتل کا ایک ہی سبب سمجھ میں آتا تھا کہ اس کے معدے میں کوئی زود اثر خواب آور شے اتار دی گئی ہو.....اگر ایسا کچھ تھا تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس راز سے پردہ اٹھا سکتی تھی۔

میں نے گھوم پھر کر جائے وقوعہ کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔ بیٹھک نامی اس کمرے میں دو دروازے اور ایک کھڑکی تھی۔ کھڑکی اندرونی دیوار میں تھی' جو صحن میں کھلتی تھی.....اور وہ کھلی ہوئی تھی۔ شدید ترین گرمی کے موسم میں دونوں دروازے بند کر کے سونے کا راز یہی تھا کہ وہ لوگ کھڑکی کو کھلا چھوڑ دیتے تھے' پھر گزشتہ رات تو وقفے وقفے سے بارش کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا' جس سے گرمی کی حدت اور شدت میں بڑی حد تک کمی واقع ہو گئی تھی۔ بہرحال' یہ کیس اور اس کی تفتیش ایک خاص مقام پر آ کر رک گئی تھی۔ پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ تو ایک دو روز کے بعد ہی آنا تھی' مجھے اس وقت حنیف کی واپسی کا شدت سے انتظار تھا۔ حنیف کی خالہ رتاں والی میں رہتی تھی اور میں نے اسے مقتول اور اس کے مبینہ بیوی نرگس کے بیانات کی تصدیق کے لئے کل رتاں والی روانہ کیا تھا۔

حنیف کی روانگی سے لے کر اب تک صورت حال میں خاص تبدیلی آ چکی تھی۔ جس شخص کے بیان کی جانچ پڑتال کے لئے وہ رتاں والی گیا تھا..... اب وہ ایک لاش کی صورت میں

سرکاری ہسپتال بھجوایا جا چکا تھا اور اس اندوہناک واقعے کی اطلاع رتاں والی پہنچانا بھی ضروری تھا' لیکن حنیف' کی آمد سے پہلے کوئی بھی عملی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا اور اس کا ایک تکنیکی سبب تھا۔

یہ بات نرگس اور مقتول فرید کی زبانی مجھے پتا چلی تھی کہ ان کا تعلق موضع رتاں والی سے تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ انہوں نے راست گوئی ہی سے کام لیا ہو۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ کسی اور علاقے سے یہاں آئے ہوں' چنانچہ جب تک حنیف آ کر ان دونوں کے بیان کی تصدیق یا تردید نہ کر دیتا' رتاں والی کا رخ کرنا حماقت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

میں بے چینی سے حنیف کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

***

حنیف دوپہر کے وقت تھانے پہنچا تو وہ اکیلا نہیں تھا.....

وہ بارش کو بھی اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ اس کی آمد سے چند منٹ پہلے ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی اور جیسے ہی اس نے تھانے کی حدود میں قدم رکھا' بارش نے زور پکڑ لیا۔ میرے کمرے تک پہنچتے پہنچتے وہ اچھا خاصا بھیگ چکا تھا۔

اس نے میرے پاس آ کر سلام کیا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھنے لگا تو میں نے جلدی سے کہا۔

''حنیف پہلے تم اپنا لباس تبدیل کرو' پھر بات کرتے ہیں.....''

''جناب! میں رتاں والی سے بڑی سنسنی خیز خبریں لایا ہوں۔'' وہ اضطراری لہجے میں بولا۔ ''آپ سنیں گے تو دنگ رہ جائیں گے.....''

''یہاں بھی کچھ کم سنسنی نہیں پھیلی ہوئی۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن تمہارا فوراً لباس تبدیل کرنا بھی ضروری ہے' ورنہ تم بیمار بھی پڑ سکتے ہو۔''

''میں ابھی دو منٹ میں حاضر ہوتا ہوں ملک صاحب.....!'' یہ کہتے ہوئے وہ میرے کمرے سے نکل گیا۔

حنیف کی بات نے مجھے بری طرح چونکا دیا تھا۔ اگر وہ رتاں والی سے سنسنی خیز خبریں لایا تھا تو اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ مقتول فرید اور اس کی مبینہ بیوی نے جو بیان دیا تھا' اس میں بہت سی خرابیاں تھیں۔ ورنہ اگر سب کچھ ٹھیک تھا تو پھر سنسنی خیزی کیسی.....؟

دو منٹ تو نہیں البتہ' لگ بھگ آٹھ منٹ کے بعد حنیف دوبارہ میرے سامنے موجود تھا۔

اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ جب وہ کرسی پر بیٹھ چکا تو میں نے کہا۔ ''ہاں بھئی! اب بتاؤ تم رتاں والی سے کون سی خبریں لائے ہو؟''

جواب دینے کے بجائے الٹا اس نے مجھ سے سوال کر ڈالا۔ ''ملک صاحب! مجھے پتا چلا ہے کہ کسی نے فرید کو قتل کر دیا ہے اور.....اس کی بیوی بھی غائب ہے.....؟''

''تمہیں بالکل ٹھیک پتا چلا ہے' لیکن اس موضوع پر ہم بعد میں بات کریں گے۔ پہلے تم مجھے وہاں سناؤ۔ رتاں والی کی رپورٹ کیا ہے.....؟''

''جناب! وہاں کی رپورٹ تسلی بخش نہیں ہے۔'' وہ بتانے لگا۔ ''ان دونوں بندوں نے ہمارے ساتھ بہت سے جھوٹ بولے ہیں۔''

''مثلاً.....'' میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ ''ان لوگوں نے کس قسم کی دروغ گوئی کی تھی؟''

''ان کا بیان صرف اس حد تک درست ہے کہ وہ موضع رتاں والی کے رہنے والے تھے۔'' حنیف مجھے تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔ ''یا پھر یہ کہ انہوں نے اپنے والدین کے نام درست بتائے تھے۔ باقی سب گھپلا ہی گھپلا ہے ملک صاحب.....''

''کہیں تم..... یہ تو نہیں کہنا چاہ رہے کہ وہ دونوں..... میاں بیوی نہیں تھے؟'' میں نے سب سے پہلے اپنے ذہن میں موجود خدشے کی تصدیق ضروری جانی۔

حنیف نے میری توقع کے عین مطابق جواب دیا۔ ''آپ ٹھیک سمجھ رہے ہیں جناب! ان کی شادی ہوئی ہی نہیں تھی۔ رتاں والی میں مولوی شرافت علی نامی ایک پیش امام بھی موجود ہیں' تاہم انہوں نے فرید اور نرگس کا نکاح نہیں پڑھایا تھا۔''

''کیا تمہاری تفتیش سے گاؤں والوں پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی ہے کہ فرید اور نرگس میاں بیوی کی حیثیت سے ہمارے علاقے میں رہ رہے ہیں..... میرا مطلب ہے' رہ رہے تھے.....؟'' میں نے ایک نہایت ہی اہم سوال کیا۔

''بالکل نہیں جناب!'' وہ جلدی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھا ہے کہ کسی کو رتاں والی میں میری آمد کے مقصد کا پتا نہ چلے۔ میں نے یہ تمام معلومات اپنی خالہ آمنہ کے منہ سے حاصل کی ہیں۔''

''شاباش!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''یہ تم نے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اب ذرا جلدی سے بتا دو کہ تمہاری خالہ نے تمہیں کس قسم کی سنسنی خیز خبریں دی ہیں؟''

''جناب! پہلی بات تو یہ کہ.....'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''فرید اگست کی دو تاریخ کو رتاں والی سے روانہ ہوا تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں کو بتایا تھا کہ وہ ہفتے دس دن کے لئے لاہور جا رہا ہے۔ لاہور میں عرفان نامی اس کا ایک دوست رہتا ہے۔ وہ اسی کے پاس جانے کا کہہ کر گھر سے نکلا تھا.....''

''اور نرگس.....؟'' حنیف سانس درست کرنے کے لئے متوقف ہوا تو میں نے پوچھا۔

''اس لڑکی کا کیا قصہ ہے؟''

''نرگس ایک منگنی شدہ لڑکی ہے جناب!'' وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''گاؤں ہی کے ایک شخص جاوید سے اس کی منگنی ہو چکی ہے اور عنقریب ان کی شادی بھی ہونے والی تھی کہ.....''

''کہ کیا.....؟''

''کہ..... چار اگست کی صبح وہ اچانک گاؤں سے غائب ہو گئی۔'' حنیف ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگا۔ ''اور اب تک وہ وہاں واپس نہیں پہنچی۔ رتاں والی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اس لئے نرگس کی گمشدگی کی خبر چند گھنٹوں سے زیادہ چھپی نہیں رہی۔ اس وقت گاؤں کا بچہ بچہ اس راز سے واقف ہے کہ یعقوب اور عائشہ کی بیٹی نرگس کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے..... کس کے ساتھ؟ اس بارے میں مختلف قسم کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کوئی متفقہ رائے سامنے نہیں آئی.....'' وہ سانس درست کرنے کے لئے موقوف ہوا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''رتاں والی کا صرف ایک بندہ اس وقت گاؤں سے باہر ہے اور وہ ہے' فرید..... کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ نرگس فرید کے ساتھ ہی کہیں بھاگ گئی ہے' لیکن فرید کا باپ کرم دین اس الزام کی پرزور تردید کر رہا ہے۔ اس کا موقف یہ ہے کہ فرید تو نرگس کی گمشدگی سے دو دن پہلے اپنے دوست سے ملنے لاہور چلا گیا تھا' وہ نرگس کو کس طرح بھگا کر لے جا سکتا ہے۔ یہ ہے ساری صورتحال جناب.....''

''خاصی دلچسپ اور سنسنی خیز صورت حال ہے۔'' حنیف کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔ ''اس تمام تر خرابے میں ایک امر وضاحت طلب ہے کہ نرگس کے ماں باپ کو اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے کا خیال کیوں نہیں آیا۔ رتاں والی ہمارے تھانے کی حدود میں آتا ہے' مگر یہ خبر ابھی تک ہمارے باس تک نہیں پہنچی.....''

''دو تین دن تو دونوں پارٹیوں نے بحث مباحثے میں گزار دیئے ہیں۔'' حنیف نے بتایا۔ ''تازہ ترین یہ ہے کہ کل کسی وقت کرم دین لاہور جائے گا تاکہ یہ پتا چلایا جا سکے کہ فرید اپنے دوست عرفان کے پاس ہی موجود ہے یا وہاں سے کہیں اور چلا گیا ہے۔ نرگس کے گھر والے بھی اسے مختلف رشتے داروں کے ہاں ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''ان حالات میں جاوید کے کیا تاثرات ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

حنیف کی زبانی مجھے پتا چلا تھا کہ نرگس کی جاوید نامی ایک شخص سے منگنی ہو چکی تھی اور مستقبل قریب میں ان کی شادی ہونے والی تھی۔ اس واقعہ کی روشنی میں نرگس کے منگیتر جاوید کا نقطہ نظر جاننا بھی بہت ضروری تھا۔

''جناب! وہ تو ٹھنڈا ٹھار سکون سے بیٹھا ہوا ہے.....''

''کیا مطلب ہے تمہارا.....؟'' میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ ''نرگس کی جاوید کے ساتھ شادی ہونے والی تھی' پھر بھی وہ اس کی گمشدگی پر خاموش کیوں بیٹھا ہوا ہے۔''

''ملک صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ جاوید نے اپنے باپ کے زور دینے پر نرگس سے شادی کی ہامی بھری تھی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ورنہ وہ اس رشتے کے لئے تیار نہیں تھا۔ دراصل جاوید کے باپ اور نرگس کے باپ میں بڑی گہری دوستی ہے۔ اسی دوستی کے زیر اثر جاوید کا باپ اللہ رکھا اس کی شادی اپنے دوست کی بیٹی نرگس سے کرنا چاہتا تھا' جبکہ جاوید کی ماں شہناز' نرگس کو بالکل پسند نہیں کرتی۔ وہ جاوید کی شادی اپنی بھانجی سے کرنے کی خواہاں تھی اور پس پشت بات یہ ہے کہ اللہ رکھا اپنی سالی کو پسند نہیں کرتا اسی لئے وہ شہناز کی بھانجی عطیہ یعنی اللہ رکھا اپنی سالی کی بیٹی کو کسی بھی قیمت پر اپنی بہو بنانے کے لئے تیار نہیں تھا.....''

''بعض اوقات خاندان میں رشتے داریاں عجیب گورکھ دھندے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔'' میں نے افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا' پھر پوچھا۔ ''جاوید اس صورت حال سے خوش ہے یا ناخوش؟''

''میں نے بتایا نا جناب.....'' حنیف تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''وہ عجیب مست الست بندہ ہے نہ تو وہ نرگس سے منگنی پر بہت زیادہ خوش تھا اور نہ ہی اس کی گمشدگی پر وہ پریشان ہے۔ لگتا ہے جیسے اس واقعے کا اس کی صحت پر کوئی اثر ہی نہیں پڑا۔ وہ مزاج کا [illegible]

''ہاں بھئی..... دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا' پھر پوچھا۔ ''تم نے کیا بتایا ہے کہ فرید کا باپ کرم دین کل لاہور جائے گا؟''

''وہ کہہ تو یہی رہا تھا جناب' لیکن مجھے نہیں لگتا کہ اس کا ارادہ بھی ہو۔'' حنیف نے کہا۔

''ہوسکتا ہے' اس نے دوسری پارٹی کا منہ بند کرنے کے لئے ایسی بات کر دی ہو اور اب.....'' تھوڑی دیر کو رک کر اس نے ان الفاظ میں اپنی بات مکمل کر دی۔ ''اب تو اس کے لاہور جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب اسے پتا چلے گا کہ فرید کو مرید کے میں قتل کر دیا گیا ہے تو سیدھا وہ اسی طرف دوڑے گا۔''

''اور کرم دین کو اس حادثے کی اطلاع بھی تم ہی دو گے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تم سمجھ رہے ہو نا' میں کیا کہہ رہا ہوں.....؟''

''بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں ملک صاحب!'' وہ معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ایک مرتبہ پھر مجھے رتاں والی کا رخ کرنا ہوگا.....''

''تم بالکل ٹھیک سمجھے ہو۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن بارش تھم جانے کے بعد۔ تم اگر بار بار مینہ میں بھیگتے رہے تو یقیناً بیمار پڑ جاؤ گے۔''

موضع رتاں والی' مرید کے سے لگ بھگ آٹھ میل کے فاصلے پر مغرب میں واقع تھا۔ مرید کے سے ایک کچا راستہ رتاں والی گاؤں تک جاتا تھا' جس پر سائیکل' تانگے اور بیل گاڑیاں وغیرہ محو سفر رہتی تھیں۔ حنیف نے رتاں والی آمد و رفت کے لئے اپنی سائیکل استعمال کی تھی۔

میں آئندہ آدھے گھنٹے تک اسے حالات سے آگاہ کرتا رہا۔ میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہاں جا کر اسے کیا کہنا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ اس واقعہ کی اطلاع پاتے ہی دونوں پارٹیاں تھانے پہنچ جائیں گی۔ یعنی مقتول فرید کے گھر والے اور گمشدہ نرگس کے والدین۔ دونوں فریقین سے ملاقات کے بعد ہی اس معمے کا کوئی حل سامنے آ سکتا تھا۔

جب سہ پہر تک بھی بارش نے رکنے کا ارادہ ظاہر نہ کیا تو میں نے حنیف کو رتاں والی بھجوانے کے لئے ایک تانگے کا بندوبست کروا دیا۔ فرید کی اندوہناک موت کی خبر اس کے گھر والوں تک پہنچانا بہت اہم تھا۔

میں امید کر رہا تھا کہ حنیف دو گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے کے بعد واپس آ جائے گا'

لیکن مغرب کی اذان تک بھی جب اس کی واپسی نہیں ہوئی تو میں تھانے سے اٹھ آیا۔ شبینہ ڈیوٹی والے اے ایس آئی کو میں نے خاص طور پر ہدایت کر دی تھی کہ جیسے ہی حنیف واپس آئے مجھے بلا لیا جائے۔

ان دنوں میری رہائش تھانے کے عقبی حصے میں واقع سرکاری کوارٹر میں تھی۔ جب تک میری شادی نہیں ہوئی تھی' میں اپنے قیام کے لئے سرکاری کوارٹر ہی کو استعمال کرتا تھا۔ شادی کے بعد اور خصوصاً جب میں بچوں والا ہو گیا تو پھر میری یہی کوشش ہوا کرتی تھی کہ میں تھانے سے قریب ترین کسی محلے میں رہائش اختیار کروں۔ مجھے اپنی فیملی کو تھانے کی حدود میں رکھنا اچھا نہیں لگتا تھا۔

میں نے اپنے کوارٹر میں آ کر مغرب کی نماز ادا کی' پھر رات کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کوارٹر کے برآمدے میں کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ اس وقت تک بارش کا زور تو ٹوٹ چکا تھا' تاہم بوندا باندی اب بھی جاری تھی۔

میرا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ میں رات کا کھانا یعنی ڈنر مغرب اور عشا کی نماز کے درمیان کر لیا کرتا ہوں اور عشا کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں سونے کے لئے لیٹ جایا کرتا ہوں تاکہ فجر کی نماز کے لئے علی الصباح اٹھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ شہری زندگی میں ان فطری معمولات کا جاری رکھنا بہت مشکل ہے' لیکن چونکہ گاؤں دیہات کا مزاج ہی کچھ اسی قسم کا ہوتا ہے' اس لئے اس روٹین کو فالو کرنے کے لئے کوئی ہل لگتے ہیں اور ہی بیل.....

میں اپنے کوارٹر کے برآمدے میں آرام کرسی پر بیٹھا فرید اور نرگس کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ حنیف کی زبانی جو حالات مجھ تک پہنچے تھے' ان کی روشنی میں میرا ذہن ایک خاص زاویے پر آگے بڑھ رہا تھا۔ نرگس' جاوید کی منگیتر تھی' لیکن جاوید کو اس کی ذرا پروا نہیں تھی۔ میرے سامنے تھانے میں' بلکہ نعمت بی بی اور برکت باجوہ کو بھی فرید نے یہی بتایا تھا کہ نرگس اس کی بیوی ہے اور ان کی شادی ایک سال پہلے ہوئی تھی' جبکہ یہ ایک کھلا جھوٹ تھا۔ اس صورت حال میں تو یہی کہا جا سکتا تھا کہ نرگس' جاوید کو قطعی ناپسند کرتی ہوگی' جب کہ نرگس اور فرید میں پسندیدگی کا کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور استوار تھا' جبھی وہ اس کے ساتھ نظر آ رہا تھا۔

یہ امر بھی مصدقہ ہی نظر آتا تھا کہ چار اگست کی صبح نرگس نے فرید ہی کی خاطر رتاں والی کو خیر باد کہا تھا' جبکہ فرید دو دن پہلے رتاں والی سے نکل چکا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کس قسم کی

منصوبہ بندی طے تھی' وہ دونوں کہاں پر ایک دوسرے سے ملے اور کیا سوچ کر انہوں نے مرید کے کا رخ کیا..... یہ تمام تر سوالات غور طلب تھے اور ان سب سے زیادہ تشویش ناک ایک سوال یہ بھی تھا کہ آیا انہوں نے آپس میں شادی کر لی تھی یا بغیر نکاح کے ایک چھت کے نیچے میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے تھے؟

میں جیسے جیسے اس مسئلے پر سوچ کے گھوڑے دوڑانے لگا' میرا ذہن الجھتا چلا گیا۔ جب رات کے دس بجے تک بھی حنیف کی واپسی نہ ہوئی تو میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔ رات گزارنے کے لئے میں نے صحن کے بجائے برآمدے ہی میں چارپائی لگالی تھی' کیونکہ بارش نے ایک مرتبہ پھر انگڑائی لے کر چھما چھم رقص شروع کر دیا تھا۔

حنیف کے واپس نہ آنے کا بنیادی سبب بھی یہ بارش ہی تھی۔

***

اگلی صبح بڑی روشن اور خوش گوار تھی۔ آسمان پر کہیں کہیں ٹکڑیوں کی صورت میں بادل دکھائی دیتے تھے' تاہم مطلع مجموعی طور پر صاف تھا۔ نرم اور گوارا دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ یہ صبح کا سماں تھا۔ اگر دن بھر یہی صورت حال رہتی تو پھر فضا کی خوش گواریت کو رفو چکر ہونے میں زیادہ دیر نہ لگتی۔ ساون اور بھادوں میں موسم کا یہی وتیرہ دیکھنے میں آتا ہے۔ پل میں تولہ' پل میں ماشہ کی سی کیفیت سے گزرنا پڑتا ہے۔

میں حسب معمول تیار ہو کر تھانے پہنچا تو دس منٹ کے بعد مجھے حنیف کی آمد کی اطلاع مل گئی۔ وہ کل سہ پہر جس تانگے پر سوار ہو کر رتاں والی گیا تھا' اسی میں اس کی واپسی بھی ہوئی تھی اور وہ اپنے ساتھ رتاں والی سے دو افراد کو بھی لے کر آیا تھا۔ نمبر ایک مقتول فرید کا باپ کرم دین' نمبر دو نرگس کی ماں عائشہ بی بی۔ میں نے فوراً ان لوگوں کو اپنے پاس بلا لیا۔

کرم دین کی عمر ساٹھ کے آس پاس نظر آتی تھی۔ وہ گہرے سانولے رنگ کا مالک ایک دراز قامت شخص تھا۔ اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اس کے بدن کی مضبوطی اس بات کی گواہی دیتی تھی کہ اس کی جوانی اور ادھیڑ عمر محنت و مشقت میں گزری تھی' تاہم ان لمحات میں وہ بری طرح ٹوٹا ہوا نظر آتا تھا۔ بیٹے کی موت کی اطلاع نے اس کو بری طرح متاثر کیا تھا۔

عائشہ بی بی پچپن کے پیٹے میں دکھائی دیتی تھی۔ وہ پستہ قد اور فربہ اندام عورت تھی۔ وہ

شکل ہی سے تیز طرار اور ہوشیار لگتی تھی۔ نرگس کے خدوخال میں بڑی حد تک عائشہ کا عکس جھلکتا تھا۔

میں نے حنیف کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا اور کرم دین و عائشہ بی بی کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ انہوں نے میری پیشکش کے مطابق عمل کیا اور کرسی پر بیٹھتے ہی کرم دین امداد طلب انداز میں میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے نہایت ہی جامع اور مختصر الفاظ میں انہیں مقتول اور نرگس کی مرید کے میں آمد' رہائش اور اس اندوہناک واقعے کے بارے میں بتایا۔ ادھر میری بات ختم ہوئی' ادھر کرم دین پھٹ پڑا۔

''تھانے دار صاحب! یہ کیا غضب ہو گیا۔'' وہ روہانسی آواز میں بولا۔ ''ایک ہفتہ پہلے تو فرید اچھا خاصا لاہور گیا تھا۔ اسے تقدیر مرید کے کیسے کھینچ لائی اور..... کس بدبخت نے میرے بچے کا خون کیا ہے.....؟''

وہ چونکہ بے حد پریشان تھا' لہٰذا ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا۔ میں نے بڑے تحمل سے اس کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''میں بھی اسی بدبخت کی تلاش میں ہوں' جس نے تمہارے بیٹے کی جان لی ہے اور اس سلسلے میں مجھے آپ دونوں کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہے.....'' بات ختم کرتے ہی میں نے باری باری اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کرم دین اور عائشہ بی بی کو دیکھا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ نرگس نے کیوں گھر چھوڑا؟'' عائشہ بی بی اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ ''اس کی تو منگنی ہو چکی تھی اور تین چار ماہ کے بعد شادی ہونے والی تھی۔ پتا نہیں وہ کس طرح فرید کے بہکاوے میں آ گئی اور.....''

''ایک منٹ عائشہ.....'' کرم دین نے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''میرے بیٹے نے کسی کو نہیں بہکایا۔ پورا پنڈ جانتا ہے کہ وہ دو تاریخ کو لاہور گیا تھا اور تمہاری بیٹی چار تاریخ کو گھر سے غائب ہوئی ہے۔ تم خوامخواہ میرے بیٹے پر الزام لگانے کی کوشش نہیں کرو۔''

''میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہی ہوں کرم دین۔'' عائشہ نے گھور کر کرم دین کی طرف دیکھا۔ ''تم نے سنا نہیں تھانے دار نے تھوڑی دیر پہلے ان دونوں کے بارے میں کیا بتایا ہے۔ وہ میاں بیوی بن کر یہاں رہ رہے تھے۔ ان کے ایک ساتھ پائے جانے کا مطلب یہی

ہے کہ وہ باقاعدہ کسی منصوبہ بندی کے تحت آگے پیچھے گاؤں سے نکلے تھے۔ ہائے اللہ! میں کیا کروں.....'' وہ باقاعدہ سینہ کوبی کرنے لگی۔ ''پتا نہیں اس مردود نے میری بچی کے ساتھ نکاح بھی کیا تھا یا.....''

''خبردار! جو میرے مرحوم بیٹے کو مردود کہا۔'' کرم دین غصے سے دھاڑا۔

''ان دونوں نے نکاح کیا تھا یا نہیں' اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ یہ ہے کہ میرے بیٹے کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے اور تمہاری بیٹی جائے وقوعہ سے غائب ہے۔ مجھے تو نرگس پر ہی شک ہے۔ تھانے دار صاحب! آپ رپورٹ لکھیں جی۔''

''اس سے پہلے آپ میری رپورٹ درج کریں گے تھانے دار صاحب!'' عائشہ نے ترش لہجے میں کہا۔ ''کرم دین کے بیٹے نے میری معصوم بچی کو بہلا پھسلا کر بلکہ بہکا کر گھر سے بھاگنے پر مجبور کیا اور پھر اسے کہیں غائب کر کے خود قتل ہو گیا۔ مجھے میری بچی چاہئے جناب' کرم دین جہاں سے بھی پوری کرے.....''

''تمہاری مت ماری گئی ہے عائشہ بی بی!'' کرم دین لال پیلا ہوتے ہوئے بولا۔ ''یہ کیا بات کر دی تم نے کہ..... فرید نے تمہاری بیٹی کو غائب کیا اور خود قتل ہو گیا۔ بھلا کوئی اپنی رضا سے بھی قتل ہوتا ہے۔ تم اپنی بیٹی کے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ الٹی سیدھی باتیں کیوں کر رہی ہو؟''

''الٹی سیدھی باتیں میں نہیں کر رہی کرم دین!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''بلکہ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''بس!'' میں نے کڑک کر کہا۔ ''یہ تم لوگوں نے کیا تماشا لگا دیا ہے۔ یہ تھانہ ہے تمہاری خالہ جان کا گھر نہیں.....''

میرے دبکے نے خاطر خواہ اثر دکھایا اور وہ خاموش ہو کر سہمی ہوئی نظروں سے مجھے تکنے لگے۔ میں نے کرم دین کی طرف دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''تم اس وقت کہاں بیٹھے ہوئے ہو.....؟''

''جناب.....'' وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں تھانے میں بیٹھا ہوں جی۔''

''اور یہاں کا تھانے دار کون ہے؟''

''آپ ہیں جی تھانے دار.....''

''بس تو پھر تھانے داری بھی مجھے ہی کرنے دو۔'' میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''تم لوگوں نے یہاں آتے ہی مچھلی بازار کھول دیا ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے.....؟''

''معاف کر دیں جناب! میں جذبات میں آ گیا تھا۔'' کرم دین نرم پڑتے ہوئے بولا۔

''جوان بیٹے کی موت نے میرے دماغی توازن کو گڑبڑا کر رکھ دیا ہے۔''

''تمہارے بیٹے کی موت کا مجھے بھی گہرا صدمہ ہے اور میں پہلی فرصت میں اس کے قاتل تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ہمدردی بھرے انداز میں کہا۔ ''تم لوگوں کو بھی اسی سلسلے میں یہاں بلایا ہے کہ اس کیس کو حل کرنے میں تم میری مدد کرو۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے باری باری ان کے چہروں کا جائزہ لیا' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے تعاون کرنا تو رہا ایک طرف' تم تو الٹا آپس ہی میں جھگڑا کرنے لگے ہو۔ یہ تو میرا کام بگاڑنے والی بات ہے نا۔''

''میں تو آرام ہی سے بیٹھا ہوا تھا تھانے دار صاحب!'' کرم دین عاجزی سے بولا۔

''پہل تو عائشہ نے کی ہے۔''

''پہل میں نے نہیں' تم نے کی ہے کرم دین۔'' وہ الجھ کر بولی۔

''میں نے کہا..... بس!'' میں نے باری باری انہیں تیز نظر گھورا۔ ''کس نے پہل کی ہے اور کس نے دوج' اس بحث میں مت پڑو۔ یہ پہل دوج کھیلنے کا وقت نہیں ہے۔ میں تم سے جتنی بات پوچھوں' بس اس کا جواب دو اور.....'' میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہا۔

''اور جب میں ایک سے بات کروں تو دوسرا بالکل چپ بیٹھے گا..... بالکل خاموش' میری بات سمجھ میں آ رہی ہے نا.....؟''

انہوں نے بڑی شرافت سے اثبات میں گردنیں ہلا دیں۔

میں کرم دین کی طرف متوجہ ہو گیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ تمہارا بیٹا فرید دو اگست کو یہ بتا کر گھر سے نکلا تھا کہ وہ ہفتہ' دس دن کے لئے اپنے کسی دوست کے پاس لاہور جا رہا ہے؟''

''جی ہاں..... حقیقت یہی ہے۔''

''اس کے بعد سے تمہیں اپنے بیٹے کی کوئی خیر خبر نہیں تھی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں

جھانکتے ہوئے کہا۔ ''کل جب میرے بندے نے تمہیں رتاں والی جا کر فرید کی الم ناک موت کے بارے میں آگاہ کیا تو تم پر غم کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی' آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ میں بتا نہیں سکتا کہ فرید کی موت کی خبر سن کر ہماری کیا حالت ہوگئی تھی۔ اس کی ماں کا تو رو رو کر برا حال ہے۔ ہماری تو دنیا ہی اجڑ گئی ہے تھانے دار صاحب۔''

''میں آپ لوگوں کے غم کا اندازہ لگاتا ہوں۔'' میں نے ہمدردانہ انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ ''فرید لاہور میں اپنے جس دوست کے پاس گیا تھا اس کا نام عارف ہی ہے نا.....؟''

''میں نے جان بوجھ کر مقتول کے لاہوری دوست کا نام غلط بتایا تھا' کرم دین جلدی سے بولا۔

''نہیں جناب..... اس کا نام عرفان ہے۔''

''فرید کی عرفان سے کب اور کس طرح دوستی ہوئی تھی؟'' میں نے بہت ہی دھیمے لہجے میں کرم دین کو کریدنا شروع کیا۔

''ان کی دوستی تو بہت پرانی ہے جناب..... بلکہ تھی۔'' وہ افسردہ لہجے میں بولا۔ ''عرفان بھی رتاں والی کا ہی رہنے والا ہے۔ پچھلے دو سال سے وہ روزگار کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا ہے اور مہینے دو مہینے میں وہ ایک آدھ بار گاؤں کا چکر لگا لیتا ہے۔''

''عرفان لاہور میں کیا کام کرتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''اور اس نے رہائش وغیرہ کہاں رکھی ہوئی ہے؟''

''وہ لاہور میں ڈبل روٹی بنانے والی کسی فیکٹری میں کام کرتا ہے' جو فیروز پور روڈ پر واقع ہے۔'' کرم دین نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''اور ادھر قریب ہی کسی آبادی میں اس نے کرائے پر مکان لے رکھا ہے۔''

کرم دین نے بعد میں مجھے بند اور ڈبل روٹی بنانے والی اس فیکٹری کا نام بھی بتایا تھا' لیکن بہ وجوہ میں نے وہ نام یہاں ظاہر نہیں کیا۔ میں نے کرم دین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''بس' ایک آخری سوال..... اور اس کا جواب بہت سوچ سمجھ کر دینا۔ تمہاری غلط بیانی بعد میں کوئی بہت بڑی مصیبت بھی کھڑی کر سکتی ہے۔''

وہ چوکنا نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جی پوچھیں۔ میں نے اب تک آپ سے کوئی جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی آئندہ ایسی کوئی حرکت کروں گا۔''

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تمہارے بیٹے فرید اور عائشہ بی بی کی بیٹی نرگس میں کوئی عشق محبت کی کہانی چل رہی تھی؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھانے دار صاحب!'' عائشہ چمک کر بولی۔

''میں نے تم سے پوچھا ہے.....؟'' میں نے گھور کر اسے دیکھا۔

''جناب! چند ماہ کے بعد نرگس کی شادی ہونے والی تھی۔'' وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''وہ اس قسم کے کام میں کیسے ملوث ہو سکتی ہے اور جہاں تک.....''

''میں نے کہا تھا نا' جب تک میں خود نہ پوچھوں' تم اپنی طرف سے کچھ نہیں بولو گی؟'' میں نے غراہٹ آمیز انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے جی۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔''

میں نے کرم دین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بھئی تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟''

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''جی' میرا خیال ہے..... فرید نرگس کو پسند کرتا تھا۔''

''کیا اس نے اپنی پسندیدگی کے بارے میں خود تمہیں بتایا تھا؟''

''مجھے تو نہیں بتایا تھا' لیکن اس سلسلے میں اس نے اپنی ماں سے ذکر کیا تھا۔'' کرم دین نے جواب دیا۔ ''مجھے اپنی بیوی نصیب بیگم کی زبانی پتا چلا تھا۔''

''کیا نرگس بھی اسے پسند کرتی تھی؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس بارے میں' میں کچھ نہیں جانتا جناب.....''

''تم اپنے بیٹے کے کسی دشمن کو تو جانتے ہو گے؟''

''دشمن..... نہیں جناب' اس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''وہ تو سب کو دوست بنا کر رکھتا تھا۔ بہت ہی ملنسار اور محبت کرنے والا تھا۔''

''کرم دین!'' میں نے اسے ٹھہرے ہوئے لہجے میں مخاطب کیا۔ ''انسان کے جہاں دس دوست ہوتے ہیں' انہی خیر خواہوں میں کہیں ایک آدھ دشمن بھی چھپا ہوتا ہے۔ تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ مقتول کا کوئی دشمن نہیں تھا؟''

''جناب! میں جو جانتا تھا' وہ آپ کو بتا دیا ہے.....'' وہ بے بسی سے بولا۔

''تمہارے خیال میں فرید کو کسی دوست نے موت کے گھاٹ اتارا ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''یہ کام کوئی دوست نہیں بلکہ کوئی دشمن ہی کر سکتا ہے۔''

''لیکن جناب.....'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔ ''آپ نے تو بتایا ہے کہ وہ اور نرگس یہاں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے تھے اور نرگس اب غائب ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ.....'' وہ جملے کو ادھورا چھوڑ کر سوالیہ نظر سے عائشہ بی بی کی طرف دیکھنے لگا۔

''دیکھ لیں تھانے دار صاحب!'' عائشہ خاموش نہ رہ سکی اور شکایت بھرے لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''یہ کرم دین تو ہاتھ دھو کر میری بچی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ یہ نرگس کو فرید کا قاتل سمجھ رہا ہے.....''

''کرم دین نے ایسی کوئی بات نہیں' بلکہ مجھے یہ شک ہے کہ فرید کی موت میں کسی نہ کسی زاویے سے نرگس ضرور ملوث ہے یا کم از کم وہ قتل کی اس واردات کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ تم دونوں کا ایک جگہ موجود رہنا ٹھیک نہیں' اس لئے کرم دین.....'' میں نے کرم دین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم باہر برآمدے میں جا کر بیٹھو۔ اگر تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں اندر بلا لوں گا۔''

اس نے فوراً میرے حکم کی تعمیل کی اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

میں عائشہ بی بی کی طرف متوجہ ہو گیا اور گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''دیکھو عائشہ! اس حقیقت کو تو دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی کہ پچھلے تین چار دن تمہاری بیٹی نرگس یہاں مقتول فرید کے ساتھ' اس کی بیوی کی حیثیت سے رہ رہی تھی۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ فرید اسے زبردستی اغوا کر کے اپنے ساتھ نہیں لایا تھا بلکہ اس کام میں نرگس کی مرضی پوری طرح شامل رہی ہوگی اور اس ''مرضی'' کا میں بھی چشم دید گواہ ہوں۔''

''جی کیا.....'' میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھی۔ ''آپ نے ایسا کیا دیکھا تھا تھانے دار صاحب.....''

''دو روز پہلے' ایک رات جب انہیں کھلے عام نازیبا حرکات کے الزام میں گرفتار کر کے

تھانے لایا گیا تھا تو میں نے ان کا تفصیلی انٹرویو کیا تھا۔'' میں نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''جبھی مجھے پتا چلا تھا کہ وہ دونوں اپنی مرضی اور خواہش سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ وہ میاں بیوی تھے یا نہیں' یہ ایک الگ بحث ہے' لہٰذا یہ خیال تو ذہن سے نکال دو کہ نرگس کو اس کی مرضی کے خلاف اغوا کیا گیا تھا۔ اب ہم فرید کے قتل کی طرف آتے ہیں.....'' یہاں تک پہنچنے کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا وقفہ لیا' پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''وقوعہ کی رات حسب معمول مقتول اور تمہاری بیٹی نرگس اپنے کمرے میں سونے کے لئے گئے تھے' لیکن اگلی صبح اسی کمرے میں مقتول فرید کی لاش پائی گئی اور تمہاری بیٹی جائے وقوعہ سے غائب تھی' اس لئے لامحالہ نرگس کی طرف دھیان جاتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی زاویے سے اس قتل کے راز میں ضرور شریک ہے۔ تمہاری عقل اس بارے میں کیا کہتی ہے عائشہ بی بی.....؟''

''میری عقل تو بالکل کام نہیں کر رہی تھانے دار صاحب!'' وہ اپنی پیشانی کو سہلاتے ہوئے بولی۔ ''ایک بار نرگس مل جائے تو میں اسی سے پوچھوں گی کہ یہ سارا چکر کیا ہے اور کس طرح پیش آیا ہے؟''

''مجھے بھی صرف اور صرف نرگس ہی کی تلاش ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مقتول فرید تو اس دنیا سے جا چکا۔ وہ واپس آ کر میرے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا' لہٰذا میری ساری امیدیں اب تمہاری بیٹی نرگس ہی سے بندھی ہوئی ہیں' اسی لئے میں پہلی فرصت میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں سانس درست کرنے کے لئے رکا' پھر گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''عائشہ بی بی! تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتی ہو؟''

''میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ نرگس جلد از جلد مل جائے۔'' وہ روہانسی آواز میں بولی۔ ''لیکن خدا گواہ ہے کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

اس بات کا مجھے بھی بہ خوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ عائشہ بی بی اپنی بیٹی کی گمشدگی یا غیاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی اور اس حوالے سے میں اس پر کوئی دباؤ بھی نہیں ڈال رہا تھا۔ میں تو کسی ایسے سرے کی تلاش میں تھا' جسے تھام کر میں قاتل تک رسائی حاصل کر سکوں اور یہ سرا نرگس تک پہنچنے کے بعد ہی میرے ہاتھ آ سکتا تھا۔ میں دوبارہ عائشہ بی بی کی طرف متوجہ ہوا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''نرگس کا باپ تھانے کیوں نہیں آیا۔ اس نے تمہیں کیوں بھیج دیا ہے؟''

''جب سے نرگس گم ہوئی ہے' یعقوب گہرے صدمے میں ہے۔'' وہ ایک افسردہ سی سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ''ہر وقت یہی دہراتا رہتا ہے کہ نرگس نے گھر سے باہر قدم نکال کر اس کی ناک کٹوا دی ہے۔ اس نے اپنے دوست کو جو زبان دے رکھی ہے' اس کا کیا ہوگا..... وہ تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا.....''

''کون دوست..... تم کہیں اللہ رکھا کی بات تو نہیں کر رہی ہو.....؟'' میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

''جی ہاں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''نرگس کی منگنی اللہ رکھا کے بیٹے جاوید سے ہوئی ہے اور یہ معاملہ یعقوب کے زور دینے پر ہی ہوا ہے' ورنہ میں تو اس رشتے کے لئے بالکل تیار نہیں تھی' مگر یعقوب نے نہ میری سنی اور نہ ہی نرگس کے مستقبل کا کوئی خیال کیا' یاری نبھانے کے لئے جاوید سے نرگس کا رشتہ طے کر دیا.....''

''تم اس رشتے کی مخالفت میں کیوں تھیں؟''

''بس جی' مجھے جاوید بالکل اچھا نہیں لگتا۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''عجیب سست اور بونگا سا لڑکا ہے۔''

''تو کیا تم کسی خاص بندے کے ساتھ نرگس کی شادی کرنا چاہتی تھی؟''

''نہیں جی' میرے ذہن میں کوئی خاص بندہ نہیں تھا۔'' وہ عام سے لہجے میں بولی۔ ''کسی بھی معقول آدمی سے اس کی شادی ہو جاتی' مگر جاوید سے نہیں۔ پتا نہیں' کیا بات ہے' جاوید کو دیکھتے ہی مجھے عجیب سا محسوس ہونے لگتا ہے.....''

''میں نے سنا ہے' جاوید کی ماں شہناز بھی اس رشتے کے لئے تیار نہیں تھی۔'' میں نے حنیف کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں عائشہ کو ٹٹولا۔ ''اللہ رکھا نے زور زبردستی کر کے ہی یہ ناتا جوڑا تھا.....؟''

''شہناز کے انکار کی وجہ نرگس کو ناپسند کرنا نہیں تھی۔'' وہ ٹھوس انداز میں بولی۔ ''بلکہ اس کی نگاہ کسی اور پر لگی ہوئی تھی۔''

میں نے بالکل انجان بنتے ہوئے کہا۔ ''اور..... کس پر؟''

''اپنی بہن آسیہ کی بیٹی عطیہ پر۔'' وہ ناگواری سے بولی۔ ''وہ جاوید کی شادی عطیہ سے

کرنا چاہتی تھی' لیکن اللہ رکھا اپنی سالی آسیہ کو سخت ناپسند کرتا ہے' اس لئے وہ عطیہ کو کسی بھی صورت اپنی بہو بنانے پر تیار نہیں تھا' لہٰذا اس نے نرگس کا رشتہ مانگ لیا۔ اگرچہ میں جاوید کو پسند نہیں کرتی' لیکن یعقوب نے میری ایک نہ سنی اور یہ رشتہ پکا کر دیا اور..... اب چند ماہ بعد تو ان کی شادی ہونے والی تھی.....''

''نرگس کے گھر سے غائب ہو جانے پر جاوید یا اس کے گھر والوں کا کیا تاثر تھا؟'' میں نے سوال و جواب کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ نرگس کے گھر سے چلے جانے کے بعد شہناز نے سکھ کی سانس لی تھی۔'' وہ برہمی سے بولی۔ ''اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ بلا ٹل گئی۔ اب وہ اپنی مرضی سے جاوید کی شادی عطیہ سے کر سکے گی۔ یہ رشتے داری چونکہ اللہ رکھا اور یعقوب کی دوستی کے نتیجے میں ہو رہی تھی' لہٰذا نرگس کی گمشدگی کا سب سے زیادہ دکھ بھی انہی دونوں کو ہوا۔ اوپر سے شہناز نے طعنے دے دے کر اللہ رکھا کی زندگی اور بھی عذاب بنا دی ہے۔''

''اور اس سلسلے میں جاوید کا کیا رویہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بے پروا بنا پھرتا ہے۔'' عائشہ نے ہونٹ بھینچتے ہوئے جواب دیا۔ ''اسے اس بات سے قطعاً کوئی غرض نہیں کہ نرگس کہاں چلی گئی ہے۔ حالانکہ اس موقع پر تو سب سے زیادہ سنجیدگی کا مظاہرہ اسی کو کرنا چاہئے۔ نرگس اس کی منگیتر ہے مگر.....'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''مگر مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے' ان ماں بیٹے کو نرگس کی گمشدگی سے بہت خوشی ملی ہو۔ میرے سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ شہناز اور جاوید لوگوں سے کہتے پھر رہے ہیں کہ ان کی طرف سے یہ رشتہ ختم ہی سمجھا جائے۔ جو لڑکی گھر سے بھاگ جائے اسے کوئی اپنے گھر کی عزت کیسے بنا سکتا ہے۔''

''جب ہم نرگس کے گھر سے بھاگ جانے کی بات کرتے ہیں تو فوراً ذہن میں یہ سوال سر اٹھاتا ہے..... وہ کس کے ساتھ بھاگی ہوگی؟'' میں نے عائشہ کے چہرے پر نگاہ جما کر گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''حالات و واقعات چیخ چیخ کر اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ وہ مقتول فرید کے ساتھ تھی' جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان دونوں میں پہلے سے کوئی معاملہ چل رہا تھا' لیکن تم کہتی ہو کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی' یہ نکتہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا.....''

''جناب! میں تو یہی جانتی ہوں کہ نرگس کا فرید کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں تھا۔'' وہ بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔ ''باقی دلوں کے حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارے سامنے کرم دین نے کہا ہے کہ اس کا بیٹا یعنی مقتول فرید' تمہاری بیٹی نرگس کو پسند کرتا تھا اور اس پسندیدگی کا اظہار اس نے اپنی ماں نصیب بیگم سے بھی کیا تھا۔'

میں نے تیکھے انداز میں کہا۔ ''اور تم بالکل انجان بن رہی ہو؟''

''آپ جو بھی سمجھ لیں۔'' وہ اکتاہٹ بھرے انداز میں بولی۔ ''جو سچ تھا' وہ میں نے آپ کو بتا دیا۔''

میں نے مزید دو چار سوالات کے بعد عائشہ بی بی کو فارغ کر دیا اور اسے باہر بھیج کر کرم دین کو اندر بلا لیا۔ وہ میرے سامنے آ کر بیٹھا اور امداد طلب نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

''کرم دین میں تمہارے دکھ درد میں برابر کا شریک ہوں۔ میں تمہارے بیٹے کو تو زندگی میں واپس نہیں لا سکتا' البتہ یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ بہت جلد اس کے قاتل کو گرفتار کر کے جیل میں سلاخوں کے پیچھے پہنچا دوں گا۔''

''کیا آپ کو کچھ پتا چلا کہ فرید کو کس بدبخت نے موت کے گھاٹ اتارا ہے؟'' اس نے زخمی لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

''سچی بات تو یہ ہے کہ میں ابھی تک کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد یا بدیر میں قاتل کی گردن ناپنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ بس.....'' میں نے توقف کیا' پھر سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بس! ایک بار مجھے نرگس کا سراغ مل جائے تو پھر بعد کا کام بہت آسان ہو جائے گا۔''

''میں بھی دعا کروں گا کہ آپ جلد از جلد نرگس کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں۔'' وہ قدرے مضبوط لہجے میں بولا۔

''آمین.....'' میں نے تہ دل سے کہا' پھر اسے ہدایت کی۔ ''کرم دین! اگر اس دوران میں تمہیں کوئی خاص بات پتا چلے تو مجھے ضرور بتانا۔ قاتل کی تلاش کے سلسلے میں مجھے تمہارے تعاون کی اشد ضرورت ہے۔''

''جی..... میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔'' وہ بڑی فرماں برداری سے بولا۔ پھر منت ریز انداز میں پوچھا۔ ''فرید کی لاش کب تک ہسپتال سے آ جائے گی۔''

''مجھے امید ہے کہ کل دوپہر تک لاش تھانے پہنچ جائے گی۔'' میں نے کہا۔

اس نے استفسار کیا۔ ''میں لاش وصول کرنے کے لئے کب آپ کے پاس آؤں۔ مجھے اس کے کفن دفن کا بندوبست بھی تو کرنا ہے.....'' آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ''کرم دین! بیٹے کی لاش وصول کرنے کے لئے تمہیں تھانے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی نگرانی میں عملے کے دو افراد کو لاش کے ساتھ رتاں والی بھیجنے کا انتظام کر دوں گا۔ تم تدفین کا پروگرام عصر اور مغرب کے درمیان رکھو تو سارے مرحلے خوش اسلوبی سے نمٹ جائیں گے۔''

میں نے اے ایس آئی کو اپنے پاس بلایا اور اس کیس کے حوالے سے مختلف ہدایات دینے کے بعد کہا۔ ''عائشہ بی بی اور کرم دین کو واپس رتاں والی بھجوانے کا انتظام کر دو۔ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔''

''او کے سر.....!'' اے ایس آئی نے فرض شناس لہجے میں کہا۔

میں مطمئن ہو گیا۔

***

اگلے روز دوپہر سے پہلے ہی مقتول فرید کی لاش ہسپتال سے واپس آ گئی۔ لاش کے ساتھ ہی پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ بھی موجود تھی۔ میں نے کاغذی کارروائی مکمل کرنے کے بعد لاش وصول کر لی اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر مذکورہ رپورٹ کا مطالعہ کرنے لگا۔

اس رپورٹ کے مطابق مقتول فرید کی موت سات اور آٹھ اگست کی درمیانی رات ایک اور دو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ رپورٹ میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا تھا کہ موت کے وقت مقتول گہری بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اس میں کسی قسم کی مزاحمت کرنے کی سکت باقی نہیں تھی' تاہم موت کا واضح سبب وہی خطرناک قاتل خنجر تھا' جو اس کے سینے میں پیوست ملا تھا۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے ساتھ ہی کیمیکل ایگزامنر کی تفصیلی رپورٹ بھی منسلک تھی' جس میں بعض سنسنی خیز انکشافات کیے گئے تھے۔ مقتول کے معدے سے حاصل کئے گئے ایک نمونے میں بے ہوشی کی دوا کے آثار ملے تھے' یعنی وقوعہ کی رات اسے کھانے میں بے ہوشی کی دوا دی گئی تھی' جس کے زیر اثر وہ بے خبر اور گہری نیند میں چلا گیا تھا' لہٰذا جس جب قاتل نے بے رحمی سے اس کے سینے میں خنجر اتارا تو وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں کو حرکت میں نہ لا سکا اور بغیر تڑپے پھڑکے اس نے موت کو گلے لگا لیا۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ اور اس کے ساتھ منسلک کیمیکل ایگزامنر کے تجزیے نے میرے بہت سے خدشات کی تسکین کر دی۔ اب میں پورے یقین کے ساتھ یہ جان چکا تھا کہ فرید نے قتل ہوتے وقت کسی قسم کی کوئی مزاحمت پیش کیوں نہیں کی تھی۔

نعمت بی بی کے تفصیلی بیان کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی تھی کہ وقوعہ کی رات نرگس اپنا اور مقتول کا کھانا بیٹھک میں لے کر گئی تھی۔ دونوں مبینہ میاں بیوی نے رات کا کھانا ایک ساتھ بیٹھک میں بیٹھ کر کھایا تھا' پھر اندر سے کنڈی لگا کر سو گئے تھے۔ ان حالات میں ذہن اسی نتیجے

پر پہنچتا تھا کہ نرگس نے رات کے کھانے میں کوئی زود اثر نشہ آور دوا ملا کر مقتول کو کھلا دی تھی۔ آدھی رات کے بعد جب اس نے دیکھا کہ مقتول بے خبری کی نیند میں پہنچ چکا ہے تو اس نے نہایت ہی سنگ دلی سے ایک خوفناک خنجر مقتول کے سینے میں اتارا اور وہاں سے غائب ہو گئی۔

یہ سب کچھ سوچنا بہت آسان تھا اور بالکل منطقی بھی نظر آتا تھا' لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تصور چند توجہ طلب سوالات کو بھی جنم دیتی تھی اور ان سوالات کے تسلی بخش جوابات حاصل کئے بغیر کسی راسخ اور حتمی نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ یہ سوالات علی الترتیب کچھ یوں تھے۔

اگر نرگس' مقتول کو پسند کرتی تھی اور اس کی خاطر گھر چھوڑ آئی تھی تو پھر وہ اسے قتل کر کے غائب کہاں ہو جائے گی؟ اگر ان دونوں کے بیچ کوئی سنجیدہ تعلق نہیں تھا اور نرگس کسی بھی بنا پر مقتول کی جان کی دشمن تھی تو پھر وہ اپنے ایک دشمن کے ایما پر گھر سے کیوں بھاگی؟ اگر اس تمام تر خطرناک کھیل میں کوئی تیسرا شخص بھی ملوث تھا تو وہ کون تھا؟ وہ صرف مقتول کا دشمن تھا یا پھر نرگس کی مدد سے اس کی دوستی تھی؟ کیا اس نامعلوم شخص کی مدد سے نرگس نے یا نرگس کی مدد سے اس نامعلوم شخص نے فرید کو ٹھکانے لگایا تھا؟ اگر مذکورہ نامعلوم شخص اور نرگس اندر سے آپس میں ملے ہوئے تھے تو پھر یہ دونوں اب کہاں تھے؟

یہ تمام تر اور ان سے ملتے جلتے متعدد سوالات نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا رکھا تھا اور سردست میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ جب تک نرگس ہاتھ نہیں آئے گی' اس کیس کا اونٹ کسی مناسب کروٹ نہیں بیٹھ سکے گا' لیکن پھر یہ سوال مجھے ایک بند گلی میں لا کھڑا کرتا تھا کہ میں نرگس کو کہاں تلاش کروں؟

یہ بات سامنے آ چکی تھی کہ مقتول اپنے گھر سے دو اگست کو یہ بتا کر نکلا تھا کہ وہ اپنے ایک دوست عرفان کے پاس لاہور جا رہا ہے۔ وہ پہلے بھی عرفان سے ملنے جاتا رہتا تھا۔ مقتول ہمارے علاقے میں چار اگست کو پہنچا تھا۔ اس سے یہ اندازہ قائم کیا جا سکتا تھا کہ اس نے دو اور تین اگست کے دونوں دن عرفان کے پاس گزارے ہوں گے۔

میں نے فوری طور پر لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے یقین تھا کہ عرفان سے ایک تفصیلی ملاقات اس کیس کے معاملے میں بہت سودمند ثابت ہو گی۔ ہو سکتا ہے' وہاں سے کوئی ایسا اشارہ مل جاتا' جو مقتول کی پُراسرار موت اور نرگس کی گمشدگی پر سیر حاصل روشنی ڈال سکتا۔

میں نے آئندہ آدھے گھنٹے میں مقتول فرید کی لاش کو موضع رتاں والی بھجوانے کا بندوبست

کیا اور خود سرسری تیاری کے بعد لاہور روانہ ہو گیا۔

***

عرفان ڈبل روٹی، بن اور شیر مال بنانے والی ایک فیکٹری میں کام کرتا تھا، جو فیروز پور روڈ پر، نہر کے پل کے قریب واقع تھی۔ اس وقت دن کے ڈھائی بجے تھے۔ مرید کے سے فیروز پور روڈ لاہور کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مجھے مذکورہ فیکٹری تک پہنچنے میں لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹہ لگا ہو گا۔

میں اس وقت عوامی لباس میں تھا اور احتیاطاً میں نے متعلقہ تھانے میں حاضر لگا کر اپنی لاہور میں آمد سے محکمے کے ذمے دار افراد کو آگاہ کر دیا تھا۔ تھانہ انچارج صدیق راؤ نے میرے ساتھ اپنے عملے کے کسی آدمی کو بھیجنے کی پیشکش کی تھی، جسے میں نے بڑی اخلاقی خوب صورتی سے رد کر دیا تھا اور ایک بس میں بیٹھ کر اپنی مطلوبہ فیکٹری پہنچ گیا تھا۔

میں فیکٹری کے دفتری حصے میں داخل ہوا اور وہاں موجود انتظامیہ کے ایک سینئر آدمی سلیمان بخاری سے ملاقات کی۔ وہ فیکٹری میں منیجر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''بخاری صاحب! میرا نام ملک صفدر حیات ہے اور میں مرید کے تھانے کا انچارج ہوں۔ ایک ضروری کام سے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ امید ہے، آپ مجھ سے پورا پورا تعاون کریں گے.....''

''کیوں نہیں جناب!'' یہ جان کر کہ میں تھانہ انچارج ہوں، بخاری اٹھ کر کھڑا ہو گیا، پھر دوبارہ گرم جوش مصافحہ کرنے کے بعد بولا۔ ''میرے لائق جو بھی خدمت ہو، حکم کریں اور اس حکم سے پہلے یہ فرمائیں کہ آپ کے لئے ٹھنڈا منگواؤں یا گرم.....؟''

''اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں بخاری صاحب!'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''آپ مجھ سے تعاون کرنے کو تیار ہیں، یہی کافی ہے۔''

''یہ کافی نہیں ہے جناب۔'' وہ پرخلوص لہجے میں بولا۔ ''کام اور کھانا پینا ایک ساتھ ہو جائے تو اچھا ہے۔''

''جیسی آپ کی مرضی.....'' میں نے اس کی مخلصانہ پیشکش کے سامنے سپر ڈال دی اور کہا۔ ''موسم کی مناسبت سے جو دل چاہے، وہ منگوا لیں۔''

بخاری نے ایک ملازم کو بلا کر کھانے پینے کی چند چیزیں لانے کا حکم دیا، پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''جی ملک صاحب! اب آپ فرمائیں، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''آپ کی فیکٹری میں عرفان نامی ایک بندہ کام کرتا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''وہ مرید کے کے ایک نواحی گاؤں رتاں والی کا رہنے والا ہے اور یہاں قریب ہی کسی بستی میں اس نے رہائش اختیار کر رکھی ہے۔ وہ پچھلے دو سال سے آپ کے پاس ملازم ہے.....''

''ہاں، میں عرفان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''وہ تھوڑے فاصلے پر واقع کچی آبادی نامی ایک بستی میں رہتا ہے۔''

''مجھے اسی عرفان سے پوچھ گچھ کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آپ اسے ادھر ہی بلا لیں۔''

''میں ابھی اسے بلاتا ہوں۔'' وہ تشویش بھرے انداز میں بولا۔ ''لیکن یہ تو بتائیں کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ میں محسوس کر رہا ہوں کہ ادھر مرید کے میں کوئی بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے.....؟''

''آپ بالکل ٹھیک محسوس کر رہے ہیں۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا، پھر نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے حالات حاضرہ کی سنگینی سے نگاہ کر دیا۔

''اوہ.....!'' اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور بولا۔ ''معاملہ تو خاصا خطرناک ہے۔''

''اسی لئے میں سادہ لباس میں یہاں آیا ہوں۔'' میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''آپ بھی اس پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیں گے کہ کوئی پولیس والا اس سے ملنے آیا ہے، ورنہ وہ بدک جائے گا۔''

''آپ فکر نہ کریں ملک صاحب!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں اس معاملے کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں.....''

میں نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

وہ اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے بولا۔ ''آپ یہاں آرام سے بیٹھیں۔ میں خود اسے لے کر آپ کے پاس آتا ہوں۔''

سلیمان بخاری کی واپسی لگ بھگ پانچ منٹ بعد ہوئی اور وہ خالی ہاتھ آیا تھا۔ وہ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ چکا تو میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ بولا۔

''ملک صاحب! عرفان تو تھوڑی دیر پہلے چھٹی کر کے اپنے گھر چلا گیا ہے۔''

''کیا آپ کی فیکٹری میں اتنی جلدی چھٹی ہو جاتی ہے؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''نہیں جناب! چھٹی میں تو ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔'' سلیمان بخاری نے جواب دیا۔ ''اس کے ساتھ کام کرنے والے ایک بندے نے بتایا کہ عرفان بتا رہا تھا' گاؤں سے اس کی کوئی دوست ملنے آیا ہے' اس لئے آج وہ جلدی چھٹی کر کے گھر جا رہا ہے۔''

''کوئی دوست..... گاؤں سے آیا ہے.....'' میں نے چونکے ہوئے انداز میں کہا' پھر بخاری کی جانب دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''میں ابھی عرفان کے گھر جانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ کسی ایسے بندے کو بھیج سکتے ہیں جس نے عرفان کی رہائش گاہ دیکھ رکھی ہو.....؟''

''ملک صاحب! آپ فکر نہ کریں' میں آپ کو عرفان کے گھر پہنچانے کا بندوبست کر دوں گا۔'' بخاری نے کہا۔ ''لیکن پہلے کچھ کھا پی لیں۔ میں نے آپ کے لئے گرم چائے کے ساتھ گرما گرم جلیبیاں اور سموسے منگوائے ہیں.....''

''یہ تمام چیزیں میں اطمینان سے بیٹھ کر کھاؤں گا۔'' میں اٹھ کھڑا ہو گیا۔ ''پہلے عرفان کی طرف جانا ضروری ہے۔''

''ہوں.....'' وہ گہری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کی فرض شناسی کو سمجھ سکتا ہوں ملک صاحب۔ آپ ایک منٹ رکیں میں قدیر کو ساتھ لے لوں۔''

''قدیر کون.....؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''قدیر بھی اسی فیکٹری میں کام کرتا ہے۔ اس نے عرفان کا گھر دیکھ رکھا ہے۔'' بخاری نے بتایا۔ ''میں اپنی کار میں آپ کو لے کر وہاں جاؤں گا۔ قدیر ہماری رہنمائی کرے گا۔''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلا دی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم تینوں فیکٹری منیجر سلیمان بخاری کی کار میں بیٹھ کر عرفان کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ مذکورہ گھر فاضلیہ کالونی کے عقب میں واقع کچی آبادی میں تھا۔ قدیر کی رہنمائی میں جب سلیمان بخاری نے مین فیروز پور روڈ کو چھوڑ کر کچی آبادی کی سمت گاڑی موڑی تو قدیر نے چونکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''باؤ جی..... ایک منٹ.....''

''باؤ جی (بابو جی) سے قدیر کی مراد سلیمان بخاری تھا۔ بخاری نے الجھن زدہ انداز میں پوچھا۔ ''کیا ہوا.....؟''

''آپ گاڑی روک دیں۔'' قدیر نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ''مجھے لگتا ہے' وہ عرفان جا رہا ہے.....'' بات ختم کرتے ہی اس نے ایک جانب اشارہ بھی کر دیا۔

میں نے گردن گھما کر مین فیروز پور روڈ کی طرف دیکھا۔ وہاں سڑک کے کنارے ایک جوڑا چلا جا رہا تھا۔ ان کی پشت ہماری جانب تھی اور وہ اچھرہ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قدیر سے پوچھا۔

''کیا تم اس جوڑے کی بات کر رہے ہو.....؟''

''جی..... جب باؤ جی نے کار موڑی تو میں نے عرفان کی ایک جھلک دیکھ لی تھی۔'' وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''لیکن اس کے ساتھ یہ عورت.....؟'' اس نے الجھن زدہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

میں چونکہ سلیمان بخاری کو سارا قصہ سنا چکا تھا لہٰذا اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''کیا کرنا ہے ملک صاحب.....؟''

''بخاری صاحب! آپ اپنی کار کو اسی سمت لے چلیں' جدھر وہ جا رہے ہیں۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''اور ان سے تھوڑا آگے جا کر رک جائیں۔ میں اس لڑکی کا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں.....''

''مگر یہ رانگ سائیڈ ڈرائیونگ ہو گی۔'' وہ اپنی کار کو واپس موڑتے ہوئے بولا۔ ''آپ کا حکم ہے تو میں چلا چلتا ہوں۔''

''میں آپ کو قانون شکنی کا حکم نہیں دے سکتا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ مجھے یہیں اتار دیں اور اگلے کٹ سے گاڑی گھما کو واپس آ جائیں' جب تک میں پیدل ہی ان کا تعاقب کرتا ہوں۔''

بخاری نے کوئی سوال کیے بغیر مجھے وہیں ڈراپ کر دیا اور گاڑی کو فیروز پور روڈ کی دوسری جانب لے گیا۔ میں تیز قدموں سے اس جوڑے کے پیچھے چل پڑا' جس کے بارے میں قدیر نے بڑے وثوق سے کہا تھا کہ عرفان کسی عورت کے ساتھ جا رہا ہے۔

میں نے اس سے پہلے عرفان کو نہیں دیکھا تھا' لیکن نرگس سے میری ایک بھرپور ملاقات

ہو چکی تھی۔ میں اس کا چہرہ دیکھتے ہی پہچان جاتا۔ اگر یہ عورت نرگس ہی تھی تو پھر کیس حل ہونے میں منٹ نہیں' چند سیکنڈ ہی باقی تھے۔ اس خیال نے میرے رگ و پے میں ایک عجیب سی سنسنی پھیلا دی۔ میرے حواس پوری طرح بیدار ہو گئے اور میں دل و جان سے کسی بھی ہنگامی کارروائی کے لئے پوری طرح تیار ہو گیا۔

میں نہایت ہی مہارت کے ساتھ' دبے قدموں ان کے قریب تر ہوتا چلا گیا۔ جب ہمارے بیچ محض دس فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو میں نے دیکھا' وہ دونوں دائیں جانب مڑ گئے۔ سڑک کے کنارے اس طرف ایک سینما بنا ہوا تھا۔ گویا وہ دونوں فلم دیکھنے کے لئے گھر سے نکلے تھے۔

جب وہ سینما کے گیٹ کی طرف مڑے تو میں لڑکی کے چہرے کی جھلک دیکھنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور یہ دیکھ کر میرے اعصاب تن گئے کہ وہ کوئی اور نہیں بلکہ نرگس ہی تھی۔ وہی نرگس جس کی تلاش نے مجھے بری طرح بے چین کر رکھا تھا۔

میں ان کے پیچھے لپکا اور بہ آواز بلند پکارا۔ ''نرگس.....''

وہ ٹھٹک کر رک گئے' پھر انہوں نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ مجھے ان کی آنکھوں کو چہروں پر بڑے ہی متضاد تاثرات دکھائی دیئے۔ عرفان مجھے حیرت اور الجھن میں مبتلا نظر آیا' جبکہ مجھے دیکھتے ہی نرگس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔

نرگس نے ایک طرف بھاگنے کی کوشش کی تو میں نے کسی عقاب کے مانند جھپٹ کر اسے قابو کر لیا' پھر اس کی کلائی کو ایسا مروڑا دیا کہ وہ حلق کے بل چیخنے پر مجبور ہو گئی۔ میں نے دھاڑ سے مشابہ لہجے میں کہا۔

''ایک بار گھر سے بھاگ چکی ہو' بس یہی کافی ہے۔ اب میں تمہیں اور کہیں نہیں جانے دوں گا.....تم یہاں سے سیدھی جیل جاؤ گی.....''

اس ناگہانی صورت حال نے عرفان کو بوکھلا دیا اور اسی بوکھلاہٹ میں اس نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔ میں نے فوراً اپنا سروس ریوالور نکال لیا' لیکن اس سے پہلے کہ میں اسے دھمکانے کے لئے ہوائی فائر کرتا' سلیمان بخاری موقع پر پہنچ گیا۔ اس نے دور سے ہی مجھے برسر پیکار دیکھ لیا تھا اور بڑی تیزی سے اپنی کار ہماری جانب بڑھا دی تھی۔ اتفاق سے عرفان نے بھی اسی سمت فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔

وہ ایک زوردار آواز پیدا کرتے ہوئے بخاری کی کار کے بونٹ سے ٹکرایا اور پھر وہیں

سینما کے گیٹ کے قریب زمین پر گر کر کراہنے لگا۔ اس کے گھٹنوں پر شدید چوٹیں آئی تھیں۔ سلیمان بخاری اور قدیر بھی پلک جھپکتے ہی کار سے باہر نکل آئے اور انہوں نے بڑی آسانی سے عرفان کو اپنے نرغے میں لے لیا۔

اس افراتفری کو دیکھ کر بہت سارے لوگ وہاں جمع ہو گئے' جن میں غالب تعداد ان افراد کی تھی جو فلم دیکھنے کی غرض سے سینما ہاؤس پہنچے تھے۔ انہیں ایک زندہ فلم دیکھنے کو مل گئی تھی اور.....وہ بھی ٹکٹ لئے بغیر۔

***

جب کوئی مجرم کسی ٹھوس ثبوت کے ساتھ پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو پھر اس کی زبان کھلوانا مشکل نہیں رہتا۔ اسی شام میں سلیمان بخاری کی کار میں بٹھا کر نرگس اور عرفان کو تھانہ مرید کے لے آیا تھا۔ جب بخاری واپس چلا گیا تو میں نے نرگس اور عرفان کو اپنے سامنے کھڑا کر کے دھمکی آمیز لہجے میں پوچھا۔

''تم لوگ سیدھی طرح سچ سے پردہ ہٹاؤ گے یا میں تمہاری زبانیں کھلوانے کے لئے تفتیش کا روایتی طریقہ اختیار کروں.....؟''

میں نے انہیں ایک موقع فراہم کیا تھا تاکہ وہ سلامت ہڈی پسلی کے ساتھ جیل کی ہوا کھا سکیں' لیکن میری بات ان کی سمجھ میں نہ آ سکی اور رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود وہ اپنے بچاؤ کے لئے الٹی سیدھی تاویلیں گھڑنے لگے۔ ان کی اس نامعقولیت پر مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے انہیں ایک گھنٹے کے لئے حوالدار جمشید کے حوالے کر دیا۔

ایک گھنٹے سے بھی پہلے حوالدار کی محنت رنگ لے آئی اور وہ دونوں ملزمان کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتے ہوئے میرے کمرے میں لے آیا۔ میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا تو وہ بڑے معنی خیز انداز میں بولا۔

''ملک صاحب..... میں نے ان دونوں شکاروں کو سیٹ کر دیا ہے۔ ان کی زبانیں رواں ہو چکی ہیں۔ ایک لمحے کے لئے بھی کہیں نہیں رکیں گی۔ آپ جو بھی پوچھیں گے' یہ فرفر جواب دیں گے۔''

میں نے حوالدار کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا اور مبینہ ملزمان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ گردنیں جھکائے شرمندہ سے کھڑے تھے۔ میں نے تحکمانہ انداز میں انہیں بیٹھنے کے

لئے کہا۔

وہ تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد' میری میز کے سامنے بچھی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو میں نے باری باری ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لینے کے بعد طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اگر تم لوگ شرافت سے میری بات مان کر سب کچھ مجھے سچ سچ بتا دیتے تو تمہیں ایسی تکلیف دہ صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ بہرحال' مجھے امید ہے کہ اب تم میرے کسی سوال کے جواب میں نہیں انکو گے.....؟''

انہوں نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا' جس میں فرماں برداری کے علاوہ رحم کی اپیل بھی تھی۔ میں نے خالص تھانے دارانہ انداز میں ان کا انٹرویو شروع کر دیا۔

آئندہ ایک گھنٹے میں' میری پوچھ گچھ کے جواب میں انہوں نے بڑی دیانت داری کے ساتھ مجھے جو کہانی سنائی اس میں حیرت انگیز واقعات اور سنسنی خیز انکشافات کی بھرمار تھی۔ میں ان کے بیانات کی غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں' تاکہ آپ اس کہانی کے انجام سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

درحقیقت' نرگس اور عرفان میں بڑی خفیہ سیٹنگ چل رہی تھی۔ انہوں نے اپنے تعلق کو اس قدر خفیہ رکھا ہوا تھا کہ گاؤں میں کسی کو اس معاملے کی بھنک بھی نہیں تھی۔ اسی دوران میں فرید بھی نرگس کی ذات میں دلچسپی لینے لگا۔ فرید اور عرفان میں اچھے تعلقات تھے' لیکن عرفان کے مطابق' اس نے فرید کو کبھی اپنا جگری یار نہیں سمجھا تھا' لہٰذا عرفان نے فرید کو اپنے اور نرگس کے تعلقات کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتا رکھا تھا۔ جب نرگس کی زبانی عرفان کو پتا چلا کہ فرید بڑی تیزی سے نرگس کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ وہ کھلم کھلا فرید کو اس کام سے منع نہیں کر سکتا تھا' کیوں کہ فرید پھر اس ممانعت کی وجوہات جاننے کی کوشش کرتا۔ ابھی یہ الجھن چل ہی رہی تھی کہ یعقوب نے نرگس کی منگنی اپنے دوست کے بیٹے جاوید سے کر دی۔ اس رشتے میں یعقوب نے اپنی من مانی کی تھی۔ نرگس اس شادی کے لئے بالکل تیار نہیں تھی' چنانچہ نرگس کے علاوہ اس صورتحال نے عرفان کو بھی بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا۔ میدان عمل میں کودنے کا وقت آ گیا تھا۔ اگر اب بھی وہ خاموش بیٹھا رہتا تو پھر نرگس اس کے ہاتھ سے نکل جاتی۔

عرفان کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ کھلے عام نرگس کو اپنانے کے لئے کوشش نہیں کر سکتا تھا' کیونکہ ان دونوں کے خاندانوں میں دیرینہ دشمنی چلی آ رہی تھی۔ شادی بیاہ اور

رشتے داری تو دور کی بات ہے' ان دونوں خاندانوں کے افراد کو ایک دوسرے سے ملنے اور بات چیت کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ عرفان کے لئے یہ آزمائش کی گھڑیاں تھیں۔ وہ مسلسل سوچتا رہا' پھر اس کے شیطانی ذہن نے ایک سنسنی خیز منصوبہ تیار کر لیا۔

اس نے نرگس کو اعتماد میں لے کر اپنے منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ نرگس اس پر اندھا بھروسہ کرتی تھی اور اس سے شادی کرنا چاہتی تھی' لہٰذا اس کی بتائی ہوئی ترکیب پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتی چلی گئی۔ وہ گھر سے بھاگ کر مرید کے پہنچی' جہاں وہ عرفان کی ہدایت پر چند روز کے لئے فرید کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لئے تیار ہو گئی۔ عرفان نے اسے یقین دلایا تھا کہ اگر وہ من وعن اس کے کہے پر عمل کرتی رہی تو ہفتے دس دن کے بعد وہ اس کے پاس ہو گی۔ پھر وہ شادی کر کے لاہور ہی میں مستقل رہائش کر لیں گے۔ اس نے نرگس کو سختی سے تاکید کی تھی کہ اندر کی بات کا فرید کو پتا نہیں چلنا چاہئے۔ نرگس نے اس کی ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

دوسری جانب فرید کو وہ کوئی اور ہی پٹی پڑھا رہا تھا۔ اس نے فرید سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اس کی بات مانے گا تو وہ نرگس کو اس کی طرف نہ صرف مائل کرے گا' بلکہ ایک دن وہ اسے فرید کی بیوی بھی بنا دے گا۔ عرفان ہی کے ایما پر فرید دو دن پہلے گھر سے نکلا تاکہ نرگس کے غائب ہونے کا اس پر کوئی شک نہ ہو۔ عرفان نے فرید سے کہا تھا کہ وہ ان دونوں کی شادی کرا دے گا' پھر وہ مرید کے میں رہائش کر لیں گے۔

نرگس کو عرفان نے سمجھا دیا تھا کہ اسے ہفتہ' دس دن فرید کی بیوی کا کردار ادا کرنا ہے' اس طرح کہ وہ خود کو بھی محفوظ رکھ سکے' پھر کوئی مناسب موقع دیکھ کر وہ نرگس کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ نرگس چونکہ عرفان پر اندھا اعتماد کر رہی تھی' لہٰذا اس اللہ کی بندی نے ایک بار بھی یہ سوال نہیں کیا کہ اسے عرفان کی بیوی بننے کے لئے اس گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت ہے۔ شاید اس کی عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔

سب کچھ عرفان کی پلاننگ کے عین مطابق عمل میں آ گیا۔ فرید' نرگس کو پا کر بہت خوش تھا اور خود کو عرفان کا بہت زیادہ احسان مند سمجھ رہا تھا۔ اس بے چارے کو کچھ خبر نہیں تھی کہ اس کا دوست کون سی چال چل رہا ہے۔ وہ چونکہ نرگس کے بہت قریب رہ رہا تھا' لہٰذا حد سے گزرنے کی کوشش میں بھی تھا' لیکن نرگس یہ کہہ کر اسے ٹال رہی تھی کہ نکاح سے پہلے کچھ نہیں ہو گا' البتہ ہلکی

پھلکی دست درازی کی اسے اجازت دے رکھی تھی۔ وہ بھی ایک ایسا ہی موقع تھا جب ایک رات شبینہ ڈیوٹی والے اے ایس آئی نے انہیں فحش حرکات کے زمرے میں گرفتار کرلیا تھا۔

پروگرام کے مطابق' ایک رات نرگس نے کھانے میں خواب آور دوا ملا کر فرید کو بے ہوش کرنا تھا' جس کے بعد وہ عرفان کے ساتھ لاہور چلی جاتی۔ یہ خواب آور دوا بھی عرفان ہی نے اسے لا کر دی تھی۔ حسب پروگرام عرفان آدھی رات کے بعد نعمت بی بی کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے بیٹھک کے بیرونی دروازے پر مخصوص دستک دی تو نرگس دروازہ کھول کر باہر گلی میں آ گئی۔ عرفان نے اسے ادھر ہی رکنے کو کہا اور خود بیٹھک میں داخل ہو گیا۔

اندر آ کر اس نے بیٹھک کے دوازے کو کنڈی چڑھائی' بے سدھ پڑے فرید کے سینے میں خطرناک خنجر اتارا' بیٹھک کے اندرونی دروازے سے گزر کر صحن میں پہنچا اور پھر گھر کا داخلی دروازہ کھول کر باہر گلی میں آ گیا' جہاں نرگس اس کے انتظار میں کھڑی تھی' پھر وہ پروگرام کے مطابق لاہور کی جانب روانہ ہو گئے۔

اس موقع پر نرگس نے عرفان سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ یہ بات اس کے علم میں نہیں تھی کہ عرفان نے فرید کے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہے۔ وہ نعمت بی بی کا گھر چھوڑتے وقت بیٹھک کا اور گھر کا داخلی دروازہ اچھی طرح بھیڑ آیا تھا۔ نرگس اس بات سے قطعاً بے خبر تھی کہ عرفان نے فرید کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

وہ دونوں لاہور پہنچے اور پھر مزے سے کچی آبادی والے گھر میں رہنے لگے۔ عرفان نے اپنی پلاننگ کو کامیاب بنانے کے لئے کچھ عرصہ پہلے اپنے محلے میں یہ خبر اڑا دی تھی کہ اس کی شادی ہو گئی ہے اور عنقریب وہ اپنی بیوی کو بھی لاہور لے آئے گا۔ چنانچہ جب نرگس کچی آبادی والے گھر میں پہنچی تو کسی کو اس پر شک نہیں ہوا۔

آج ان کی بدقسمتی تھی کہ میں نے انہیں سینما کے گیٹ پر دھر لیا تھا۔ عرفان نے مجھے بتایا کہ وہ اس دن فیکٹری سے جلدی چھٹی کر کے نرگس کو فلم دکھانے سینما لے جا رہا تھا کہ میں نے اسے پکڑ لیا۔

مجرموں کے اقبالی بیان کے بعد یہ کیس ہر زاویے سے حل ہو گیا تھا' تاہم ایک پہلو کی کانٹے کی طرح میرے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ میں نے اپنی خلش مٹانے کے لئے عرفان سے یہ سوال پوچھ لیا۔

''اوئے بدبختا! تمہیں فرید جیسا کاٹھ کا لولا اور تمہارا سوچا ہوا منصوبہ بھی سو فیصد کامیاب ہو گیا تھا' پھر تم نے اس بدنصیب فرید کی جان کیوں لی؟''

''میرے اس فعل کی دو وجوہات ہیں جناب.....!'' وہ ندامت آمیز انداز میں بولا۔

''کون سی دو وجوہات.....؟'' میں نے اسے تیز نظر سے گھورا۔

''اول تو مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ جب صبح فرید اٹھے گا تو نرگس کو غائب پا کر وہ سیدھا میرے پاس لاہور پہنچے گا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی بھی صورت نرگس کو میرے پاس دیکھے' لہٰذا میں نے اس کا قصہ ہی پاک کر دیا۔'' وہ لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''نرگس اور فرید دو دن کے فرق سے رتاں والی سے غائب ہوئے تھے اور مرید کے میں ان کی موجودگی ریکارڈ کر لی گئی تھی۔ فرید کو قتل کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ میں اس طرح پولیس کی تفتیش کا رخ بدلنا چاہتا تھا۔ جب نرگس کی گمشدگی کی اطلاع تھانے پہنچتی تو تفتیش کے دوران یہ بات سامنے آتی کہ فرید کو قتل کر دیا گیا ہے تو لامحالہ پولیس کا دھیان نرگس کے منگیتر کی طرف جاتا کہ اس نے غیرت میں آ کر فرید کو قتل کر دیا ہے.....''

''دوسری طرف تم نے نعمت بی بی کے گھر کا بیرونی دروازہ کھلا چھوڑ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جیسے نرگس' فرید کو قتل کر کے کہیں فرار ہو گئی ہو.....'' میں نے نفرت بھرے انداز میں اس شاطر مجرم کو گھورا۔ ''میں صحیح کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی.....'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں اس معاملے کو اس قدر الجھا دینا چاہتا تھا کہ کسی کا بھی دھیان میری طرف نہ جائے۔''

''تم مجھے ایک نفسیاتی مریض لگتے ہو۔'' میں نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا اور بڑے وثوق سے کہا۔ ''اور اس کے ساتھ ہی تم انتہائی بزدل انسان بھی ہو.....''

وہ حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''بزدل کیوں جی.....؟''

''اگر تم جی دار اور ہمت والے ہوتے تو نرگس کو حاصل کرنے کے لئے اتنا لمبا چوڑا چکر نہ چلاتے کہ جس میں ہر لمحے اس بے چاری کی زندگی اور عزت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے' اگر تم دونوں کے خاندان اس شادی پر تیار نہیں تھے اور تم دونوں ایک دوسرے کے بغیر بھی نہیں رہ سکتے تھے تو پھر مرد کے بچے بنتے اور نرگس کو اپنے زور

بازو پر بھاگ لے جاتے۔ تم نے جس کردار کا مظاہرہ کیا ہے' اس سے تو مجھے تمہاری مردانگی پر شک ہونے لگا ہے۔''

وہ کچھ نہیں بولا اور گردن جھکا دی۔

نرگس نے نفرت بھری نظر سے عرفان کو گھورا اور غراہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ ''اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم اندر سے اتنے بودے اور کمینے ہو تو میں تمہاری باتوں میں کبھی نہ آتی۔ اب میں تمہارے ساتھ ایک پل بھی نہیں رہوں گی.....''

''ساتھ رہنے کی نوبت آئے گی تو پل' گھنٹے یا ماہ و سال کا حساب کرو گی نا۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''یہ تمہارا عاشق تو یہاں سے سیدھا جیل جائے گا۔ تم نے ایک کمزور بلکہ بیمار گھوڑے پر داؤ لگا کر زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔''

وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی.....

***

پردہ نشین

وہ ایک ٹھٹھرتی ہوئی گھپ اندھیری رات تھی۔ میں معمول کے کاموں سے فارغ ہو کر سونے کے لئے لیٹا تو دستک کی آواز سن کر چونک اٹھا۔ اس وقت رات کے دس بجے کا عمل تھا۔ موسم کی مناسبت سے اتنی رات گئے کسی کا میرے کوارٹر کے دروازے پر دستک دینا کسی خطرناک اطلاع کے آثار ہی تھے۔ بہرحال میں نے گرم بستر چھوڑا اور ٹھنڈے ٹھار صحن میں سے گزر کر کوارٹر کے بیرونی دروازے پر پہنچا۔ زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ شبینہ ڈیوٹی والے عملہ میں سے کوئی آیا ہوگا۔

دروازہ کھولنے سے پہلے میں نے احتیاطاً پوچھ لیا۔ ''کون ہے بھئی؟''

میں توقع کر رہا تھا کہ جواب میں کوئی مردانہ آواز سنائی دے گی' لیکن کیا مردانہ' کیا زنانہ..... کوئی آواز میری سماعت تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوئی۔ میں نے دوبارہ قدرے بلند آواز میں پکارا۔

''اتنی رات کو کون آیا ہے بھئی.....؟''

اس مرتبہ بھی میری آواز صدا بہ صحرا ہی ثابت ہوئی۔ باہر بدستور خاموشی طاری تھی۔ ایسی بات نہیں تھی کہ میں دروازہ کھولتے ہوئے کسی قسم کا ڈر یا خوف محسوس کر رہا تھا' جب میری دوسری پکار بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی تو میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔

باہر مجھے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ تاحد نگاہ تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ میں نے گھور گھور کر اندھیرے میں کسی انسانی چہرے کو تلاش کرنے کی کوشش کی' لیکن مجھے اپنی اس کوشش میں ناکامی کا منہ ہی دیکھنا پڑا۔

میرا سرکاری کوارٹر تھانے کے عقبی حصے میں بنا ہوا تھا' اس کے بعد دور تک سرسبز و شاداب

کھیتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ میں نے تھوڑی سی مٹر گشت کر کے کوارٹر کے دونوں پہلوؤں میں اچھی طرح جھانک کر دیکھ لیا' لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ جی میں ایک خیال یہ بھی آیا کہ تھانے کے اندر جا کر صورت حال کا جائزہ لیتا ہوں' لیکن پھر میں نے فوراً ہی اس خیال کو مسترد کر دیا اور دروازے کو کنڈی لگا کر دوبارہ بستر میں گھس گیا۔

میں سونے کے لئے لیٹ تو گیا تھا' تاہم ذہن اسی دستک کی طرف لگا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لئے یہ سوچ بھی ذہن میں ابھری تھی کہ یہ میرا وہم بھی تو ہو سکتا ہے۔ اس رات برفیلی ہوائیں بھی چل رہی تھیں' ممکن ہے' کوارٹر کا دروازہ ہوا کے جھونکے سے بجا ہو۔

میں اس سوچ پر چند لمحے بھی نہیں رک پایا تھا' کیونکہ میں اس آواز کو ہوا کی کارستانی سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ہوا کی وجہ سے دروازہ بجنا اور کسی انسان کے ہاتھ کی دستک میں نمایاں فرق ہوتا ہے اور میں نے بڑی واضح دستک کی آواز سنی تھی۔

میں اپنے دماغ میں بکھری مختلف النوع سوچوں سے کافی دیر تک الجھتا رہا' پھر پتا نہیں کس وقت میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح' پچھلی رات کے موسمی تاثرات ہی کا عکس تھا۔ سورج کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آتا تھا۔ گہری دھند نے فضا کی ہر شے کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا تھا۔ بہ قول شخصے' ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ دھند کا سلسلہ گزشتہ کئی روز سے جاری تھا۔ اگرچہ دن کے وسطی حصے میں کبھی کبھار سورج اپنی موجودگی دکھا دیتا تھا' لیکن اس کی تمازت ماحول کے حصے میں نہیں آتی تھی۔ ان دنوں ہر شے شدید سردی کی لپیٹ میں تھی۔ وہ جنوری کا مہینہ تھا اور لگتا تھا' اب ہمیشہ جنوری ہی رہا کرے گا۔

میں نے حسب معمول ناشتہ اپنے کوارٹر میں کیا' پھر تیار ہو کر تھانے پہنچ گیا۔ صبح جب میں بیدار ہوا تو رات والا واقعہ میرے ذہن میں تازہ تھا اور اب وہ سوچ کے رتھ پر سوار ہو کر میرے ساتھ ہی تھانے آ گیا تھا۔

میں نے اپنے کمرے میں پہنچ کر شبینہ ڈیوٹی والے اے ایس آئی کو اپنے پاس بلا لیا۔ مطلوب حسین میرے سامنے آ کر ایک کرسی پر بیٹھ چکا تو میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''رات کیسی گزری مطلوب حسین.....؟''

''بڑی اچھی جناب.....!'' اس نے جواب دیا۔

''تھوڑی بہت نیند بھی لی یا ساری رات آنکھوں وہی میں کاٹ دی؟''

''رات کے آخری پہر دو تین گھنٹے کے لئے سویا تھا جناب!'' اس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بتایا۔ ''پھر اذان کے ساتھ ہی آنکھ کھل گئی تھی۔''

''رات کے آخری پہر.....'' میں نے اس کے کہے ہوئے الفاظ میں سے ایک ٹکڑا زیر لب دہرایا' پھر پوچھا۔

''آدھی رات کے تو بعد ہی سوئے ہو گے تم؟''

''جی بالکل.....'' وہ الجھن زدہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں لگ بھگ دو بجے سونے کے لئے لیٹا تھا۔''

''ہوں.....'' میں نے پُرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا پھر پوچھا۔ ''رات تھانے کے اندر تو سب خیر خیریت رہی تھی نا.....کوئی ناخوشگوار واقعہ تو پیش نہیں آیا تھا؟''

''بالکل نہیں ملک صاحب!'' اس کے تجسس کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ''ادھر تو سب امن امان ہی رہا ہے۔'' یہ آپ آج روٹین سے ہٹ کر کیوں باتیں کر رہے ہیں؟ پہلے تو آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔''

''پہلے کبھی میرے ساتھ بھی تو ایسا نہیں ہوا ہے نا۔'' میں نے کہا۔

''آپ کے ساتھ ایسا کیا ہو گیا ہے ملک صاحب؟'' اس نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

اس کے استفسار کے جواب میں' میں نے مختصر مگر جامع الفاظ میں اسے رات والے ''دستکی'' واقعہ سے آگاہ کر دیا۔ اے ایس آئی مطلوب حسین نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور سرسری انداز میں بولا۔

''ملک صاحب! رات کو کافی ٹھنڈی اور تیز ہوائیں بھی تو چل رہی تھیں' ہو سکتا ہے آپ کی سماعت کو دھوکا ہوا ہو۔ ہوا کے دباؤ سے بجنے والے دروازے کی آواز کو آپ نے دستک کی آواز سمجھ لیا ہو۔''

''ایسا خیال ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں بھی آیا تھا مطلوب حسین!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن اگلے ہی لمحے میں نے اس خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا کیونکہ.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے گہری نظر سے اے ایس آئی کو دیکھا پھر جملہ مکمل کرتے

ہوئے کہا۔ ''کیونکہ میری سماعت ہوا سے بجنے والے دروازے اور دستک کی مخصوص آواز میں بہ خوبی فرق کرنا جانتی ہے۔''

اے ایس آئی نے مجھ سے الجھنے کے بجائے بڑے تحمل سے کہا۔ ''پھر آپ کے خیال میں وہ کون ہوسکتا ہے؟''

''اگر میرا خیال اس سلسلے میں رہنمائی کر دیتا تو اس وقت میں تم سے سوال جواب نہیں کر رہا ہوتا مطلوب حسین۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

''میرا تو ذہن ہی کام نہیں کر رہا جناب!'' وہ بے بسی کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے بڑی عجیب وغریب کہانی سنائی ہے۔''

''تمہارا ذہن شاید اس وقت ایک بھرپور نیند کا تقاضا کر رہا ہے مطلوب حسین!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس لئے تم گھر جا کر آرام سے سو جاؤ۔''

وہ میرے حکم کی تعمیل میں فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اثبات میں گردن ہلا کر اسے جانے کی اجازت دے دی۔ اس نے مجھے سلیوٹ کیا اور پھر کمرے سے نکل گیا۔

ان دنوں میں ایک چھوٹے سے قصبے فیروز آباد کے تھانے میں بطور انسپکٹر تعینات تھا اور اس تھانے کا چارج مکمل طور پر میرے پاس تھا' لہٰذا میں تھانہ انچارج اور تھانے دار بھی کہلاتا تھا۔ تھانے کا عملہ مختصر سا تھا۔ میرے علاوہ ایک اے ایس آئی مطلوب حسین' ایک حوالدار رجب علی اور چار کانسٹیبلز اصغر علی' امین' آصف اور عمران اس عملے کا حصہ تھے۔ ان میں سے مطلوب حسین اور کانسٹیبل امین مقامی تھے' یعنی ان کا تعلق فیروز آباد ہی سے تھا' اسی لئے میں نے اے ایس آئی کو گھر جا کر آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ قصبہ چھوٹا سا تھا' تھانہ محدود سا اور عملہ مختصر سا تھا اور اسی ''سا' سا سا'' کے ساتھ مجھے تھانے داری کرنا تھی۔

اے ایس آئی مطلوب حسین کو میرے کمرے سے نکلے بہ مشکل پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ کانسٹیبل امین گھبرایا ہوا میرے پاس آیا۔ میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''کیا ہو گیا ہے بھئی.....؟''

''ملک صاحب! قتل کی ایک واردات ہو گئی ہے جناب.....'' اس نے چڑھی ہوئی سانس

کے ساتھ بتایا۔

''کہاں.....؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''ادھر کھیتوں میں.....'' اس نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے کوارٹر کے پچھواڑے.....''

تھانے کے پچھواڑے میرا کوارٹر واقع تھا اور میرے کوارٹر کے پچھواڑے لہلہاتے ہوئے سرسبز کھیت۔ میں نے کانسٹیبل کی گھبراہٹ کے پیش نظر جلدی سے پوچھا۔

''قتل کون ہوا ہے.....؟''

میں بظاہر کانسٹیبل امین سے سوال وجواب کر رہا تھا' لیکن لاشعوری طور پر میں اس معاملے کو رات والے دستکی واقعات کے ساتھ نتھی کرنے میں مصروف تھا اور لاشعوری طور پر ہی مجھے کنفرم بھی ہو گیا تھا کہ یہ دونوں واقعات کسی ایک ہی سنسنی خیز سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

''وہ کوئی نوجوان عورت ہے جناب.....!'' کانسٹیبل نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''گوری چٹی اور خوبصورت عورت.....''

''کیا تم اس عورت کی لاش بھی دیکھ آئے ہو؟'' میں نے اسے گھورا۔

''نہیں جناب! مجھے تو خادم حسین نے بتایا ہے۔''

''خادم حسین کون.....؟''

''جس کے کھیت میں قتل کی واردات ہوئی ہے۔'' کانسٹیبل نے جواب دیا۔

''وہی اس واقعہ کی اطلاع دینے آیا ہے جناب۔ خادم حسین باہر برآمدے میں بیٹھا ہوا ہے۔''

''اسے فوراً میرے پاس لے آؤ.....'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

کانسٹیبل امین نے فوراً سے پیشتر میرے حکم کی تعمیل کر دی۔

اگلے ہی لمحے زمیندار خادم حسین میرے سامنے تھا۔

***

خادم حسین قصبہ فیروز آباد کا ایک چھوٹا زمیندار تھا' جس کے پاس صرف پانچ ایکڑ زرعی اراضی تھی۔ ان پانچ میں سے چار ایکڑ پر وہ موسم کی مناسبت سے مختلف اناج اگایا کرتا تھا اور ایک ایکڑ اس نے اپنے شوق کے لئے مختص کر رکھا تھا۔ پانچویں ایکڑ جس میں اس نے چار آم

کے دو جامن کے دو شہتوت کے دو امرود کے دو کینو کے اور دو انار کے پیڑ لگا رکھے تھے۔ باقی بچ رہنے والی زمین پر اس نے مختلف سبزیاں کاشت کر رکھی تھیں۔ وہ فروٹ سبزی اور مختلف اناج کے حوالے سے خود کفیل تصور کیا جاتا تھا۔

میں کانسٹیبل امین کو اپنے ساتھ رکھ کر خادم حسین کے ساتھ فوراً جائے وقوعہ پر پہنچ گیا تھا۔ درجن بھر سے زیادہ افراد پہلے سے وہاں موجود تھے۔ میں نے سب کو ایک طرف ہٹایا اور مذکورہ نوجوان عورت کی لاش کے قریب چلا گیا۔

کانسٹیبل امین نے غلط نہیں بتایا تھا۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق اس کی عمر پچیس اور ستائیس کے درمیان کہیں کھڑی تھی۔ اسے گردن کاٹ کر بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اس نے سرخ رنگ کا گرم جوڑا پہن رکھا تھا جو جگہ جگہ سے اپنی تباہی و بربادی کی داستان سنا رہا تھا۔ اس کے بدن کے بعض حصے قابل اعتراض حد تک کھلے ہوئے تھے۔ اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش تلاش نہیں کی جا سکتی تھی کہ موت کے گھاٹ اتارنے سے قبل کسی کھلونے کے مانند اس کے بدن سے کھلواڑ کیا گیا تھا۔ وہ ایک سو ایک فیصد اس دنیا سے اس دنیا میں منتقل ہو چکی تھی۔

میں اکڑوں بیٹھ کر لاش کا معائنہ کرنے لگا۔

پہلی ہی نظر میں ایک چبھتی ہوئی حقیقت نے مجھے چونک دیا۔ اس زمین نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کر لی جہاں اس عورت کی لاش پڑی تھی اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ زمین کا وہ حصہ خون کے آثار سے قطعی پاک تھا۔ کسی شخص کی گردن کاٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا جائے اور اس کے بدن سے خون کا ایک قطرہ نہ ٹپکے..... یہ تو ایسے ہی تھا جیسے یونائیٹڈ اسٹیٹس کا کیپٹل ٹوکیو یا بندر کے بارہ سینگ.....''

مذکورہ عورت کو جتنی بے دردی اور سفاکی سے قتل کیا گیا تھا اس کے نتیجے میں تو اس بدنصیب کے نرخرے سے خون کا ایک فوارہ پھوٹ جانا چاہئے تھا لیکن اس کھیت کی زمین اپنے سینے پر ایک بوند کی تمغا بھی نہیں سجائے ہوئے تھی۔ اس کا صرف اور صرف ایک ہی مطلب تھا اور وہ یہ کہ اس بدبخت عورت کو کسی اور مقام پر قتل کیا گیا تھا اور بعد ازاں اسے اٹھا کر خادم حسین کے کھیت میں پھینک دیا گیا تھا وہ کھیت جس کی بیشتر فصل کاٹی جا چکی تھی۔ اس کی لاش فصل سے پاک زمین پر پڑی تھی۔

''تم میں سے کوئی شخص اس عورت کو جانتا ہے؟'' میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور وہاں موجود لوگوں کے چہروں کو باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کون ہے یہ.....؟''

کسی جانب سے اثبات میں جواب نہیں آیا۔ میرے سوال پر بیشتر افراد کی گردنوں نے نفی میں حرکت کی تھی اور یہی انکار بعض کی زبان سے بھی سننے کو ملا جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ اس بدنصیب مقتولہ کا تعلق قصبہ فیروز آباد سے نہیں تھا۔

میں نے اس کھیت کے مالک خادم حسین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''خادم حسین! کہیں سے چادر کا بندوبست کرو اور پہلی فرصت میں اس لاش کو ڈھانپ دو۔''

خادم حسین میرے حکم کی تعمیل میں ایک طرف گیا اور دو منٹ کے بعد وہ ایک گرم شال کے ساتھ واپس آ گیا۔ میں نے خادم حسین کی مدد سے مقتول کی لاش کو ڈھک دیا اور اتمام حجت کے طور پر ایک مرتبہ پھر وہاں موجود لوگوں سے اس کے بارے میں استفسار کیا لیکن اس بار بھی کوئی نیا جواب سامنے نہیں آیا جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس عورت کی بدبختی اسے کہیں اور سے اٹھا کر فیروز آباد لے آئی تھی۔

اس مقتول عورت کو کوئی جانتا تھا یا نہیں لیکن مجھے تو موقع کی کارروائی مکمل کرنا تھی۔ یہ تحقیق اور تفتیش بعد کے مراحل تھے کہ وہ کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی اور اسے کس نے قتل کیا تھا.....؟

دیگر لوگوں کے علاوہ کانسٹیبل امین نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی تھی کہ وہ طرح دار عورت موضع فیروز آباد کی رہنے والی نہیں تھی۔ اس نے پہلے کبھی اس عورت کو قصبے میں نہیں دیکھا تھا۔

میں نے ضروری کارروائی سے نمٹنے کے بعد مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے امین کی نگرانی میں ضلع ہسپتال بھجوا دیا پھر اس کھیت کے مالک خادم حسین سے سوال و جواب میں مصروف ہو گیا۔

ایک بات کا ذکر کرنا میں بھول گیا اور وہ یہ کہ آلہ قتل کی تلاش میں بھی میں نے جائے وقوعہ اور اس کے آس پاس کا علاقہ اچھی طرح دیکھ ڈالا تھا لیکن میری توقع کے عین مطابق آلہ قتل مجھے کہیں بھی پڑا نہیں ملا تھا۔ مجھے اس بات کا تو سو فیصد یقین تھا کہ اس عورت کو کسی اور جگہ پر موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد یہاں لا کر کھیتوں میں پھینک دیا گیا تھا لہٰذا آلہ قتل کا جائے

وقوعہ پر پایا جانا بعید از قیاس ہی تھا۔ البتہ ایک بات طے تھی کہ اسے کسی تیز دھار آلے کی مدد سے قتل کیا گیا تھا۔ مثلاً کسی خنجر یا چھری سے۔

خادم حسین کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ وہ مضبوط ہاتھ پاؤں کا مالک ایک دراز قامت شخص تھا۔ رنگت گہری گندمی' مگر سانولی ہرگز نہیں تھی۔ پچاس کا ہندسہ عبور کرنے کے باوجود بھی وہ صحت مند' توانا اور چاق و چوبند دکھائی دیتا تھا اور اس صحت و تندرستی کا واحد راز تھا' محنت اور مشقت۔ وہ زمینداری کے کام میں کسی کی مدد نہیں لیتا تھا' بلکہ اپنے کھیتوں کے تمام زرعی معاملات وہ خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتا تھا۔

میں نے خادم حسین سے پوچھا۔ ''چاچا! تم نے اس عورت کی لاش کو کب دریافت کیا تھا..... میرا مطلب ہے' تم نے اسے کب دیکھا تھا؟''

''جناب! میں دریافت کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اور جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے تو..... اس عورت کی لاش کو سب سے پہلے دینو کمہار نے دیکھا تھا۔''

''یہ دینو کمہار کون ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''دینو کا اصل نام دین محمد ہے جی!'' خادم حسین وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ ادھر قصبے ہی میں رہتا ہے جناب!''

''کیا دینو اس وقت یہاں موجود ہے؟''

جواب دینے کے بجائے اس نے وہاں موجود لوگوں پر ایک متلاشی نگاہ ڈالی' پھر ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''جی..... دینو وہ ادھر کھڑا ہے۔''

میں نے خادم حسین کے اشارے کا نگاہی تعاقب کیا اور بہ آواز بلند پکارا۔ ''دینو بابا! یہاں آ جاؤ۔''

اگلے ہی لمحے میرا اندازہ کچھ غلط ثابت ہو گیا' جب دو درجن افراد کے مجمع میں سے ایک سانولا سا نوجوان نکل کر میری جانب قدم بڑھانے لگا۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ دینو کمہار اچھی خاصی عمر کا کوئی بندہ ہوگا' جبھی میں نے اسے ''دینو بابا'' کہہ کر اپنے پاس بلایا تھا۔ بہرحال' کبھی کبھی انسان کا اندازہ الٹ بھی جاتا تھا۔

میں نے خادم حسین کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے سوال کیا۔ ''جب تمہیں دینو نے اس

عورت کی لاش کے بارے میں بتایا اس وقت تم کہاں تھے؟''

''میں گھر سے نکل کر اپنے کھیتوں کی طرف آ رہا تھا جناب عالی!'' وہ مجھے تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔ ''آج کل میں اپنی فصل کی کٹائی میں لگا ہوا ہوں۔ کل ایک کھیت میں کٹائی کا کام ادھورا چھوڑ گیا تھا' میں اسے مکمل کرنے کے لئے ہی آیا تھا' لیکن ابھی میں اپنے کھیتوں سے دو تین سو گز دور ہی تھا کہ اسی جانب سے میں نے دینو کمہار کو آتے ہوئے دیکھا.....'' وہ سانس درست کرنے کے لئے متوقف ہوا' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''یہ مجھے بہت گھبرایا ہوا لگ رہا تھا۔ میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی یہ بول پڑا اور اس نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ مجھے بتایا کہ ادھر میرے کھیتوں میں کسی عورت کی گردن کٹی لاش پڑی ہے۔ میں اس کے ساتھ اپنے کھیتوں میں پہنچ گیا اور پھر میں نے اپنی آنکھوں سے اس بدنصیب عورت کی لاش دیکھ لی۔''

''پھر تم نے کیا' کیا؟'' وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو میں نے پوچھ لیا۔

''جناب! میں تو بہت پریشان ہو گیا تھا۔'' خادم حسین نے جواب دیا۔ ''اس وقت جتنے بھی لوگ آس پاس کے کھیتوں میں کام کر رہے تھے' وہ جمع ہو گئے اور ہم سب اس عورت کی دردناک موت کے بارے میں تبادلہ خیالات کرنے لگے۔ وہ ہم سب کے لئے قطعی اجنبی تھی۔ ہم میں سے کوئی بھی اسے جانتا یا پہچانتا نہیں تھا۔ اس واقعہ کی خبر گاؤں کے اندر بھی پہنچ گئی تھی اور لوگ عورت کی لاش دیکھنے کے لئے کھیتوں میں آنے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہاں اچھا خاصا رش لگ گیا۔ اسی وقت کسی ہمدرد نے مجھے مشورہ دیا.....'' یہاں تک بتانے کے بعد خادم حسین نے لمحاتی توقف کیا' پھر ایک گہری سانس چھوڑنے کے بعد بولا۔

''اس نے سمجھانے والے انداز میں مجھے مشورہ دیا کہ میں فوراً تھانے جا کر اس واقعے کی اطلاع دوں۔ عورت کی لاش میرے کھیتوں میں پڑی ہے۔ اگر میں نے تھانے میں رپورٹ نہ کی تو الٹا کسی وبال میں آ جاؤں گا۔ بس جناب! پھر میں تھانے پہنچ گیا۔''

''یہ نیک مشورہ دینے والا تمہارا ہمدرد کون تھا؟'' میں نے دریافت کیا۔

اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ''جناب! اس وقت تو مجھے یاد نہیں آ رہا۔''

''ٹھیک ہے.....'' یہ کہتے ہوئے میں دینو کمہار کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''جب یاد آ جائے تو مجھے بتا دینا خادم حسین۔''

''اچھا جی.....'' وہ اثبات میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

دین محمد عرف دینو کمہار کی عمر بیس اور پچیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ ایک بھاری بھرکم اور سانولا نوجوان تھا۔ اس کے سر کے بال گھونگھریالے تھے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں بھئی دینو! تم صبح ہی صبح خادم حسین کے کھیتوں میں کیا کر رہے تھے؟''

''میں جی..... خادم حسین کے کھیتوں کی طرف تو موتی کی وجہ سے گیا تھا' ورنہ میرا وہاں کیا کام.....'' اس نے جواب دیا۔

''موتی کی وجہ سے.....؟'' میں نے زیرلب دہرایا۔

''یہ کون ہے بھئی؟''

''موتی میرے کتے کا نام ہے تھانے دار صاحب!''

''اچھا..... تو وہ کتا تمہیں خادم حسین کے کھیتوں میں لے گیا تھا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں اسے گھورا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''بات دراصل یہ ہے جناب کہ جب سے ابا کو فالج کا اٹیک ہوا ہے' دریا سے مٹی نکالنے کی ذمہ داری میرے سر پر آ گئی ہے۔ میں اپنے کھوتے (گدھے) اور کتے کے ساتھ صبح صبح مٹی نکالنے دریا کی طرف جا رہا تھا۔ جب میں خادم حسین کے کھیتوں کے قریب سے گزرا تو موتی نے بھونکنا شروع کر دیا۔ میں نے دو چار دبکے مار کر اسے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی' لیکن وہ خادم حسین کے کھیتوں کی جانب منہ اٹھا کر مسلسل بھونکے جا رہا تھا۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی دھند کے باعث خادم حسین کے کھیتوں کا منظر واضح نظر نہیں آ رہا تھا' لیکن میں جانتا تھا کہ موتی خوامخواہ یہ حرکت نہیں کر رہا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ کسی خاص وجہ سے میری توجہ ادھر کروانا چاہتا ہے۔ آپ تو جانتے ہیں تھانے دار صاحب..... بے زبان جانوروں کی حس ہم انسانوں سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔''

''ہاں' بالکل جانتا ہوں۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اور بے زبان جانوروں میں بھی کتے کی سونگھنے اور سننے کی حس انسانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔''

''تو بس جناب! میں موتی کے توجہ دلانے پر ہی خادم حسین کے کھیتوں کی طرف گیا۔'' وہ اپنا بیان مکمل کرتے ہوئے بولا۔ ''اور وہاں پہنچ کر موتی کے بھونکنے کی وجہ سمجھ آ گئی۔ وہ عورت

نیم برہنہ حالت میں کھیتوں میں پڑی تھی۔ اس کی حالت کو دیکھ کر میرے ذہن میں جو پہلا خیال آیا' وہ یہی تھا کہ اب وہ زندہ نہیں ہے۔''

''ایک خوبصورت اور دلکش عورت کو خادم حسین کے کھیتوں میں مردہ پڑے دیکھ کر تمہارے احساسات کیا تھے اور تم نے وہ دلخراش منظر دیکھ لینے کے بعد کیا' کیا تھا؟'' میں نے سوال و جواب کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

''جناب! اس عورت کی لاش کو دیکھ کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔'' وہ ایک جھرجھری لیتے ہوئے بولا۔ ''اور فوری طور پر میری سمجھ میں یہی آیا کہ مجھے دوسرے لوگوں کو اس کے بارے میں فوراً بتانا چاہئے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ آس پاس کے کھیتوں میں اِکا دُکا لوگ کام تو کر رہے تھے' لیکن دھند کے باعث ان کے ہیولے سے نظر آ رہے تھے۔ میں نے انہیں آواز دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ خادم حسین مجھے اپنی جانب بڑھتا دکھائی دیا۔ بس..... تو پھر میں نے سب سے پہلے اسے ہی عورت کی لاش کے بارے میں بتا دیا۔''

میں نے دینو کمہار کی نیت کو چیک کرنے کے لئے خاصے سخت لہجے میں کہا۔ ''دینو تم نے کہانی تو بہت عمدہ جوڑ لی ہے۔''

''جی..... کون سی کہانی؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''یہی جو ابھی تم نے مجھے سنائی ہے۔''

''جناب..... میں نے آپ سے ایک لفظ بھی جھوٹ یا غلط نہیں کہا۔'' وہ قدرے خفگی آمیز انداز میں بولا۔ ''جو کچھ پیش آیا ہے' وہی میں نے آپ کو بتایا ہے۔''

''لیکن میں تمہاری بات کا یقین کیسے کر لوں.....؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس عورت کو تمہی نے قتل کر کے یہاں پھینک دیا ہو؟''

''جناب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' وہ روہانسا ہو گیا۔ ''میں تو اس عورت کو جانتا تک نہیں۔''

''اسے تو یہاں پر کوئی بھی نہیں جانتا دینو!'' میں نے بہ دستور اسے شک زدہ نظر سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اس سے تمہاری بے گناہی کیسے ثابت ہوتی ہے؟''

''تھانے دار صاحب! جو سچ تھا وہ میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ آپ کی

مرضی ہے کہ میری بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔''

میرا پیشہ ورانہ تجربہ بتاتا تھا کہ وہ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق دینو اس عورت کے قتل میں ملوث نہیں ہو سکتا تھا' لیکن پھر بھی اسے اپنے دباؤ میں رکھنے کے لئے میں نے تنبیہی لہجے میں کہا۔

''دیکھو دینو! تمہاری بات کا یقین کر کے میں تمہیں چھوڑ تو رہا ہوں' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں نکالنا کہ میں نے تمہیں بے گناہ سمجھ لیا ہے۔ کسی مرحلے میں اگر مجھے تم پر ذرا سا بھی شک ہوا تو میں تمہیں پکڑ کر فوراً تھانے میں بند کر دوں گا۔''

''جی بالکل!'' وہ بڑے نڈر انداز میں بولا۔

''اور اس دوران میں تم اپنی آنکھیں' کان اور دماغ کے دروازے بھی کھلے رکھنا۔'' میں نے تاکیدی انداز میں کہا۔ ''اگر تمہیں اس اجنبی مقتولہ دوشیزہ کے بارے میں کہیں سے کوئی سن گن ملے تو فوراً آ کر مجھے بتانا۔''

''جی..... میں وہی کروں گا' جیسا آپ کہہ رہے ہیں۔'' اس نے بڑی فرماں برداری سے کہا۔

میں نے مزید دو تین سوالات کے بعد دین محمد عرف دینو کمہار کو فارغ کر دیا اور خود ٹہلتے ہوئے تھانے آ گیا۔

***

کسی قتل کی واردات میں جب مقتول اجنبی ہو اور علاقے کے لوگ اس کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتے ہوں تو قاتل تک رسائی کے لئے تفتیش کی گاڑی کو تقریباً بریک ہی لگ جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں عموماً کھرا نکالا جاتا ہے' تاکہ یہ پتا چلایا جا سکے کہ قاتل یا مقتول کن راہوں سے گزر کر جائے وقوعہ تک پہنچا ہوگا۔ کھوج کا یہ کام اکثر بڑے حوصلہ افزا نتائج لاتا ہے' لہٰذا نامعلوم حسین و جمیل مقتول کا کھوج لگانے کے لئے میں نے بھی یہی تفتیشی طریقہ اختیار کیا۔

میں نے دوپہر سے تھوڑی دیر پہلے ایک کانسٹیبل کو بھیج کر کھوجی اللہ رکھا کو تھانے بلا لیا۔ اس دوران میں میرا ذہن پراسرار دستک کو بھی ایک لمحے کے لئے نہیں بھولا تھا' جو رات کو میرے کوارٹر کے بیرونی دروازے پر سنائی دی تھی۔ مذکورہ دستک کا نامعلوم عورت کے بہیمانہ قتل سے کوئی تعلق تھا یا نہیں' لیکن یہ ضرور تھا کہ اس دستک نے گزشتہ رات ہی سے مجھے بے چین کر رکھا

تھا۔ میں اسی پریشانی کو ذہن میں لے کر سویا تھا اور اسی الجھن کے ساتھ بیدار ہوا تھا اور پھر جب میں تھانے میں آ کر بیٹھا تو یہ واقعہ سامنے آ گیا۔ کوئی آواز میرے اندر چپکے چپکے سے یہ سرگوشی کر رہی تھی کہ رات والی دستک کا اس اجنبی دلکش عورت کے قتل کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی تعلق جڑا ہوا تھا۔ کوئی بات واضح تھی اور نہ ہی میرے ہاتھ میں کوئی ثبوت تھا' لہٰذا قبل از وقت میں کوئی فتویٰ صادر کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے؟

کانسٹیبل اللہ رکھا کو لے کر تھانے پہنچا تو میں نے فوراً اسے اپنے پاس بلا لیا۔ کھوجی بابا اللہ رکھا کی عمر پینسٹھ کے اریب قریب تھی۔ وہ درمیانے قد کا مالک ایک مستعد بوڑھا تھا۔ اس نے چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی بھی رکھ چھوڑی تھی' جو اس کے چہرے پر بڑی بھلی نظر آتی تھی۔ اسکی ڈاڑھی اور سر کے بال مکمل سفید ہو چکے تھے۔ اللہ رکھا نے پاپلین کا کرتہ اور تہبند زیب تن کر رکھا تھا اور اپنے سینے کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے اس نے اوپر نیچے دو اونی سویٹر پہن رکھے تھے' یعنی ایک کرتے کے اوپر اور دوسرا کرتے کے نیچے۔

میں نے نہایت ہی مختصر اور جامع الفاظ میں اللہ رکھا کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''سو باتوں کی ایک بات..... قاتل کا کھرا نکالنا ہے نا جناب!''

''بالکل..... اللہ رکھا! میں نے اسی مقصد کے لئے تمہیں تھانے بلایا ہے۔''

''کل ملا کر معاملہ یہ ہے کہ ہم جائے وقوعہ پر چلتے ہیں۔'' وہ پُرعزم لہجے میں بولا۔ ''پھر دیکھتے ہیں' حالات اور قدرت کیا رنگ دکھاتے ہیں؟''

''اللہ رکھا! تمہیں یہ تو احساس ہو گیا ہوگا کہ یہ کتنا حساس معاملہ ہے؟'' میں نے سوالیہ نظر سے کھوجی بابا کی طرف دیکھا۔

''آپ فکر ہی نہ کریں جناب!'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''اور اس سلسلے میں جو بھی حقائق سامنے آئیں' انہیں راز میں رکھنے کی ضرورت ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ معاملات صرف ہم دونوں کے بیچ میں رہیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری تحقیق کے نتائج سے قاتل فائدہ اٹھا کر معاملات کو بگاڑ دے یا حالات و واقعات کو الجھ کر رکھ دے۔''

''میرا سینہ بہت وسیع اور گہرا ہے ملک صاحب!'' وہ اپنے سینے کو تھپکتے ہوئے بولا۔ ''اس

کنویں میں بڑے بڑے عظیم راز دفن ہیں جناب۔''

میں مطمئن ہو کر اٹھا اور اللہ رکھا کو اپنے ساتھ لے کر جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔

''اللہ آپ کا بھلا کرے ملک صاحب!'' وہ کام کا آغاز کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے خدمت کا موقع دے کر مجھ پر بڑی نوازش کی ہے جناب' ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا' ان بوڑھی ہڈیوں کو بے کار پڑے پڑے زنگ ہی لگ جائے گا۔''

مخبر اور کھوجی ہر دور میں پولیس ڈیپارٹمنٹ کی ضرورت رہے ہیں۔ ہم لوگ گاہے بہ گاہے ان سے کام لیتے رہتے تھے۔ یہ لوگ بڑے کام کے ہوتے ہیں۔ جب کبھی تفتیش کی گاڑی کسی بند گلی میں جا پھنستی ہے تو یہی لوگ اپنے تجربے اور مہارت کا دھکا لگا کر اسے سڑک پر لاتے ہیں۔ ان کی اہمیت اور افادیت سے کسی بھی صورت انکار ممکن نہیں۔

اللہ رکھا دس منٹ تک جائے وقوعہ اور اس کے گردونواح کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ کبھی کبھی جھک کر زمین کو دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کا فن تھا لہٰذا میں خاموش تماشائی بنا اس کی حرکات وسکنات کا نوٹس لیتا رہا۔ کوئی پندرہ منٹ کے بعد وہ میرے پاس آیا اور بڑے حتمی لہجے میں بولا۔

''ملک صاحب! چونکہ صبح بہت سارے لوگ جائے وقوعہ پر جمع ہو گئے تھے' لہٰذا یہاں درجنوں قدموں کے چھاپے آپس میں گڈمڈ ہو چکے ہیں' لیکن میں نے پھر بھی کام کی ایک بات پتا چلا لی ہے۔''

''کام کی بات.....'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''وہ کیا اللہ رکھا؟''

''انسان کے متعدد قدموں کے کھرے کے علاوہ مجھے یہاں ایک جانور کا کھرا بھی ملا ہے ملک صاحب!'' وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں بولا۔

اللہ رکھا کی بات سن کر میرا دھیان لامحالہ دینو کمہار کی طرف چلا گیا۔ آج صبح اسی نے نامعلوم عورت کی لاش دریافت کی تھی اور اس کے ساتھ دو جانور بھی تھے۔ میں نے اسی تناظر میں اللہ رکھا سے استفسار کیا۔

''گدھے یا کتے کا کھرا.....؟''

''نہیں جناب!'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''ان دونوں میں سے کسی کا نہیں۔''

''پھر.....؟'' میری حیرت الجھن میں بدل گئی۔

وہ بڑے پُراعتماد انداز میں بولا۔ ''میں گھوڑے کے کھرے کی بات کر رہا ہوں ملک

صاحب!''

''گھوڑے کا کھرا؟'' میں سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''جی ہاں۔'' اس نے بڑے وثوق سے سر کو اثباتی جنبش دی اور بتایا۔ ''کوئی گھڑسوار یہاں تک آیا تھا اور یہاں سے واپس بھی گیا تھا۔''

میں بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔ ''وہ کہاں سے آیا تھا اور واپس کدھر چلا گیا؟''

''اس کا پتا تو میں ابھی چلا لیتا ہوں جناب کیونکہ میں نے اس گھوڑے کا کھرا اچھی طرح پکڑ لیا ہے۔'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔

''جب گھوڑے کا کھرا پکڑا گیا ہے تو پھر گھڑسوار بھی پکڑا ہی جائے گا۔'' میں نے اللہ رکھا کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تمہارے چہرے پر الجھن کیوں پھیلی ہوئی ہے.....کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔''

''کوئی پریشانی نہیں ملک صاحب!'' وہ تسلی بھرے انداز میں بولا۔ ''کل ملا کر یہ سمجھ لیں کہ گھوڑے کا کھرا مجھے ایک نئے زاویے پر سوچنے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔''

''کون سا نیا زاویہ اللہ رکھا؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''سو باتوں کی ایک بات ملک صاحب!'' وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میرا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جب گھوڑا اس طرف آیا تو اس پر دو افراد سوار تھے اور جب وہ یہاں سے واپس گیا تو اس کی پیٹھ پر صرف ایک ہی سوار تھا۔''

''کل ملا کر.....سو باتوں کی ایک بات..... حالات اور قدرت کیا رنگ دکھاتے ہیں۔''

جیسے جملے اللہ رکھا اپنی گفتگو میں عام استعمال کرتا تھا' جو کسی حد تک اس کے تکیہ کلام کی حیثیت رکھتے تھے' لیکن ان لمحات میں ایسے جملوں پر دھیان دینے کا ٹائم نہیں تھا میرے پاس۔ اس نے جو تازہ ترین انکشاف کیا تھا وہ میرے ذہن کو جھنجوڑنے کے لئے کافی تھا' لہٰذا میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''یہ بات تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو اللہ رکھا؟''

''گھوڑے کے پاؤں کے مخصوص دباؤ کی بنا پر جناب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اس جانب آتا ہوا کھرا بتاتا ہے کہ گھوڑے پر ایک سے زیادہ افراد سوار تھے اور یہاں سے واپس جاتا ہوا کھرا ایک سوار کی نشاندہی کر رہا ہے۔ جاتے ہوئے کھرے کی نسبت آنے والا کھرا ڈبل

دباؤ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔''

''ٹھیک ہے اللہ رکھا!'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اب تم جلدی سے یہ پتا چلانے کی کوشش کرو کہ وہ ڈبل گھڑ سوار گھوڑا کہاں سے آیا تھا اور یہاں سے سنگل گھڑ سوار گھوڑا بن کر کہاں چلا گیا ہے؟''

''ابھی پتا چلاتا ہوں سرکار!'' وہ پُرعزم انداز میں بولا۔ ''آگے حالات وقدرت کیا رنگ دکھاتے ہیں' یہ بھی سامنے آ ہی جائے گا۔''

اپنی بات ختم کرتے ہی وہ بڑے ماہرانہ انداز میں کام میں جت گیا۔

مزید ایک گھنٹے کی تحقیق وجستجو کے بعد کھوجی بابا نے جو سنسنی خیز انکشافات کئے وہ سننے اور بتانے سے تعلق رکھتے تھے' لیکن اس سے پہلے میں اس لوکیشن کی وضاحت کرنا چاہوں گا' جہاں کی چھان پھٹک کے بعد اللہ رکھا نے اپنا تحقیقی بیان جاری کیا تھا۔

آگے بڑھنے سے قبل ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ اب کھوجی کا کہیں ذکر نہیں آئے گا۔ اس کا کام ختم ہو گیا تھا۔ اس کیس میں مجھے جس حد تک اس کی تکنیکی مدد کی ضرورت تھی وہ اس نے مجھے فراہم کر دی تھی۔ اس معاملے کی الجھی ہوئی ڈور کا ایک سرا اللہ رکھا کے توسط سے میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔ زگ زیگ کرتے ہوئے دوسرے سرے تک رسائی حاصل کرنا اب میرا کام تھا اور مجھے یقین تھا' میں اپنا کام بہ طریق احسن انجام دے لوں گا۔ سنگل گھڑ سوار اور ڈبل گھڑ سوار کا ذکر سنتے ہی میرے ذہن میں تیز روشنی کا ایک جھماکا ہوا تھا اور میں پلک جھپکتے میں ایک حتمی نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔ اسی جھماکے کی ضیا پاشیوں سے آپ کو بھی منور کرتا ہوں۔

میرے خیال میں قاتل اس نامعلوم عورت کی لاش کو گھوڑے کی پیٹھ پر لاد کر جائے وقوعہ تک پہنچا تھا' پھر اس لاش کو خادم حسین کے کھیتوں میں پھینک کر واپس چلا گیا تھا۔ آپ اگر میرے ان الفاظ پر غور کریں تو سنگل دباؤ والا کھرا اور ڈبل دباؤ والا کھرا بہ آسانی آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔

تو میں آپ کو لوکیشن کے بارے میں بتا رہا تھا۔

جیسا کہ اس کہانی کی ابتداء میں اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان دنوں میں فیروز آباد نامی ایک چھوٹے سے قصبے کے ایک چھوٹے سے تھانے میں تعینات تھا۔ میرا تھانہ ایک کچی سڑک کے کنارے واقع تھا' جو شمالاً جنوباً رواں دواں رہتی تھی۔ فیروز آباد گاؤں لگ بھگ ڈیڑھ

گھروں کی ایک آبادی تھی جو لوکیشن کے اعتبار سے میرے تھانے کے عقب میں مشرق کی نب آباد تھا۔ تھانے اور گاؤں کے درمیان بہ مشکل آدھے میل کا فاصلہ رہا ہو گا' جو سرسبز و اداب کھیتوں کے قبضے میں تھا۔ گاؤں کے چودھری الٰہی بخش کی حویلی بھی گاؤں کے ایک نارے پر واقع تھی۔

تھانے سے لگ بھگ ایک فرلانگ (دو سو بیس گز) کے فاصلے پر جنوب میں ایک دریا بہتا ا۔ یہ دریا مشرق سے مغرب کی سمت رواں دواں تھا اور اسی دریا کے کنارے سے دینو کمہار مٹی لنے آیا کرتا تھا۔ آسانی کے لئے یوں سمجھ لیں کہ فیروز آباد گاؤں' میرا تھانہ' دریا اور کچی سڑک ے بیچ ایک سرے سے دوسرے سرے تک کھیلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور انہی کھیتوں میں دریا ے کنارے کے ساتھ ایک ڈیرا بھی بنا ہوا تھا' جو کہ چودھری الٰہی بخش کی ملکیت تھا۔ مذکورہ رے پر چودھری کا ملازم خاص رحم دین عرف رحمو رہتا تھا' جو چودھری کے چھوٹے موٹے موں کے علاوہ کاشت کاری کے امور کی نگرانی بھی کرتا تھا اور سب سے دلچسپ اور چونکا دینے ا بات یہ تھی کہ کھوجی بابا اللہ رکھا نے کھرے کی مدد سے جس گھوڑے کا سراغ لگایا تھا' وہ اسی رے سے چل کر جائے وقوعہ تک پہنچا تھا اور پھر جائے وقوعہ سے واپس اس ڈیرے پر آیا تھا۔

اس انکشاف نے میرے رگ و پے میں سنسناہٹ بھر دی تھی۔

***

غروب آفتاب سے چند منٹ پہلے کی بات ہے۔ اے ایس آئی مطلوب حسین ڈیوٹی پر آیا تو میں نے فوراً اسے اپنے کمرے میں بلا لیا۔ وہ اسی گاؤں کا رہنے والا تھا اور میں امید کر رہا تھا کہ جیسے ہی اسے خادم حسین کے کھیتوں سے اس عورت کی لاش ملنے کی خبر ہوگی' وہ دوڑا دوڑا میرے پاس چلا آئے گا' لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا' وہ حسب معمول اپنے مقررہ وقت پر ہی تھانے پہنچا تھا۔ اس کی اس ادا پر مجھے حیرت بھی ہوئی' جبھی میں نے اسے فوراً اپنے کمرے میں بلا لیا تھا۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ خوبصورت نامعلوم عورت کی دردناک موت والا قصہ کے گھر کی دہلیز سے نہ گزرا ہو۔

''ملک صاحب! یہ آج کیسا واقعہ پیش آ گیا ہے؟'' میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے سوال کر دیا۔

''تم تو ایسے مجھ سے پوچھ رہے ہو' جیسے تمہیں کچھ پتا ہی نہ ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شکوہ بھرے انداز میں کہا۔

''یقین کریں' مجھے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس واقعہ کا علم ہوا ہے۔'' وہ ایک دم بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ ''مطلوب حسین! کیا تم نے آج کا دن فیروز آباد سے باہر کہیں گزارا ہے؟''

''نہیں جناب! میں تو ادھر ہی تھا..... اپنے گھر میں۔''

''کمال ہے' پھر بھی تمہیں اتنے بڑے معاملے کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔''

''جناب! میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔''

''تمہارے گھر والوں میں سے کسی نے جگانے کی کوشش نہیں کی؟''

''گھر میں کوئی ہوتا تو یہ کوشش کرتا نا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے آنکھیں سکیڑ کر اسے گھورا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ملک صاحب! میری گھر والی بچوں کے ساتھ سسرال یعنی اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔ نیند کافی جمع ہو چکی تھی' میں تھانے سے جانے کے بعد ایسا پڑ کر سویا کہ کوئی آدھا گھنٹہ پہلے ہی میری آنکھ کھلی ہے۔'' وہ سانس ہموار کرنے کے لئے متوقف ہوا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے جیسے ہی پتا چلا کہ صبح خادم حسین کے کھیتوں میں سے کسی نامعلوم عورت کی لاش ملی ہے' میں آپ کی طرف آ گیا ہوں۔ یہ ہے کل کہانی جناب..... میں نے نہ تو دوپہر کا کھانا کھایا ہے اور نہ ہی ابھی گھر سے کچھ کھا کر نکلا ہوں۔''

''اب تم کل صبح ایک ساتھ ہی ناشتہ کرنا۔'' میں نے ذومعنی انداز میں کہا۔

''کیوں جی.....؟'' وہ تعجب خیز نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''کیونکہ میں ابھی تمہیں ایک اور مشن پر روانہ کرنے والا ہوں۔''

''کیسا مشن ملک صاحب!'' اس کی حیرت میں پریشانی بھی شامل ہو گئی۔

''اس مشن کو تم اس وقت تک نہیں سمجھ سکو گے جب تک میں تمہیں صبح والے واقعے کی تفصیلات سے نہ آگاہ کر دوں۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''سنو گے تو بھوک' پیاس اور نیند..... سب کچھ اڑن چھو ہو جائے گا۔''

وہ بڑی سنسنی خیز نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے ہمہ تن گوش ہو گیا۔

میں نے آئندہ پانچ منٹ میں اے ایس آئی مطلوب حسین کو تازہ ترین حالات سے آگاہی فراہم کی پھر کہا۔

''تمہیں ابھی اور اسی وقت ڈیرے کی جانب روانہ ہونا ہے۔ میں آدھے گھنٹے کے اندر چودھری کے خاص ملازم رحم دین عرف رحمو کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''تم اپنے ساتھ ایک آدھ کانسٹیبل کو بھی لے جاؤ تاکہ گرفتاری کے عمل میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہو۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکا' پھر ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

''تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی ملک صاحب! بڑی چنگی طراں سمجھ رہا ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''آدھا گھنٹہ تو آپ نے بہت بتایا ہے۔ میں انشاء اللہ اس سے پہلے ہی آپ کو خوشخبری سناؤں گا۔''

''اور جب تم کامیاب لوٹو گے تو میں بھی تمہیں ایک خوشخبری دوں گا۔'' میں نے معنی خیز نظر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ کوئی سوال کئے بغیر بڑی اطاعت مندی سے اٹھا اور میرے کمرے سے نکل گیا۔ ٹھیک پانچ منٹ کے بعد وہ کانسٹیبل عمران کو اپنے ساتھ لے کر چودھری الٰہی بخش کے ڈیرے کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔

میں جانتا تھا کہ میں نے مطلوب حسین کو خالی پیٹ رحمو کی گرفتاری کے لئے بھیج دیا تھا۔ یہ ایک طرح سے زیادتی والی بات نظر آتی تھی' لیکن مجھے معلوم تھا کہ اگر پندرہ بیس منٹ مزید اس کے پیٹ میں کھانا نہ پہنچا تو کوئی قیامت برپا نہیں ہو جائے گی۔ وہ اس مشن سے واپسی پر بھی پیٹ پوجا کر سکتا تھا' اور پھر میں نے اس کے لئے کچھ اور سوچ لیا تھا۔ اگر میں نے واپسی پر اسے ''خوشخبری دینے'' کی بات کی تھی تو کچھ غلط نہیں کہا تھا۔

اپنے الفاظ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میں نے کانسٹیبل آصف کو اپنے پاس بلایا اور چند ہدایات دے کر روانہ کر دیا۔

ہمارے تھانے کے ساتھ ہی ایک تانگا سٹینڈ تھا' جہاں تین چار دکانیں بھی بنی ہوئی تھیں اور انہی دکانوں میں ایک تنور والا ہوٹل بھی تھا۔ کہنے اور دیکھنے کو تو وہ ایک چھپر ہوٹل تھا' لیکن یہ بات میرے تجربے میں کئی بار آ چکی تھی کہ وہاں کے کھانے بڑے لذیذ اور خوش ذائقہ ہوا کرتے تھے۔ میں نے کانسٹیبل آصف کو اسی ہوٹل پر بھیجا اور تاکید کی کہ وہ بیس پچیس منٹ کے بعد خاصا صحت مند کھانا لے کر آ جائے۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ مطلوب حسین کھانے پینے کا بہت شوقین تھا۔ کوئی کھانے کا شائق ہو اور وہ پچھلے بارہ گھنٹے سے بھوکا بھی ہو تو اس کی نظر میں دنیا کی سب سے عظیم نعمت کھانے کا حصول ہی ہو سکتا تھا۔

میں نے اے ایس آئی کی ضیافت کے لئے کانسٹیبل کو مرغی مسالا لانے کا حکم دیا تھا۔ ہوٹل 'علی مدد'' کی سپیشل ڈش ''مرغی مسالا'' ہی تھی۔ ہوٹل کا مالک دیسی مرغی میں ایک خاص قسم کا سالا بھر کر اسے بڑے سپیشل طریقے سے بھونتا تھا کہ کھانے والا اپنی انگلیاں چاٹتا' بلکہ انگلیاں

ارہ جاتا تھا۔

ہوٹل ''علی مدد'' کے مالک کا نام تو استاد امداد حسین تھا' لیکن وہ خود کو علی مدد کہلانا پسند کرتا تھا ں کی وجہ تسمیہ یہ بتاتا تھا کہ ''امداد حسین'' درحقیقت ''علی مدد'' ہی ہے۔ بہرحال سالہا سال اس کے ہوٹل کا نام ''علی مدد'' ہی مشہور ہو گیا تھا۔ امداد حسین ایک ریٹائرڈ پہلوان تھا۔

میں ان لمحات میں اپنی کرسی پر بیٹھا اسی حسین و جمیل عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا' کی لاش کو صبح میں نے پوسٹ مارٹم کے لئے سرکاری ہسپتال بھجوایا تھا۔ کانسٹیبل امین مذکورہ وہسپتال پہنچا کر واپس آ چکا تھا اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ نک یا پرسوں صبح مل جائے گی۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تو جب آتی' تب دیکھ لیا جاتا کہ اس میں کون سا انکشاف ہوا ہے' ل تو میں بڑی بے چینی سے اے ایس آئی کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

***

رات کے سات بجے تھے' لیکن یوں محسوس ہوتا تھا' رات آدھی سے زیادہ گزر گئی ہو۔ ں میں ویسے بھی پانچ بجے کے آس پاس (پنجاب میں) سورج غروب ہو جاتا تھا اور موسم کے باعث لوگ سرشام ہی گھروں سے باہر نکلنا بند کر دیتے تھے۔ اس حساب سے سات کے وقت کو اچھی خاصی رات کہا جا سکتا تھا۔

میں اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھا اور اکیلا نہیں تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اے ایس آئی ب حسین' چودھری الٰہی بخش کے ڈیرے سے واپس آ گیا تھا اور وہ ''خالی'' ہاتھ نہیں لوٹا۔ نے اسی لمحے مطلوب حسین کو شکم سیر قسم کی پیٹ پوجا کے لئے دوسرے کمرے میں بھیج دیا سٹیبل آصف نے بڑی عقل مندی کا ثبوت فراہم کیا تھا اور وہ یہ کہ وہ اے ایس آئی کی آمد د سیکنڈ پہلے ہی ہوٹل ''علی مدد' سے گرما گرم کھانے کی ٹرے اٹھائے تھانے میں داخل ہوا

میرے سامنے رحم دین عرف رحمو گردن جھکائے کھڑا تھا اور اس کے پہلو میں' میں نے رجب علی کو تعینات کر رکھا تھا۔ رحمو خاصا گھبرایا ہوا لگتا تھا' حالانکہ قدرت نے اسے اچھا ہ اور صحت عطا کر رکھی تھی' اس کے باوجود ان لمحات میں اس کی حالت دیدنی تھی۔ اس کی

تھا۔ سانولی رنگت اور چہرے پر کرختگی۔ اس نے ہلکی ہلکی ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی' جیسے ہفتہ دس دن کا شیو بڑھا ہوا ہو۔ تاہم اس کی مونچھیں خاصی صحت مند اور ہیبت طاری کرنے والی تھی۔ اس کی آنکھوں میں مجھے سرخی بھی نظر آئی تھی اور..... یہی رحمو اس وقت ڈرا' سہما سر جھکائے میرے سامنے کھڑا تھا۔

میں نے تفتیش کا آغاز کرتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ ''رحمو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اچھی خاصی جان دی ہے' پھر یوں میرے سامنے بھیگی بلی بنے کیوں کھڑے ہو؟''

وہ گردن اٹھا کر بولا۔ ''تھانے دار صاحب! آپ کے تھانے کے دو بندے مجھے ڈیرے سے پکڑ کر لے آئے ہیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا اس لئے گھبرایا ہوا ہوں۔ میں بالکل بے گناہ ہوں جناب..... آپ چاہیں تو میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔''

''تھانہ ہو یا کچہری' قسمیں کھانے اور آنسو پینے سے بات نہیں بنتی رحمو!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ان دو مقامات پر اپنی بے گناہی کو ٹھوس ثبوت کے ساتھ منوانا پڑتا ہے۔ تمہارے پاس ایسی کوئی شے ہے؟''

''جناب! میں خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے کوئی ثبوت یا گواہ پیش نہیں کر سکتا۔'' وہ لجاجت آمیز انداز میں بولا۔ ''میں بالکل سچ بتا رہا ہوں کہ میں نے کسی عورت کو قتل نہیں کیا بلکہ..... میں تو اس عورت کو جانتا تک نہیں' پہچانتا تک نہیں۔''

''یہ کوئی خاص یا اہم اطلاع نہیں ہے رحمو!'' میں نے بہ دستور سخت انداز میں کہا۔ ''یہاں کا کوئی بھی شخص مقتولہ عورت کو شناخت نہیں کر سکا۔ وہ سب کے لئے اجنبی تھی۔''

''جب مجھے پتا چلا کہ ادھر خادم حسین کے کھیتوں میں کسی عورت کی گردن کٹی لاش ملی ہے تو میں فوراً وہاں پہنچ گیا تھا۔'' وہ اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن اس وقت تک آپ موقع کی کارروائی مکمل کر کے واپس جا چکے تھے۔ وہاں پر موجود لوگوں نے مجھے بتایا کہ مذکورہ عورت کی لاش کو سرکاری ہسپتال بھجوا دیا گیا ہے۔ پھر جناب.....'' وہ سانس لینے کے لئے تھما پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''میں واپس ڈیرے پر آ گیا تھا۔ اس کے بعد گاؤں میں کیا ہوتا رہا' مجھے کوئی خبر نہیں۔ اب آپ کے بندے مجھے اس عورت کے قتل کے الزام میں پکڑ کر تھانے لے آئے ہیں۔ مجھ پر رحم کریں سرکار..... قتل کی اس واردات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

میں نے اس کے بیان کو چیک کرنے کی غرض سے کہا۔ ''اگر تمہارا نام رحم دین ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں کھلی چھوٹ دے دوں گا۔ میں رحم صرف ان لوگوں پر کرتا ہوں جو بے قصور اور معصوم ہوتے ہیں یا پھر ان لوگوں پر جو قانون کے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے ہیں۔''

''سرکار! اس بات کا تو آپ پکا یقین کر لیں کہ میں بے گناہ ہوں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اور جہاں تک قانون سے تعاون کرنے کا سوال ہے تو میں حاضر ہوں۔ آپ مجھے حکم دیں کہ کرنا کیا ہے؟''

اس دوران میں حوالدار رجب علی دو تین بار بڑی معنی خیز اور سوالیہ نظر سے مجھے دیکھ چکا تھا۔ اس کی اسی نظر کا واضح مطلب یہی تھا کہ..... ملک صاحب' اگر اجازت ہو تو دو چار ہاتھ رکھوں اس سورما کی گردن پر۔

اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ میں نے حوالدار رجب علی کو ملزم رحمو کے پہلو میں اسی لئے کھڑا کیا تھا کہ بہ وقت ضرورت وہ اس کی غلط بیانی پر ایک زوردار جھانپڑ رسید کر سکے' لیکن میرے خیال میں ابھی ایسا موقع پیدا نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے میں نے رجب علی کو زحمت نہیں دی تھی۔ میں ملزموں سے خوامخواہ کی مار پیٹ اور تشدد کا قائل نہیں ہوں' لیکن اگر سیدھی انگلی سے گھی نہ نکل پا رہا ہو تو' پھر میں انگلی کو ٹیڑھا کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر برداشت نہیں کرتا۔

میں نے رحمو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''تم آج کتنے بجے جائے وقوعہ پر پہنچے تھے؟''

''اس وقت لگ بھگ گیارہ بجے ہوں گے جی۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے کوئی دس بجے وقوعہ کی کارروائی مکمل کر لی تھی اور دینو کمہار کے انٹرویو کے بعد کم و بیش ساڑھے دس بجے تک میں واپس تھانے آ گیا تھا۔ اس حوالے سے رحمو کا بیان درست تھا' تاہم اس معاملے میں ابھی بہت سے پہلو میرے لئے اطمینان بخش نہیں تھے' چنانچہ میں نے رحمو کی گھسائی جاری رکھی۔

''سورج اگنے کے فوراً بعد یعنی لگ بھگ صبح سات بجے پورے فیروز آباد کو اس بات کی خبر ہو چکی تھی کہ خادم حسین کے کھیتوں میں کسی نامعلوم عورت کی گردن کٹی لاش ملی ہے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جائے وقوعہ تمہارے ڈیرے سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر ہے' پھر تم چار گھنٹے دیر سے وہاں کیوں پہنچے تھے؟''

''جناب! جب مجھے پتا چلتا' تب ہی تو جانا تھا نا۔''

''تو تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس واقعے کی اطلاع گیارہ بجے کے آس پاس تم تک پہنچی تھی؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں استفسار کیا۔

''جی ہاں..... یہی بات ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''تو صبح سے تمہاری نظروں کے سامنے' ادھر کھیتوں میں جو لوگ جمع ہو رہے تھے' وہ تمہیں دکھائی نہیں دیئے تھے؟'' میں نے تیز نظر سے اسے گھورا۔ ''تم یہی سمجھے ہو گے کہ وہاں کبڈی کا کوئی ٹورنامنٹ ہو رہا ہے..... ہیں نا؟''

''جناب! میں آپ کو سمجھاتا ہوں.....'' وہ منت ریز انداز میں بولا۔

''ایک بات اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھا لو رحمو!'' میں نے اس کے کچھ بولنے سے پہلے بڑی سفاکی سے کہا۔

''مجھے چکر دینے یا کوئی دلچسپ کہانی سنانے کی کوشش نہیں کرنا۔ میرا حوالدار بڑی دیر سے اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دینے کے لئے بے چین کھڑا ہے۔ اگر مجھے تمہاری باتوں میں سے غلط بیان کی بو آئی تو میں اسے اشارہ کرنے میں ذرا سی بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔ پھر تمہاری ہڈی پسلی کا جو بھی حشر ہو' فریاد نہیں کرنا' کیونکہ رجب علی گریہ وزاری کرنے والوں کی اور زیادہ ٹھکائی کرتا ہے۔''

میری خطرناک اور دھمکی آمیز باتیں سن کر اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ جلدی سے بولا۔ ''تھانے دار صاحب! آپ کو میری قسم کا چاہے یقین آئے یا نہ آئے' مگر میں پھر بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ سے ایک لفظ کا بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔''

''ٹھیک ہے' بتاؤ..... سچ کیا ہے؟'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''تمہیں اتنی تاخیر سے جائے واردات کی طرف جانے کا خیال کیوں آیا تھا؟''

''تھانے دار جی!'' وہ سنجیدہ لہجے میں بتانے لگا۔ ''پتا نہیں' کیا بات ہے کہ آج صبح میری آنکھ بہت دیر سے کھلی تھی' حالانکہ ایسے پہلے کبھی نہیں ہوا.....''

''رات تم بہت دیر سے سوئے ہو گے نا.....'' میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ ''اس لئے صبح اپنے وقت پر اٹھ نہیں سکے ہیں نا؟''

''آپ خوامخواہ میری ہر بات کو شک کی نظر سے دیکھ رہے ہیں جناب!'' وہ احتجاجی انداز

شکل ہی سے تیز طرار اور ہوشیار لگتی تھی۔ نرگس کے خدوخال میں بڑی حد تک عائشہ کا عکس جھلکتا تھا۔

میں نے حنیف کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا اور کرم دین و عائشہ بی بی کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ انہوں نے میری پیشکش کے مطابق عمل کیا اور کرسی پر بیٹھتے ہی کرم دین امداد طلب انداز میں میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے نہایت ہی جامع اور مختصر الفاظ میں انہیں مقتول اور نرگس کی مرید کے میں آمد' رہائش اور اس اندوہناک واقعے کے بارے میں بتایا۔ ادھر میری بات ختم ہوئی' ادھر کرم دین پھٹ پڑا۔

''تھانے دار صاحب! یہ کیا غضب ہو گیا۔'' وہ روہانسی آواز میں بولا۔ ''ایک ہفتہ پہلے تو فرید اچھا خاصا لاہور گیا تھا۔ اسے تقدیر مرید کے کیسے کھینچ لائی اور..... کس بدبخت نے میرے بچے کا خون کیا ہے.....؟''

وہ چونکہ بے حد پریشان تھا' لہٰذا ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا۔ میں نے بڑے تحمل سے اس کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''میں بھی اسی بدبخت کی تلاش میں ہوں' جس نے تمہارے بیٹے کی جان لی ہے اور اس سلسلے میں مجھے آپ دونوں کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہے.....'' بات ختم کرتے ہی میں نے باری باری اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کرم دین اور عائشہ بی بی کو دیکھا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ نرگس نے کیوں گھر چھوڑا؟'' عائشہ بی بی اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔ ''اس کی تو منگنی ہو چکی تھی اور تین چار ماہ کے بعد شادی ہونے والی تھی۔ پتا نہیں وہ کس طرح فرید کے بہکاوے میں آ گئی اور.....''

''ایک منٹ عائشہ.....'' کرم دین نے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''میرے بیٹے نے کسی کو نہیں بہکایا۔ پورا پنڈ جانتا ہے کہ وہ دو تاریخ کو لاہور گیا تھا اور تمہاری بیٹی چار تاریخ کو گھر سے غائب ہوئی ہے۔ تم خوامخواہ میرے بیٹے پر الزام لگانے کی کوشش نہیں کرو۔''

''میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہی ہوں کرم دین۔'' عائشہ نے گھور کر کرم دین کی طرف دیکھا۔ ''تم نے سنا نہیں تھانے دار نے تھوڑی دیر پہلے ان دونوں کے بارے میں کیا بتایا ہے۔ وہ میاں بیوی بن کر یہاں رہ رہے تھے۔ ان کے ایک ساتھ پائے جانے کا مطلب یہی

ہے کہ وہ باقاعدہ کسی منصوبہ بندی کے تحت آگے پیچھے گاؤں سے نکلے تھے۔ ہائے اللہ! میں کیا کروں.....'' وہ باقاعدہ سینہ کوبی کرنے لگی۔ ''پتا نہیں اس مردود نے میری بچی کے ساتھ نکاح بھی کیا تھا یا.....''

''خبردار! جو میرے مرحوم بیٹے کو مردود کہا۔'' کرم دین غصے سے دھاڑا۔

''ان دونوں نے نکاح کیا تھا یا نہیں' اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ یہ ہے کہ میرے بیٹے کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے اور تمہاری بیٹی جائے وقوعہ سے غائب ہے۔ مجھے تو نرگس پر ہی شک ہے۔ تھانے دار صاحب! آپ رپورٹ لکھیں جی۔''

''اس سے پہلے آپ میری رپورٹ درج کریں گے تھانے دار صاحب!'' عائشہ نے ترش لہجے میں کہا۔ ''کرم دین کے بیٹے نے میری معصوم بچی کو بہلا پھسلا کر بلکہ بہکا کر گھر سے بھاگنے پر مجبور کیا اور پھر اسے کہیں غائب کر کے خود قتل ہو گیا۔ مجھے میری بچی چاہئے جناب' کرم دین جہاں سے بھی پوری کرے.....''

''تمہاری مت ماری گئی ہے عائشہ بی بی!'' کرم دین لال پیلا ہوتے ہوئے بولا۔ ''یہ کیا بات کر دی تم نے کہ.....فرید نے تمہاری بیٹی کو غائب کیا اور خود قتل ہو گیا۔ بھلا کوئی اپنی رضا سے بھی قتل ہوتا ہے۔ تم اپنی بیٹی کے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ الٹی سیدھی باتیں کیوں کر رہی ہو؟''

''الٹی سیدھی باتیں میں نہیں کر رہی کرم دین!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''بلکہ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''بس!'' میں نے کڑک کر کہا۔ ''یہ تم لوگوں نے کیا تماشا لگا دیا ہے۔ یہ تھانہ ہے تمہاری خالہ جان کا گھر نہیں.....''

میرے دبکے نے خاطر خواہ اثر دکھایا اور وہ خاموش ہو کر سہمی ہوئی نظروں سے مجھے تکنے لگے۔ میں نے کرم دین کی طرف دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''تم اس وقت کہاں بیٹھے ہوئے ہو.....؟''

''جناب.....'' وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں تھانے میں بیٹھا ہوں جی۔''

''اور یہاں کا تھانے دار کون ہے؟''

''آپ ہیں جی تھانے دار.....''

''بس تو پھر تھانے داری بھی مجھے ہی کرنے دو۔'' میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگوں نے یہاں آتے ہی مچھلی بازار کھول دیا ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے.....؟''

''معاف کر دیں جناب! میں جذبات میں آ گیا تھا۔'' کرم دین نرم پڑتے ہوئے بولا۔ ''جوان بیٹے کی موت نے میرے دماغی توازن کو گڑبڑا کر رکھ دیا ہے۔''

''تمہارے بیٹے کی موت کا مجھے بھی گہرا صدمہ ہے اور میں پہلی فرصت میں اس کے قاتل تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ہمدردی بھرے انداز میں کہا۔ ''تم لوگوں کو بھی اسی سلسلے میں یہاں بلایا ہے کہ اس کیس کو حل کرنے میں تم میری مدد کرو۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے باری باری ان کے چہروں کا جائزہ لیا' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے تعاون کرنا تو رہا ایک طرف' تم تو الٹا آپس ہی میں جھگڑا کرنے لگے ہو۔ یہ تو میرا کام بگاڑنے والی بات ہے نا۔''

''میں تو آرام ہی سے بیٹھا ہوا تھا تھانے دار صاحب!'' کرم دین عاجزی سے بولا۔ ''پہل تو عائشہ نے کی ہے۔''

''پہل میں نے نہیں' تم نے کی ہے کرم دین۔'' وہ الجھ کر بولی۔

''میں نے کہا.....بس!'' میں نے باری باری انہیں تیز نظر گھورا۔ ''کس نے پہل کی ہے اور کس نے دوج' اس بحث میں مت پڑو۔ یہ پہل دوج کھیلنے کا وقت نہیں ہے۔ میں تم سے جتنی بات پوچھوں' بس اس کا جواب دو اور.....'' میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہا۔

''اور جب میں ایک سے بات کروں تو دوسرا بالکل چپ بیٹھے گا.....بالکل خاموش' میری بات سمجھ میں آ رہی ہے نا.....؟''

انہوں نے بڑی شرافت سے اثبات میں گردنیں ہلا دیں۔

میں کرم دین کی طرف متوجہ ہو گیا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ تمہارا بیٹا فرید دو اگست کو یہ بتا کر گھر سے نکلا تھا کہ وہ ہفتہ دس دن کے لئے اپنے کسی دوست کے پاس لاہور جا رہا ہے؟''

''جی ہاں.....حقیقت یہی ہے۔''

''اس کے بعد سے تمہیں اپنے بیٹے کی کوئی خیر خبر نہیں تھی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں

نکلتے ہوئے کہا۔ ''کل جب میرے بندے نے تمہیں رتاں والی جا کر فرید کی الم ناک موت
، بارے میں آگاہ کیا تو تم پر غم کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی' آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔
ں بتا نہیں سکتا کہ فرید کی موت کی خبر سن کر ہماری کیا حالت ہوگئی تھی۔ اس کی ماں کا تو رو رو کر برا
ں ہے۔ ہماری تو دنیا ہی اجڑ گئی ہے تھانے دار صاحب۔''

''میں آپ لوگوں کے غم کا اندازہ لگاتا ہوں۔'' میں نے ہمدردانہ انداز میں کہا' پھر
چھا۔ ''فرید لاہور میں اپنے جس دوست کے پاس گیا تھا اس کا نام عارف ہی ہے نا.....؟''

''میں نے جان بوجھ کر مقتول کے لاہوری دوست کا نام غلط بتایا تھا' کرم دین جلدی سے
ا۔

''نہیں جناب.....اس کا نام عرفان ہے۔''

''فرید کی عرفان سے کب اور کس طرح دوستی ہوئی تھی؟'' میں نے بہت ہی دھیمے لہجے میں
رم دین کو کریدنا شروع کیا۔

''ان کی دوستی تو بہت پرانی ہے جناب..... بلکہ تھی۔'' وہ افسردہ لہجے میں بولا۔ ''عرفان
ں رتاں والی کا ہی رہنے والا ہے۔ پچھلے دو سال سے وہ روزگار کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا ہے
مہینے دو مہینے میں وہ ایک آدھ بار گاؤں کا چکر لگا لیتا ہے۔''

''عرفان لاہور میں کیا کام کرتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔ ''اور اس نے رہائش وغیرہ کہاں
ں ہوئی ہے؟''

''وہ لاہور میں ڈبل روٹی بنانے والی کسی فیکٹری میں کام کرتا ہے' جو فیروز پور روڈ پر واقع
ہے۔'' کرم دین نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''اور ادھر قریب ہی کسی آبادی میں اس
نے کرائے پر مکان لے رکھا ہے۔''

کرم دین نے بعد میں مجھے بند اور ڈبل روٹی بنانے والی اس فیکٹری کا نام بھی بتایا تھا'
ن بہ وجوہ میں نے وہ نام یہاں ظاہر نہیں کیا۔ میں نے کرم دین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال
رکھا۔

''بس' ایک آخری سوال.....اور اس کا جواب بہت سوچ سمجھ کر دینا۔ تمہاری غلط بیانی بعد
ں کوئی بہت بڑی مصیبت بھی کھڑی کر سکتی ہے۔''

وہ چوکنا نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جی پوچھیں۔ میں نے اب تک آپ سے کوئی
موٹ بولا ہے اور نہ ہی آئندہ ایسی کوئی حرکت کروں گا۔''

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تمہارے بیٹے فرید اور عائشہ بی بی
ں بیٹی نرگس میں کوئی عشق محبت کی کہانی چل رہی تھی؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھانے دار صاحب!'' عائشہ چمک کر بولی۔

''میں نے تم سے پوچھا ہے.....؟'' میں نے گھور کر اسے دیکھا۔

''جناب! چند ماہ کے بعد نرگس کی شادی ہونے والی تھی۔'' وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں
لی۔ ''وہ اس قسم کے کام میں کیسے ملوث ہو سکتی ہے اور جہاں تک.....''

''میں نے کہا تھا نا' جب تک میں خود نہ پوچھوں' تم اپنی طرف سے کچھ نہیں بولو گی؟'' میں
نے غراہٹ آمیز انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے جی۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔''

میں نے کرم دین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بھئی تم نے میرے سوال کا
اب نہیں دیا؟''

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''جی' میرا خیال ہے.....فرید نرگس کو پسند کرتا تھا۔''

''کیا اس نے اپنی پسندیدگی کے بارے میں خود تمہیں بتایا تھا؟''

''مجھے تو نہیں بتایا تھا' لیکن اس سلسلے میں اس نے اپنی ماں سے ذکر کیا تھا۔'' کرم دین
نے جواب دیا۔ ''مجھے اپنی بیوی نصیب بیگم کی زبانی پتا چلا تھا۔''

''کیا نرگس بھی اسے پسند کرتی تھی؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس بارے میں' میں کچھ نہیں جانتا جناب.....''

''تم اپنے بیٹے کے کسی دشمن کو تو جانتے ہو گے؟''

''دشمن.....نہیں جناب' اس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''وہ تو سب کو
ست بنا کر رکھتا تھا۔ بہت ہی ملنسار اور محبت کرنے والا تھا۔''

''کرم دین!'' میں نے اسے ٹھہرے ہوئے لہجے میں مخاطب کیا۔ ''انسان کے جہاں دس
ست ہوتے ہیں' انہی خیر خواہوں میں کہیں ایک آدھ دشمن بھی چھپا ہوتا ہے۔ تم یہ کیسے کہہ سکتے
لہ مقتول کا کوئی دشمن نہیں تھا؟''

''جناب! میں جو جانتا تھا' وہ آپ کو بتا دیا ہے.....'' وہ بے بسی سے بولا۔

''تمہارے خیال میں فرید کو کسی دوست نے موت کے گھاٹ اتارا ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''یہ کام کوئی دوست نہیں بلکہ کوئی دشمن ہی کر سکتا ہے۔''

''لیکن جناب.....'' وہ متذبذب انداز میں بولا۔ ''آپ نے تو بتایا ہے کہ وہ اور نرگس یہاں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے تھے اور نرگس اب غائب ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ.....'' وہ جملے کو ادھورا چھوڑ کر سوالیہ نظر سے عائشہ بی بی کی طرف دیکھنے لگا۔

''دیکھ لیں تھانے دار صاحب!'' عائشہ خاموش نہ رہ سکی اور شکایت بھرے لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''یہ کرم دین تو ہاتھ دھو کر میری بچی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ یہ نرگس کو فرید کا قاتل سمجھ رہا ہے.....''

''کرم دین نے ایسی کوئی بات نہیں' بلکہ مجھے یہ شک ہے کہ فرید کی موت میں کسی نہ کسی زاویے سے نرگس ضرور ملوث ہے یا کم از کم وہ قتل کی اس واردات کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ تم دونوں کا ایک جگہ موجود رہنا ٹھیک نہیں' اس لئے کرم دین.....'' میں نے کرم دین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم باہر برآمدے میں جا کر بیٹھو۔ اگر تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں اندر بلا لوں گا۔''

اس نے فوراً میرے حکم کی تعمیل کی اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

میں عائشہ بی بی کی طرف متوجہ ہو گیا اور گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''دیکھو عائشہ! اس حقیقت کو تو دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی کہ پچھلے تین چار دن تمہاری بیٹی نرگس یہاں مقتول فرید کے ساتھ' اس کی بیوی کی حیثیت سے رہ رہی تھی۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ فرید اسے زبردستی اغوا کر کے اپنے ساتھ نہیں لایا تھا بلکہ اس کام میں نرگس کی مرضی پوری طرح شامل رہی ہوگی اور اس ''مرضی'' کا میں بھی چشم دید گواہ ہوں۔''

''جی کیا.....'' میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھی۔ ''آپ نے ایسا کیا دیکھا تھا تھانے دار صاحب.....''

''دو روز پہلے' ایک رات جب انہیں کھلے عام نازیبا حرکات کے الزام میں گرفتار کر کے

تھانے لایا گیا تھا تو میں نے ان کا تفصیلی انٹرویو کیا تھا۔'' میں نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''جبھی مجھے پتا چلا تھا کہ وہ دونوں اپنی مرضی اور خواہش سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ وہ میاں بیوی تھے یا نہیں' یہ ایک الگ بحث ہے' لہٰذا یہ خیال تو ذہن سے نکال دو کہ نرگس کو اس کی مرضی کے خلاف اغوا کیا گیا تھا۔ اب ہم فرید کے قتل کی طرف آتے ہیں.....'' یہاں تک پہنچنے کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا وقفہ لیا' پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''وقوعہ کی رات حسب معمول مقتول اور تمہاری بیٹی نرگس اپنے کمرے میں سونے کے لئے گئے تھے' لیکن اگلی صبح اسی کمرے میں مقتول فرید کی لاش پائی گئی اور تمہاری بیٹی جائے وقوعہ سے غائب تھی' اس لئے لامحالہ نرگس کی طرف دھیان جاتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی زاویے سے اس قتل کے راز میں ضرور شریک ہے۔ تمہاری عقل اس بارے میں کیا کہتی ہے عائشہ بی بی.....؟''

''میری عقل تو بالکل کام نہیں کر رہی تھانے دار صاحب!'' وہ اپنی پیشانی کو سہلاتے ہوئے بولی۔ ''ایک بار نرگس مل جائے تو میں اسی سے پوچھوں گی کہ یہ سارا چکر کیا ہے اور کس طرح پیش آیا ہے؟''

''مجھے بھی صرف اور صرف نرگس ہی کی تلاش ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مقتول فرید تو اس دنیا سے جا چکا۔ وہ واپس آ کر میرے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا' لہٰذا میری ساری امیدیں اب تمہاری بیٹی نرگس ہی سے بندھی ہوئی ہیں' اسی لئے میں پہلی فرصت میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں سانس درست کرنے کے لئے رکا' پھر گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''عائشہ بی بی! تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتی ہو؟''

''میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ نرگس جلد از جلد مل جائے۔'' وہ روہانسی آواز میں بولی۔ ''لیکن خدا گواہ ہے کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

اس بات کا مجھے بھی بہ خوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ عائشہ بی بی اپنی بیٹی کی گمشدگی یا غیاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی اور اس حوالے سے میں اس پر کوئی دباؤ بھی نہیں ڈال رہا تھا۔ میں تو کسی ایسے سرے کی تلاش میں تھا' جسے تھام کر میں قاتل تک رسائی حاصل کر سکوں اور یہ سرا نرگس تک پہنچنے کے بعد ہی میرے ہاتھ آ سکتا تھا۔ میں دوبارہ عائشہ بی بی کی طرف متوجہ ہوا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''نرگس کا باپ تھانے کیوں نہیں آیا۔ اس نے تمہیں کیوں بھیج دیا ہے؟''

''جب سے نرگس گم ہوئی ہے' یعقوب گہرے صدمے میں ہے۔'' وہ ایک افسردہ سی سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ''ہر وقت یہی دہراتا رہتا ہے کہ نرگس نے گھر سے باہر قدم نکال کر اس کی ناک کٹوا دی ہے۔ اس نے اپنے دوست کو جو زبان دے رکھی ہے' اس کا کیا ہوگا..... وہ تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا.....''

''کون دوست..... تم کہیں اللہ رکھا کی بات تو نہیں کر رہی ہو.....؟'' میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

''جی ہاں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''نرگس کی منگنی اللہ رکھا کے بیٹے جاوید سے ہوئی ہے اور یہ معاملہ یعقوب کے زور دینے پر ہی ہوا ہے' ورنہ میں تو اس رشتے کے لئے بالکل تیار نہیں تھی' مگر یعقوب نے نہ میری سنی اور نہ ہی نرگس کے مستقبل کا کوئی خیال کیا' یاری نبھانے کے لئے جاوید سے نرگس کا رشتہ طے کر دیا.....''

''تم اس رشتے کی مخالفت میں کیوں تھیں؟''

''بس جی' مجھے جاوید بالکل اچھا نہیں لگتا۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''عجیب سست اور بونگا سا لڑکا ہے۔''

''تو کیا تم کسی خاص بندے کے ساتھ نرگس کی شادی کرنا چاہتی تھی؟''

''نہیں جی' میرے ذہن میں کوئی خاص بندہ نہیں تھا۔'' وہ عام سے لہجے میں بولی۔ ''کسی بھی معقول آدمی سے اس کی شادی ہو جاتی' مگر جاوید سے نہیں۔ پتا نہیں' کیا بات ہے' جاوید کو دیکھتے ہی مجھے عجیب سا محسوس ہونے لگتا ہے.....''

''میں نے سنا ہے' جاوید کی ماں شہناز بھی اس رشتے کے لئے تیار نہیں تھی۔'' میں نے حنیف کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں عائشہ کو ٹٹولا۔ ''اللہ رکھا نے زور زبردستی کر کے ہی یہ ناتا جوڑا تھا.....؟''

''شہناز کے انکار کی وجہ نرگس کو ناپسند کرنا نہیں تھی۔'' وہ ٹھوس انداز میں بولی۔ ''بلکہ اس کی نگاہ کسی اور پر لگی ہوئی تھی۔''

میں نے بالکل انجان بنتے ہوئے کہا۔ ''اور..... کس پر؟''

''اپنی بہن آسیہ کی بیٹی عطیہ پر۔'' وہ ناگواری سے بولی۔ ''وہ جاوید کی شادی عطیہ سے

کرنا چاہتی تھی' لیکن اللہ رکھا اپنی سالی آسیہ کو سخت ناپسند کرتا ہے' اس لئے وہ عطیہ کو کسی بھی صورت اپنی بہو بنانے پر تیار نہیں تھا' لہٰذا اس نے نرگس کا رشتہ مانگ لیا۔ اگرچہ میں جاوید کو پسند نہیں کرتی' لیکن یعقوب نے میری ایک نہ سنی اور یہ رشتہ پکا کر دیا اور..... اب چند ماہ بعد تو ان کی شادی ہونے والی تھی.....''

''نرگس کے گھر سے غائب ہو جانے پر جاوید یا اس کے گھر والوں کا کیا تاثر تھا؟'' میں نے سوال و جواب کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ نرگس کے گھر سے چلے جانے کے بعد شہناز نے سکھ کی سانس لی تھی۔'' وہ برہمی سے بولی۔ ''اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ بلا ٹل گئی۔ اب وہ اپنی مرضی سے جاوید کی شادی عطیہ سے کر سکے گی۔ یہ رشتے داری چونکہ اللہ رکھا اور یعقوب کی دوستی کے نتیجے میں ہو رہی تھی' لہٰذا نرگس کی گمشدگی کا سب سے زیادہ دکھ بھی انہی دونوں کو ہوا۔ اوپر سے شہناز نے طعنے دے دے کر اللہ رکھا کی زندگی اور بھی عذاب بنا دی ہے۔''

''اور اس سلسلے میں جاوید کا کیا رویہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ بے پروا بنا پھرتا ہے۔'' عائشہ نے ہونٹ بھینچتے ہوئے جواب دیا۔ ''اسے اس بات سے قطعاً کوئی غرض نہیں کہ نرگس کہاں چلی گئی ہے۔ حالانکہ اس موقع پر تو سب سے زیادہ سنجیدگی کا مظاہرہ اسی کو کرنا چاہئے۔ نرگس اس کی منگیتر ہے مگر.....'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''مگر مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے' ان ماں بیٹے کو نرگس کی گمشدگی سے بہت خوشی ملی ہو۔ میرے سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ شہناز اور جاوید لوگوں سے کہتے پھر رہے ہیں کہ ان کی طرف سے یہ رشتہ ختم ہی سمجھا جائے۔ جو لڑکی گھر سے بھاگ جائے اسے کوئی اپنے گھر کی عزت کیسے بنا سکتا ہے۔''

''جب ہم نرگس کے گھر سے بھاگ جانے کی بات کرتے ہیں تو فوراً ذہن میں یہ سوال سر اٹھاتا ہے..... وہ کس کے ساتھ بھاگی ہوگی؟'' میں نے عائشہ کے چہرے پر نگاہ جما کر گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''حالات و واقعات چیخ چیخ کر اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ وہ مقتول رید کے ساتھ تھی' جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان دونوں میں پہلے سے کوئی معاملہ چل رہا تھا' لیکن تم کہتی ہو کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی' یہ نکتہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا.....''

''جناب! میں تو یہی جانتی ہوں کہ نرگس کا فرید کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں تھا۔'' وہ بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔ ''باقی دلوں کے حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارے سامنے کرم دین نے کہا ہے کہ اس کا بیٹا یعنی مقتول فرید' تمہاری بیٹی نرگس کو پسند کرتا تھا اور اس پسندیدگی کا اظہار اس نے اپنی ماں نصیب بیگم سے بھی کیا تھا۔'

میں نے تیکھے انداز میں کہا۔ ''اور تم بالکل انجان بن رہی ہو؟''

''آپ جو بھی سمجھ لیں۔'' وہ اکتاہٹ بھرے انداز میں بولی۔ ''جو سچ تھا' وہ میں نے آپ کو بتا دیا۔''

میں نے مزید دو چار سوالات کے بعد عائشہ بی بی کو فارغ کر دیا اور اسے باہر بھیج کر کرم دین کو اندر بلا لیا۔ وہ میرے سامنے آ کر بیٹھا اور امداد طلب نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

''کرم دین میں تمہارے دکھ درد میں برابر کا شریک ہوں۔ میں تمہارے بیٹے کو تو زندگی میں واپس نہیں لا سکتا' البتہ یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ بہت جلد اس کے قاتل کو گرفتار کر کے جیل میں سلاخوں کے پیچھے پہنچا دوں گا۔''

''کیا آپ کو کچھ پتا چلا کہ فرید کو کس بدبخت نے موت کے گھاٹ اتارا ہے؟'' اس نے زخمی لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

''سچی بات تو یہ ہے کہ میں ابھی تک کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن مجھے یقین ہے کہ جلد یا بدیر میں قاتل کی گردن ناپنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ بس.....'' میں نے توقف کیا' پھر سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بس' ایک بار مجھے نرگس کا سراغ مل جائے تو پھر بعد کا کام بہت آسان ہو جائے گا۔''

''میں بھی دعا کروں گا کہ آپ جلد از جلد نرگس کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں۔'' وہ قدرے مضبوط لہجے میں بولا۔

''آمین.....'' میں نے تہ دل سے کہا' پھر اسے ہدایت کی۔ ''کرم دین! اگر اس دوران میں تمہیں کوئی خاص بات پتا چلے تو مجھے ضرور بتانا۔ قاتل کی تلاش کے سلسلے میں مجھے تمہارے تعاون کی اشد ضرورت ہے۔''

''جی..... میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔'' وہ بڑی فرماں برداری سے بولا۔ پھر منت ریز انداز میں پوچھا۔ ''فرید کی لاش کب تک ہسپتال سے آ جائے گی۔''

''مجھے امید ہے کہ کل دوپہر تک لاش تھانے پہنچ جائے گی۔'' میں نے کہا۔

اس نے استفسار کیا۔ ''میں لاش وصول کرنے کے لئے کب آپ کے پاس آؤں۔ مجھے اس کے کفن دفن کا بندوبست بھی تو کرنا ہے.....'' آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ''کرم دین! بیٹے کی لاش وصول کرنے کے لئے تمہیں تھانے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی نگرانی میں عملے کے دو افراد کو لاش کے ساتھ رتاں والی بھیجنے کا انتظام کر دوں گا۔ تم تدفین کا پروگرام عصر اور مغرب کے درمیان رکھو تو سارے مرحلے خوش اسلوبی سے نمٹ جائیں گے۔''

میں نے اے ایس آئی کو اپنے پاس بلایا اور اس کیس کے حوالے سے مختلف ہدایات دینے کے بعد کہا۔ ''عائشہ بی بی اور کرم دین کو واپس رتاں والی بھجوانے کا انتظام کر دو۔ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔''

''او کے سر.....!'' اے ایس آئی نے فرض شناس لہجے میں کہا۔

میں مطمئن ہو گیا۔

***

اگلے روز دوپہر سے پہلے ہی مقتول فرید کی لاش ہسپتال سے واپس آ گئی۔ لاش کے ساتھ ہی پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ بھی موجود تھی۔ میں نے کاغذی کارروائی مکمل کرنے کے بعد لاش وصول کر لی اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر مذکورہ رپورٹ کا مطالعہ کرنے لگا۔

اس رپورٹ کے مطابق مقتول فرید کی موت سات اور آٹھ اگست کی درمیانی رات ایک اور دو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ رپورٹ میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا تھا کہ موت کے وقت مقتول گہری بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اس میں کسی قسم کی مزاحمت کرنے کی سکت باقی نہیں تھی' تاہم موت کا واضح سبب وہی خطرناک قاتل خنجر تھا' جو اس کے سینے میں پیوست ملا تھا۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے ساتھ ہی کیمیکل ایگزامنر کی تفصیلی رپورٹ بھی منسلک تھی' جس میں بعض سنسنی خیز انکشافات کیے گئے تھے۔ مقتول کے معدے سے حاصل کئے گئے ایک نمونے میں بے ہوشی کی دوا کے آثار ملے تھے' یعنی وقوعہ کی رات اسے کھانے میں بے ہوشی کی دوا دی گئی تھی' جس کے زیر اثر وہ بے خبر اور گہری نیند میں چلا گیا تھا' لہٰذا جس جب قاتل نے بے رحمی سے اس کے سینے میں خنجر اتارا تو وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں کو حرکت میں نہ لا سکا اور بغیر تڑپے پھڑکے اس نے موت کو گلے لگا لیا۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ اور اس کے ساتھ منسلک کیمیکل ایگزامنر کے تجزیے نے میرے بہت سے خدشات کی تسکین کر دی۔ اب میں پورے یقین کے ساتھ یہ جان چکا تھا کہ فرید نے قتل ہوتے وقت کسی قسم کی کوئی مزاحمت پیش کیوں نہیں کی تھی۔

نعمت بی بی کے تفصیلی بیان کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی تھی کہ وقوعہ کی رات نرگس اپنا اور مقتول کا کھانا بیٹھک میں لے کر گئی تھی۔ دونوں مبینہ میاں بیوی نے رات کا کھانا ایک ساتھ بیٹھک میں بیٹھ کر کھایا تھا' پھر اندر سے کنڈی لگا کر سو گئے تھے۔ ان حالات میں ذہن اسی نتیجے

پر پہنچتا تھا کہ نرگس نے رات کے کھانے میں کوئی زود اثر نشہ آور دوا ملا کر مقتول کو کھلا دی تھی۔ آدھی رات کے بعد جب اس نے دیکھا کہ مقتول بے خبری کی نیند میں پہنچ چکا ہے تو اس نے نہایت ہی سنگ دلی سے ایک خوفناک خنجر مقتول کے سینے میں اتارا اور وہاں سے غائب ہو گئی۔

یہ سب کچھ سوچنا بہت آسان تھا اور بالکل منطقی بھی نظر آتا تھا' لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تھیوری چند توجہ طلب سوالات کو بھی جنم دیتی تھی اور ان سوالات کے تسلی بخش جوابات حاصل کئے بغیر کسی راسخ اور حتمی نتیجے پر پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ یہ سوالات علی الترتیب کچھ یوں تھے۔

اگر نرگس' مقتول کو پسند کرتی تھی اور اس کی خاطر گھر چھوڑ آئی تھی تو پھر وہ اسے قتل کر کے غائب کہاں ہو جائے گی؟ اگر ان دونوں کے بیچ کوئی سنجیدہ تعلق نہیں تھا اور نرگس کسی بھی بنا پر مقتول کی جان کی دشمن تھی تو پھر وہ اپنے ایک دشمن کے ایما پر گھر سے کیوں بھاگی؟ اگر اس تمام تر خطرناک کھیل میں کوئی تیسرا شخص بھی ملوث تھا تو وہ کون تھا؟ وہ صرف مقتول کا دشمن تھا یا پھر نرگس کی مدد سے اس کی دوستی تھی؟ کیا اس نامعلوم شخص کی مدد سے نرگس نے یا نرگس کی مدد سے اس نامعلوم شخص نے فرید کو ٹھکانے لگایا تھا؟ اگر مذکورہ نامعلوم شخص اور نرگس اندر سے آپس میں ملے ہوئے تھے تو پھر یہ دونوں اب کہاں تھے؟

یہ تمام تر اور ان سے ملتے جلتے متعدد سوالات نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا رکھا تھا اور سردست میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ جب تک نرگس ہاتھ نہیں آئے گی' اس کیس کا اونٹ کسی مناسب کروٹ نہیں بیٹھ سکے گا' لیکن پھر یہ سوال مجھے ایک بند گلی میں لا کھڑا کرتا تھا کہ میں نرگس کو کہاں تلاش کروں؟

یہ بات سامنے آ چکی تھی کہ مقتول اپنے گھر سے دو اگست کو یہ بتا کر نکلا تھا کہ وہ اپنے ایک دوست عرفان کے پاس لاہور جا رہا ہے۔ وہ پہلے بھی عرفان سے ملنے جاتا رہتا تھا۔ مقتول ہمارے علاقے میں چار اگست کو پہنچا تھا۔ اس سے یہ اندازہ قائم کیا جا سکتا تھا کہ اس نے دو اور تین اگست کے دونوں دن عرفان کے پاس گزارے ہوں گے۔

میں نے فوری طور پر لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے یقین تھا کہ عرفان سے ایک تفصیلی ملاقات اس کیس کے معاملے میں بہت سودمند ثابت ہو گی۔ ہو سکتا ہے' وہاں سے کوئی ایسا اشارہ مل جاتا' جو مقتول کی پُراسرار موت اور نرگس کی گمشدگی پر سیر حاصل روشنی ڈال سکتا۔

میں نے آئندہ آدھے گھنٹے میں مقتول فرید کی لاش کو موضع رتال والی بھجوا

کیا اور خود سرسری تیاری کے بعد لاہور روانہ ہو گیا۔

✣✣✣

عرفان ڈبل روٹی' بن اور شیر مال بنانے والی ایک فیکٹری میں کام کرتا تھا' جو فیروز پور روڈ پر' نہر کے پل کے قریب واقع تھی۔ اس وقت دن کے ڈھائی بجے تھے۔ مرید کے سے فیروز پور روڈ لاہور کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مجھے مذکورہ فیکٹری تک پہنچنے میں لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹہ لگا ہو گا۔

میں اس وقت عوامی لباس میں تھا اور احتیاطاً میں نے متعلقہ تھانے میں حاضر لگا کر اپنی لاہور میں آمد سے محکمے کے ذمے دار افراد کو آگاہ کر دیا تھا۔ تھانہ انچارج صدیق راؤ نے میرے ساتھ اپنے عملے کے کسی آدمی کو بھیجنے کی پیشکش کی تھی' جسے میں نے بڑی اخلاقی خوب صورتی سے رد کر دیا تھا اور ایک بس میں بیٹھ کر اپنی مطلوبہ فیکٹری پہنچ گیا تھا۔

میں فیکٹری کے دفتری حصے میں داخل ہوا اور وہاں موجود انتظامیہ کے ایک سینئر آدمی سلیمان بخاری سے ملاقات کی۔ وہ فیکٹری میں منیجر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''بخاری صاحب! میرا نام ملک صفدر حیات ہے اور میں مرید کے تھانے کا انچارج ہوں۔ ایک ضروری کام سے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ امید ہے' آپ مجھ سے پورا پورا تعاون کریں گے.....''

''کیوں نہیں جناب!'' یہ جان کر کہ میں تھانہ انچارج ہوں' بخاری اٹھ کر کھڑا ہو گیا' پھر دوبارہ گرم جوش مصافحہ کرنے کے بعد بولا۔ ''میرے لائق جو بھی خدمت ہو' حکم کریں اور اس حکم سے پہلے یہ فرمائیں کہ آپ کے لئے ٹھنڈا منگواؤں یا گرم.....؟''

''اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں بخاری صاحب!'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''آپ مجھ سے تعاون کرنے کو تیار ہیں' یہی کافی ہے۔''

''یہ کافی نہیں ہے جناب۔'' وہ پُرخلوص لہجے میں بولا۔ ''کام اور کھانا پینا ایک ساتھ ہونا چاہئے۔''

''جیسی آپ کی مرضی.....'' میں نے اس کی مخلصانہ پیشکش کے سامنے سپر ڈال دی اور کہا۔ ''موسم کی مناسبت سے جو دل چاہے' وہ منگوا لیں۔''

بخاری نے ایک ملازم کو بلا کر کھانے پینے کی چند چیزیں لانے کا حکم دیا' پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''جی ملک صاحب! اب آپ فرمائیں' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''آپ کی فیکٹری میں عرفان نامی ایک بندہ کام کرتا ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''وہ مرید کے کے ایک نواحی گاؤں رتاں والی کا رہنے والا ہے اور یہاں قریب ہی کسی بستی میں اس نے رہائش اختیار کر رکھی ہے۔ وہ پچھلے دو سال سے آپ کے پاس ملازم ہے.....''

''ہاں' میں عرفان کو اچھی طرح جانتا ہوں۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''وہ تھوڑے فاصلے پر واقع کچی آبادی نامی ایک بستی میں رہتا ہے۔''

''مجھے اسی عرفان سے پوچھ گچھ کرنا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آپ اسے ادھر ہی بلا لیں۔''

''میں ابھی اسے بلاتا ہوں۔'' وہ تشویش بھرے انداز میں بولا۔ ''لیکن یہ تو بتائیں کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ میں محسوس کر رہا ہوں کہ ادھر مرید کے میں کوئی بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے.....؟''

''آپ بالکل ٹھیک محسوس کر رہے ہیں۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا' پھر نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے حالات حاضرہ کی سنگینی سے نگاہ کر دیا۔

''اوہ.....!'' اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور بولا۔ ''معاملہ تو خاصا خطرناک ہے۔''

''اسی لئے میں سادہ لباس میں یہاں آیا ہوں۔'' میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''آپ بھی اس پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیں گے کہ کوئی پولیس والا اس سے ملنے آیا ہے' ورنہ وہ بدک جائے گا۔''

''آپ فکر نہ کریں ملک صاحب!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں اس معاملے کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں.....''

میں نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

وہ اپنی کرسی چھوڑتے ہوئے بولا۔ ''آپ یہاں آرام سے بیٹھیں۔ میں خود اسے لے کر آپ کے پاس آتا ہوں۔''

سلیمان بخاری کی واپسی لگ بھگ پانچ منٹ بعد ہوئی اور وہ خالی ہاتھ آیا تھا۔ وہ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ چکا تو میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ بولا۔

''ملک صاحب! عرفان تو تھوڑی دیر پہلے چھٹی کر کے اپنے گھر چلا گیا ہے۔''

''کیا آپ کی فیکٹری میں اتنی جلدی چھٹی ہو جاتی ہے؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''نہیں جناب! چھٹی میں تو ابھی دو گھنٹے باقی ہیں۔'' سلیمان بخاری نے جواب دیا۔ ''اس کے ساتھ کام کرنے والے ایک بندے نے بتایا کہ عرفان بتا رہا تھا' گاؤں سے اس کی کوئی دوست ملنے آیا ہے' اس لئے آج وہ جلدی چھٹی کر کے گھر جا رہا ہے۔''

''کوئی دوست..... گاؤں سے آیا ہے.....'' میں نے چونکے ہوئے انداز میں کہا' پھر بخاری کی جانب دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ ''میں ابھی عرفان کے گھر جانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ کسی ایسے بندے کو بھیج سکتے ہیں جس نے عرفان کی رہائش گاہ دیکھ رکھی ہو.....؟''

''ملک صاحب! آپ فکر نہ کریں' میں آپ کو عرفان کے گھر پہنچانے کا بندوبست کر دوں گا۔'' بخاری نے کہا۔ ''لیکن پہلے کچھ کھا پی لیں۔ میں نے آپ کے لئے گرم چائے کے ساتھ گرما گرم جلیبیاں اور سموسے منگوائے ہیں.....''

''یہ تمام چیزیں میں اطمینان سے بیٹھ کر کھاؤں گا۔'' میں اٹھ کھڑا ہو گیا۔ ''پہلے عرفان کی طرف جانا ضروری ہے۔''

''ہوں.....'' وہ گہری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کی فرض شناسی کو سمجھ سکتا ہوں ملک صاحب۔ آپ ایک منٹ رکیں میں قدیر کو ساتھ لے لوں۔''

''قدیر کون.....؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''قدیر بھی اسی فیکٹری میں کام کرتا ہے۔ اس نے عرفان کا گھر دیکھ رکھا ہے۔'' بخاری نے بتایا۔ ''میں اپنی کار میں آپ کو لے کر وہاں جاؤں گا۔ قدیر ہماری رہنمائی کرے گا۔''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلا دی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم تینوں فیکٹری منیجر سلیمان بخاری کی کار میں بیٹھ کر عرفان کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ مذکورہ گھر فاضلیہ کالونی کے عقب میں واقع کچی آبادی میں تھا۔ قدیر کی رہنمائی میں جب سلیمان بخاری نے مین فیروز پور روڈ کو چھوڑ کر کچی آبادی کی سمت گاڑی موڑی تو قدیر نے چونکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''باؤ جی..... ایک منٹ.....''

میں نے چاروں بھینسوں اور مشکی گھوڑے کو چارے والے کمرے کے اندر باندھ دیا تھا اور آج جب میں کافی دیر سے سو کر اٹھا تو وہ گھوڑا کمرے کے اندر اپنے کھونٹے پر جوں کا توں بندھا ہوا تھا۔''

''کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہاری غیر معمولی گہری نیند کے دوران میں کوئی ڈیرے کے اندر داخل ہوا ہو۔'' میں نے ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا۔ ''وہ مشکی گھوڑے کو گھنٹے' آدھے گھنٹے کے لئے ڈیرے سے نکال لے گیا ہو اور پھر تمہاری بے خبری ہی میں اس نے گھوڑے کو لا کر واپس کمرے میں باندھ دیا ہو؟''

''ایسا کبھی ہوا تو نہیں جناب!'' وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں' مجھے جو پتا تھا وہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے.....''

''کل شام میں' ڈیرے پر تمہارے علاوہ اور کون تھا؟''

''میں تھا اور..... بدری تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''بدری کون.....؟'' میں چونک اٹھا۔

''اس کا نام تو بدرالدین ہے جی لیکن بچپن ہی سے وہ ''بدری'' مشہور ہے۔

''جیسے تم رحمو مشہور ہو.....؟''

''جی ہاں.....''

''یہ بدری تمہارے ڈیرے پر کیا لینے آیا تھا؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''جناب! وہ بھی میرے ساتھ ڈیرے پر ہوتا ہے۔'' وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔

''میری طرح وہ بھی چودھری صاحب کا ملازم ہے پر.....''

''پر کیا رحمو؟'' میں نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

''جناب! بدری کی ڈیوٹی صبح سے شام تک ہوتی ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''جبکہ میں رات کو بھی ڈیرے پر ہی رہتا ہوں۔''

''بدری کے ذمے کس نوعیت کے کام ہیں؟''

''وہ زیادہ تر جانوروں کی دیکھ بھال کرتا ہے جی۔'' رحمو نے بتایا۔ ''خصوصاً چودھری صاحب نے اسے گھوڑے کی دیکھ بھال کے لئے رکھا ہوا ہے۔''

''وقوعہ کی رات جب بدری ڈیرے سے رخصت ہوا تو کیا گھوڑا ڈیرے پر ہی موجود

تھا؟'' میں نے پہلے پوچھے ہوئے سوال کو دوسرے انداز سے کیا۔

اس نے اثبات میں جواب دیا اور بتانے لگا۔ ''اس رات بدری میرے لئے رات کا کھانا لے کر آیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے کھانا کھایا اور مزے سے سو گیا۔''

ان لمحات میں میرا ذہن بڑی تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا' میں نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ ''اور پھر تم دوسری صبح یعنی آج صبح خلاف معمول بہت دیر تک سوتے رہے تھے ہیں نا.....؟''

''جی' بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا آج صبح بدری ٹھیک وقت پر ڈیرے نہیں پہنچا تھا؟'' میں نے جاننا چاہا۔ ''اس کی ڈیوٹی تو صبح سے شام تک ہوتی ہے نا؟''

''اگر وہ آج صبح وقت پر آ جاتا تو پھر میرے دیر تک سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جناب۔'' رحمو نے بڑا معقول جواب دیا۔ ''وہ مجھے جگا دیتا۔''

''وہ کتنے بجے ڈیرے پر پہنچا تھا؟''

''دوپہر کے بعد.....''

''اس تاخیر کا اس نے کیا سبب بتایا تھا؟''

''میں نے پوچھا تو کہنے لگا' رات کو ڈیرے سے جانے کے بعد اسے ٹھنڈ لگ گئی تھی۔'' رحمو نے جواب دیا۔ ''اور وہ پوری رات بخار میں پھنکتا رہا۔ صبح وقت پر ڈیرے پر آنے کی ہمت نہیں ہوئی اس لئے دوپہر کو وہ گھر سے نکلا تھا۔'' وہ لمحے بھر کو رکا' ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اس کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے' شام سے پہلے ہی گھر بھیج دیا تھا۔ پتا نہیں' اس بے چارے کا اب کیا حال ہوگا؟''

''اس بے چارے کا حال تو میں تمہیں ادھر تھانے ہی میں ملاحظہ کروا دوں گا۔'' میں نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم صرف مجھے اتنا بتا دو کہ تمہاری گرفتاری پر ابھی تک حویلی کی طرف سے کوئی ہلچل کیوں نظر نہیں آئی۔ تم خود تو چودھری الٰہی بخش کے بہت خاص ملازم ہو؟''

''میں سمجھتا ہوں' میری گرفتاری کی خبر ابھی حویلی تک پہنچی ہی نہیں ہوگی۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''جب مجھے ڈیرے سے گرفتار کیا گیا تو رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا اور اس سے بہت پہلے بدری وہاں سے جا چکا تھا۔ اب صبح جب وہ ڈیرے پر پہنچے گا اور میں اسے

وہاں نہیں ملوں گا تو میری تلاش ہوگی' پھر کہیں جا کر پتا چلے گا کہ میں تو تھانے میں بند ہوں۔''

''چلو' میں مان لیتا ہوں کہ تمہاری گرفتاری ابھی تک حویلی اور گاؤں والوں کی نظروں میں نہیں آئی۔'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔ ''کیا اس نامعلوم عورت کی لاش کا قصہ بھی ابھی تک حویلی کے اندر نہیں پہنچا ہوگا؟''

''اس واقعے کی خبر تو ضرور حویلی کے اندر پہنچی ہوگی جناب۔''

''پھر ادھر سے کوئی ردعمل دیکھنے میں نہیں آیا؟''

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ کوئی معمولی واقعہ تو نہیں۔ چودھری الٰہی بخش آخر اس گاؤں کے کرتا دھرتا ہیں۔ انہیں تھانے آ کر اس معاملے میں اپنی دلچسپی تو ظاہر کرنا چاہئے تھی نا؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں تھانے دار صاحب۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''لیکن ہمارے چودھری صاحب تو گاؤں میں ہی نہیں ہیں اور حویلی میں ان کے بعد عورتیں ہی عورتیں باقی بچتی ہیں۔ اب وہ تو تھانے آنے سے رہیں۔''

''چودھری الٰہی بخش کہاں گئے ہیں؟'' میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا

''وہ لاہور گئے ہوئے ہیں۔'' رحمو نے جواب دیا۔

''کب سے؟''

''اس واقعے سے ایک دن پہلے وہ لاہور روانہ ہو گئے تھے۔'' اس نے بتایا۔ ''اور ان کی واپسی تین چار دن کے بعد ہوگی۔''

''اوہ.....'' میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ''تو اس کا مطلب ہے' یہ گھناؤنا کھیل چودھری الٰہی بخش کے غیاب میں کھیلا گیا ہے۔''

رحمو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے اسے رجب علی کے حوالے کر دیا۔

تھانے سے اٹھنے سے پہلے میں نے دو تین ضروری کام کیے۔ نمبر ایک' رجب علی کو سختی سے تاکید کر دی کہ ملزم رحمو کو ایک طمانچہ تک نہیں مارنا۔ اس نوعیت کے تمام تر ارمان نکالنے کے لئے اسے صبح کوئی اور شکار دے دیا جائے گا۔ نمبر دو' اے ایس آئی مطلوب حسین کو ہدایت دی کہ وہ علی الصباح ڈیوٹی آف کر کے سیدھا بدری کے گھر پہنچے گا اور اسے گرفتار کر کے تھانے پہنچائے گا۔ میں جب صبح تھانے پہنچوں تو بدری کو حوالات میں ہونا چاہئے۔ نمبر تین' میں نے مقامی

کانسٹیبل امین کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ ایک اور کانسٹیبل کو لے کر جائے اور رات کا باقی حصہ چودھری الٰہی بخش کے ڈیرے کی نگرانی میں گزارے گا اور جیسے ہی کوئی شخص اس ڈیرے میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو وہ لوگ فوراً اسے گرفتار کر لیں گے۔ پھر میں اطمینان سے اپنے کوارٹر میں آ گیا۔

رحمو میری نگاہ میں بے گناہ ثابت ہو چکا تھا۔ صبح اس کی بے گناہی کا کوئی نہ کوئی عملی ثبوت بھی مل جاتا تھا۔ بدری کی ذات میری نظر میں مشکوک ہو گئی تھی۔ صبح اے ایس آئی جب اسے تھانے پہنچا دیتا تو میں اس سے بھی پوچھ گچھ کر لیتا۔ رات ڈیرے سے واپسی پر میں نے ڈیرے کے باہر کسی پراسرار موجودگی کو محسوس کیا تھا۔ مجھے یوں لگا تھا' جیسے کوئی چھپ کر ہماری نگرانی کر رہا ہو' عین ممکن تھا وہ ڈیرے کے اندر داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو پھر وہ امین اینڈ کمپنی کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا تھا۔ میں نے امین کو ہر قسم کی کارروائی کے اختیارات دے دیئے تھے۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ بس بندے کو پھڑکانا نہیں باقی سب چلے گا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جب میں صبح تھانے پہنچوں تو مذکورہ شخص سے بھی ملاقات ہو جائے۔

میں اگر کچھ نہیں کر سکا تو اس شخص کے لئے نہیں کر سکا جس کی پراسرار دستک کے بعد ہنگامہ خیزی کا یہ سلسلہ شروع ہوا تھا' جو ہنوز جاری تھا۔ اس کا کوئی نام پتا' سرا ٹھکانا میرے علم میں نہیں تھا' لہٰذا میں اس سلسلے میں مکمل بے بس تھا۔

رات کو جب میں سونے لگا تو رحمو کے الفاظ نے میرے ذہن میں کھلبلی مچا دی۔ اس نے اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر کے مجھے بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ میں نے ان لمحات میں تہ دل سے یہ دعا کی۔

''اے میرے پروردگار! تو میرے ہاتھ سے کسی بے گناہ کو سزا نہ دلوانا ورنہ میں ساری زندگی عذاب مسلسل کا شکار رہوں گا۔''

***

اگلی صبح میری دعا قبول ہو گئی۔

میں تھانے پہنچا تو وہاں اچھی خاصی رونق لگی ہوئی تھی۔ اے ایس آئی مطلوب حسین کو بدری کی طرف جانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی' کیونکہ نصف شب کے بعد کانسٹیبل امین اینڈ کمپنی اسے پکڑ کر تھانے لے آئے تھے۔ بدری دیوار پھلانگ کر چودھری کے ڈیرے

میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ امین اور اس کے ساتھی کانسٹیبل نے اسے رنگے ہاتھوں قابو کر لیا تھا۔ ''رنگے ہاتھوں'' ان معنوں میں کہ اس کے پاس سے کپڑے میں لپٹا ہوا ایک خنجر بھی برآمد ہوا تھا' جس کی دھار پر خون جما ہوا تھا۔

یہ وہی خنجر تھا جس کی تلاش مجھے آلہ قتل کی حیثیت سے تھی۔ اس نامعلوم عورت کو اسی خطرناک خنجر کی مدد سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ بدری مذکورہ خنجر کو ڈیرے میں کسی ایسی جگہ رکھنا چاہتا تھا' جہاں پولیس کی نظر بہ آسانی رسائی حاصل کر سکے۔ رحمو کو ہم نے گرفتار تو کر لیا تھا' لیکن بدری کی خواہش تھی کہ رحمو کے بچاؤ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ اس کیس کے پوشیدہ گوشے بدری کی گرفتاری کے بعد نمایاں ہو گئے تھے۔

میں نے کسی پوچھ گچھ سے پہلے بدری کو پندرہ منٹ کے لئے حوالدار رجب علی کی مہربانی میں دے دیا۔ رنگے ہاتھوں پولیس کی گرفت میں آنے کے بعد اس کی ہمت ویسے ہی ٹوٹ چکی تھی' رہی سہی کسر رجب علی کے مہربان ہاتھوں نے پوری کر دی۔ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد وہ پاؤں پڑ کر اور ہاتھ جوڑ کر اقبالی بیان دینے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

اس نے میرے روبرو خدا کو حاضر و ناظر جان کر جن جرائم کا اعتراف کیا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ مقتول نامعلوم عورت کا نام شاہدہ تھا اور وہ ایک پیشہ ور عورت تھی۔ بدری کسی دوسرے علاقے سے اسے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اور شاہدہ کو بدری ہی نے دریا کے کنارے کھیتوں میں موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ موت کے منہ میں دھکیلنے سے قبل اس نے شاہدہ کے ساتھ بدتمیزی بھی کی تھی اور یہ سب کچھ سوچی سمجھی سازش کے تحت کیا گیا تھا' جس کا شکار رحمو کو بنانا مقصود تھا اور اس مقصد میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا۔

اس گھناؤنے ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے اسی نے رحمو کے کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملائی تھی تاکہ وہ بے سدھ سوتا رہ جائے اور اسے ڈیرے سے گھوڑا نکالنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ مشکی گھوڑا ویسے ہی اس کے ساتھ ہلا ہوا تھا' لہٰذا یہ کام اس نے رحمو کی بے ہوشی کے دوران میں بہ آسانی کر لیا تھا۔

جن کھیتوں میں بدری نے شاہدہ کی شہ رگ کاٹ کر اسے موت کی نیند سلایا تھا وہ ڈیرے سے زیادہ دور نہیں تھے۔ اپنے ظلم کا نشانہ بنانے کے دوران ہی میں اس نے شاہدہ کی کنپٹی کو مسل کر اسے بے سدھ کر دیا تھا' لہٰذا جب اس کی گردن پر خنجر چلانے کی باری آئی تو وہ بے چاری

اپنی زندگی بچانے کے لئے ذرا بھی مزاحمت نہ کر سکی۔ جب کٹی ہوئی شہ رگ سے سارا خون نچڑ گیا تو وہ اسے کسی ذبح کئے ہوئے جانور کے مانند گھسیٹ کر ڈیرے کے قریب لے آیا تھا۔ اس نے ڈیرے کے اندر سے مشکی گھوڑا نکالا اور اس کے بعد سب کچھ وہی کیا جس کا اندازہ میں نے اور کھوجی اللہ رکھا نے قائم کیا تھا۔

بدری سے ایک سنگین غلطی یہ ہوئی کہ وہ آلہ قتل کو اسی جگہ بھول آیا تھا' جہاں کھڑی فصل کے اندر اس نے شاہدہ کو انا اللہ کیا تھا' جبکہ پروگرام کے مطابق یہ خنجر اسے ڈیرے میں کہیں رکھنا تھا' تاکہ ہر سمت سے شاہدہ کے قتل کا شک رحمو پر جائے اور اس کے بچاؤ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ آلہ قتل کو ڈیرے پر چھپانے کے لئے اس نے ایک کوشش اس وقت کی تھی جب میں اور مطلوب حسین ڈیرے کی تلاش کے بعد واپس جا رہے تھے' لیکن ہماری موجودگی نے اسے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا' پھر دوسری کوشش میں وہ پکڑا گیا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ بدری نے ایسا کیوں کیا؟ رحمو کے ساتھ اس کی ایسی کیا دشمنی تھی اور وہ شاہدہ کی جان کا بھی کیوں دشمن ہو گیا تھا؟

ان نہایت ہی اہم سوالات کا بھی بدری نے جواب دیا اور وہ جواب بڑا انکشاف انگیز تھا۔ جی ہاں..... بدری نے یہ سب کچھ رحمو سے کسی ذاتی رنجش کی بنا پر نہیں کیا تھا' بلکہ اس کام کے لئے اسے چودھری الٰہی بخش نے احکامات صادر کئے تھے اور ان معاملات کو صیغہ راز میں رکھنے کی تلقین بھی کی تھی' لیکن پولیس کے حرکت میں آ جانے سے کوئی راز' راز نہیں رہا تھا۔

بدری کے اعترافی بیان کے مطابق رحمو نے کچھ زیادہ ہی ہاتھ پاؤں پھیلا لئے تھے۔ وہ چودھری کی عیاشیوں میں برابر کا شریک تھا' جس کے لئے ڈیرے کا وہی کمرہ استعمال کیا جاتا تھا جو بیڈ روم کی طرز پر سیٹ کیا گیا تھا۔ چودھری اپنے دستر خوان کا بچا بچایا مال اسے بھی کھانے کو دے دیا کرتا تھا۔ اس طرح دونوں کی گاڑی بڑی خوش اسلوبی سے چل رہی تھی۔

اسی دوران میں چودھری الٰہی بخش پر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ رحمو بڑی خاموشی کے ساتھ اس کی حویلی کی ایک عورت پر بھی ہاتھ صاف کر رہا ہے۔ وہ بڑی آزادی سے حویلی کے اندر آتا جاتا تھا' لہٰذا اس کام کے لئے اسے کوئی مشکل نہ ہوئی تھی۔ رحمو کی اس گستاخی نے چودھری کے تن بدن میں آگ بھر دی۔ ان ''تعلقات'' کی تصدیق ہو جانے پر چودھری نے رحمو کو عبرتناک سزا دینے کا منصوبہ بنا لیا۔

چودھری اگر چاہتا تو خود اپنے ہاتھوں یا کسی بھی شخص سے کہہ کر رحمو کو ٹھکانے لگوا سکتا تھا' لیکن اس موقعے پر اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا فیصلہ کیا۔ شاہدہ نامی اس پیشہ ور عورت سے بھی چودھری کو بہت سی شکایات تھیں اور وہ اسے بھی بدترین سزا دینے کا خواہاں تھا' لہٰذا اس نے شاہدہ اور رحمو کو نتھی کر کے ایک پیکیج سا بنا دیا تھا۔

اس کیس کی تمام گتھیاں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آنے سے پہلے ہی کھل چکی تھیں۔ میں نے ایک لمحے کی دیر نہ کی اور بدری کے بعد چودھری الٰہی بخش کو بھی لاہور سے گرفتار کر کے حوالات کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا۔ وہ اپنی ذات کو ہر شک و شبہے سے بالاتر ثابت کرنے کے لئے وقوعہ سے ایک روز پہلے ہی منظر سے غائب ہو گیا تھا' لیکن بدری کی حماقت اسے لے ڈوبی۔

بدری نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ چودھری الٰہی بخش کے حکم کا نتیجہ تھا' قانون کی نظر میں وہ دونوں ایک جیسے مجرم تھے' لہٰذا میں نے ان کے خلاف بڑا مضبوط چالان بنا کر انہیں عدالت کے حوالے کر دیا۔

بدری اور اس کا پردہ نشین آقا عدالت سے لمبی سزا پا کر جیل کی سنگلاخ دیواروں کے پیچھے چلے گئے اور رحم دین عرف رحمو نے ہمیشہ کے لئے اس گناہ سے توبہ کر لی' جس کے سبب وہ اس مصیبت میں گرفتار ہوا تھا۔

یہ فیصلہ اس قدرت کی جانب سے آیا تھا' جس کی عدالت عالیہ میں اس نے اپنا کیس دائر کیا تھا۔

***

فتنہ گر

ایک روز میں حسب معمول تیار ہو کر تھانے پہنچا تو پتا چلا' دو افراد کافی دیر سے میرے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ میں نے انہیں فوراً اپنے کمرے میں بلا لیا۔

ان میں سے ایک مرد اور دوسری عورت تھی۔ ان کے حوالے سے میرے ذہن میں پہلا خیال یہی ابھرا کہ وہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ مرد کی عمر لگ بھگ پچاس نظر آتی تھی۔ وہ وضع قطع' لباس اور رکھ رکھاؤ سے آسودہ حال لگتا تھا۔ عورت کی عمر کا اندازہ میں نے تیس اور پینتیس کے درمیان قائم کیا۔ وہ تیکھے نقوش کی مالک' ایک خوب صورت اور دلکش عورت تھی' تاہم اس وقت وہ کسی گہری پریشانی میں مبتلا دکھائی دیتی تھی۔ مرد بھی خاصا سنجیدہ اور فکر مند تھا۔

میں نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا' پھر باری باری دونوں کے چہروں کا جائزہ لینے کے بعد پوچھا۔ ''جی فرمائیں..... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''میرا نام نواب علی ہے۔'' مرد نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ فریدہ بی بی ہے.....'' اس نے اپنی ساتھی عورت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مزید بتایا۔ ''فریدہ کی جوان بیٹی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ ہم اسی سلسلے میں رپورٹ درج کرانے آپ کے پاس آئے ہیں۔''

نواب علی کی بات سن کر میں چونک اٹھا اور پوچھا۔ ''اور سمجھ گیا کہ نہ فریدہ کی بیٹی اس کی بیٹی ہے اور نہ فریدہ اس کی بیوی۔''

''جی.....'' میں نے نواب علی کی بات سن کر اثبات میں سر ہلایا۔ سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا' وہ مزید بولا۔

''لڑکی کا نام عابدہ ہے' لیکن عام طور پر اسے عابو کہا جاتا ہے۔ عمر یہی کوئی تئیس' چوبیس سال رہی ہوگی۔''

''عابدہ عرف عابو کو کب اور کہاں سے اغوا کیا گیا ہے؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ آج صبح سے غائب ہے جناب!'' فریدہ نے پہلی مرتبہ لب کشائی کی۔

''غائب..... کیا مطلب؟'' میں نے سوالیہ نظر سے باری باری انہیں دیکھا اور پوچھا۔

''آپ تو عابدہ کے اغوا کی رپورٹ درج کرانے آئے ہیں۔''

''ایک ہی بات ہے جی.....'' فریدہ الجھن زدہ انداز میں بولی۔

''ایک بات نہیں ہے بی بی۔'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''اغوا الگ معاملہ ہے اور غائب ہو جانا دوسری بات۔''

''تھانے دار صاحب!'' نواب علی نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''فریدہ دراصل' ذہنی طور پر بہت پریشان ہے۔ اس کے کہنے کا مطلب ہے' عابدہ کو آج صبح اغوا کیا گیا ہے۔''

''جی..... جی ہاں۔'' وہ جلدی سے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''میں آپ کو یہی بتانا چاہ رہی تھی۔''

مجھے یوں محسوس ہوا ہے دال میں کچھ کالا ہے۔ دونوں کی بات' بیان اور چہروں کے تاثرات میں وہ ربط ضبط نظر نہیں آتا تھا' جو اس پریشان کن صورت حال کا خاصا اور تقاضا ہونا چاہئے۔ گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی میں نے اپنی تسلی کے لئے کرید کا عمل شروع کر دیا۔

''نواب صاحب!'' میں نے مرد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''آپ کا فریدہ سے کیا تعلق ہے؟''

''انسانیت کا تعلق ہے جناب!'' وہ بڑی سادگی سے بولا۔

''میں نے فلسفہ بیان کرنے کو نہیں کہا نواب صاحب!'' میں نے قدرے سخت انداز میں کہا۔ ''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کس حیثیت سے فریدہ کے ساتھ آئے ہیں۔ آپ کا ان لوگوں سے کیا رشتہ ہے؟''

''سچ پوچھیں تو..... میری ان سے کوئی رشتے داری وغیرہ تو ہے نہیں۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔ ''آپ میری آمد کو انسانی ہمدردی کہہ سکتے ہیں۔ دراصل فریدہ کے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔ اس کا شوہر کسی زمانے میں ہماری دکان پر کام کرتا تھا' پھر محلے داری بھی ہے' لہٰذا میں ایک

نیک کام سمجھتے ہوئے فریدہ کے ساتھ آ گیا ہوں۔ بس' اتنی سی بات ہے۔''

''یہ اتنی سی بات'' اس نے جس تفصیل سے بیان کی تھی' اس سے پتا چلتا تھا کہ اگر اسے کسی بڑی بات کو بیان کرنے کا موقع دیا جاتا تو پھر آج کا دن پار تھا۔

یہ تفصیل جان کر میں نے پہلے نواب علی کو نمٹانا ضروری سمجھا اور پوچھا۔ ''آپ کی کس چیز کی دکان ہے؟''

''آڑھت کی جناب!'' اس نے جواب دیا۔ ''ادھر سبزی منڈی میں پھل اور سبزی کا میرا خاصا وسیع کاروبار ہے۔ ''خان فروٹ اینڈ ویجی ٹیبل مرچنٹ'' کے نام سے۔ کسی زمانے میں فریدہ کا شوہر یعقوب ہمارے پاس پلے داری کا کام کرتا تھا۔ فروٹ و سبزی کے ٹوکے اور آلو پیاز کی بوریاں وغیرہ اٹھانا اس کے فرائض میں شامل تھا۔''

''تھا' تھا..... کا مطلب یہ ہوا کہ یعقوب اب اس دنیا میں باقی نہیں؟'' میں نے سوالیہ نظر سے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

''ایسی بات نہیں ہے تھانے دار جی۔'' فریدہ جلدی سے بولی۔ ''یعقوب زندہ ہے اور گھر میں موجود ہے۔''

''پھر.....؟'' میں نے نواب علی کی طرف دیکھا۔ ''آپ نے تھوڑی دیر پہلے تو بتایا ہے کہ فریدہ کے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا' اس لئے آپ اس کے ساتھ آئے ہیں' کیا آپ یعقوب کو مرد نہیں سمجھتے؟''

''وہ بات درحقیقت یہ ہے جناب.....'' وہ جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''فریدہ کا گھر والا پچھلے تین سال سے معذوری کی زندگی گزار رہا ہے۔ تین سال پہلے اس پر فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ بالکل بے جان ہو کر رہ گیا ہے اور نظر پر بھی برا اثر پڑا ہے۔ سمجھیں کہ وہ چارپائی سے لگ گیا ہے۔ فریدہ بے چاری پچھلے تین سال سے اس کی خدمت کر رہی ہے۔''

نواب کی وضاحت سے قدرے مطمئن ہونے کے بعد میں نے روئے سخن فریدہ کی جانب موڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تو تمہاری بیٹی عابدہ کو آج صبح اغوا کیا گیا ہے.....؟''

''جی..... جی ہاں۔'' اس نے فوراً تائیدی انداز میں گردن ہلا دی۔

وہ موسم سرما کے دن تھے اور اس وقت صبح کے نو' ساڑھے نو بجے تھے۔ فریدہ کا بیان تھا کہ عابدہ کو آج ہی صبح اغوا کیا گیا تھا' لہٰذا یہ واقعہ بھی تازہ ہی تھا۔ میں نے تصدیق کی خاطر پھر بھی پوچھنا ضروری جانا۔

''صبح کتنے بجے یہ واقعہ پیش آیا ہے؟''

جواب دینے سے پہلے فریدہ نے متذبذب انداز میں نواب علی کی طرف دیکھا' پھر ہونٹ سکیڑتے ہوئے بولی۔ ''کوئی سات ساڑھے سات بجے جناب.....''

میں نے سوال کیا۔ ''عابدہ کو کہاں سے اغوا کیا گیا ہے؟''

''محلے کے مین بازار میں سے۔''

''اوہ.....'' میں نے چونکے ہوئے انداز میں فریدہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''اس کا مطلب ہے' اس واقعے کے کئی لوگ گواہ ہوں گے..... یعنی عینی شاہد؟''

''یہ..... تو تو مجھے پتا نہیں جناب۔'' وہ گڑبڑا گئی۔

''کیا پتا نہیں؟'' میں نے تیز آواز میں کہا۔ ''تمہاری بیٹی محلے کے بازار سے اغوا کی گئی ہے تو اس واقعے کو چار چھ لوگوں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی ہوگا۔''

وہ روہانسی آواز میں بولی۔ ''تھانے دار صاحب! میں نے تو عابد کو صبح صبح دودھ لانے کے لئے مین بازار کی دکان پر بھیجا تھا۔ اسے دس منٹ میں واپس آ جانا چاہئے تھا۔ جب وہ واپس نہیں آئی تو مجھے تشویش ہوئی۔ میں گھر سے نکلی اور اللہ دتہ دودھ فروش کی دکان پر پہنچ گئی۔ اللہ دتہ سے میں نے عابو کے بارے میں پوچھا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں اور پریشان ہو گئی۔ محلے کے جس جس گھر میں اس کے جانے کے امکانات تھے' میں نے وہاں جا کر دیکھ لیا' لیکن وہ کہیں نہیں ملی.....'' اس کی آواز رندھ گئی' چند لمحات کے توقف کے بعد اس نے بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''جب ہر طرف سے ناکامی دیکھنے کو ملی تو میں سیدھی نواب صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ انہوں نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور یہی مشورہ دیا کہ اس واقعہ کی تھانے میں رپورٹ درج کرانا چاہئے' پھر ہم آپ کے پاس آ گئے۔''

''بہت اچھا کیا جو آپ لوگ میرے پاس آ گئے۔'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔ ''لیکن یہ معاملہ مجھے خاصا الجھا ہوا نظر آ رہا ہے۔''

''کیوں جی.....؟'' فریدہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں مجھے دیکھا۔ ''کیا الجھن ہے اس معاملے میں.....؟''

''سب سے بڑی الجھن تو یہ ہے کہ فریدہ بی بی کہ تم اس بات پر اصرار کر رہی ہو کہ تمہاری بیٹی عابدہ کو اغوا کر لیا گیا ہے۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''نہ تو تم نے اغوا کنندگان کو دیکھا ہے اور نہ ہی ایسا کوئی اور عینی شاہد موجود ہے' پھر میں کیسے مان لوں کہ عابدہ کو واقعی اغوا کیا گیا ہے.....تمہارے پاس اس دعوے کا کوئی ٹھوس ثبوت بھی ہے یا یونہی ہوا میں لٹھ گھما رہی ہو؟''

''جی' میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میری بچی کو اغوا کیا گیا ہے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''بی بی! یہ تھانہ ہے اور اس کے بعد کچہری کا نمبر آتا ہے۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''ان دونوں جگہوں پر قانون کی کتابوں کے مطابق معاملات نمٹائے جاتے ہیں اور قانون ہر بات کے لئے واضح دلیل اور ٹھوس ثبوت مانگتا ہے۔''

''عابدہ والے معاملے نے تو فریدہ کی مت ماری ہے جناب!'' نواب علی نے صورت حال کو سنبھالتے ہوئے کہا' پھر براہ راست وہ اپنی ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''فریدہ! تھانے دار صاحب کو نواز کے بارے میں بتاؤ نا.....''

''نواز..... یہ کون ہے؟'' میں نے چونک کر نواب علی کی طرف دیکھا۔

جواب فریدہ نے دیا۔ ''تھانے دار جی! اسی لفنگے نواجا (نواز) نے تو میری بیٹی کو اغوا کیا ہے۔ میں نواجا کے خلاف رپورٹ درج کرانے آئی تھی' لیکن پریشانی میں دماغ نے گڑبڑ کر دی۔''

''اور اب میرے دماغ میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔'' میں نے ذومعنی نظر سے یکے بعد دیگرے ان دونوں کو دیکھا' پھر نواب علی سے پوچھا۔ ''نواب صاحب! یہ کیا چکر چل رہا ہے؟''

''کوئی چکر نہیں جناب!'' وہ بات بناتے ہوئے بولا۔

''فریدہ بہت زیادہ بوکھلائی ہوئی ہے' اس لئے اس کی باتوں میں ربط نہیں۔''

''آپ تو بوکھلائے ہوئے نہیں ہیں نا!'' میں نے بڑی گہری نظر سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ ''جو بھی حقیقت ہے' وہ آپ ہی بیان کر دیں۔ قسطوں میں لقمے دے دے

کر آپ معاملات کو الجھا رہے ہیں.....؟'' میرے آخری جملے میں طنز بھی شامل ہو گیا تھا۔

''جناب! میں تو یہی چاہ رہا تھا کہ فریدہ خود اپنی زبان سے سب کچھ بتائے۔'' وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ بہت زیادہ گھبرائی ہوئی ہے۔''

''اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی گھبراہٹ کا سبب آپ ہیں۔''

''جی.....کیا مطلب؟'' وہ بدکنے والے انداز میں مستفسر ہوا۔

''مطلب یہ کہ.....'' میں نے جو محسوس کیا تھا وہ بے دھڑک کہہ دیا۔ ''ہر سوال کا جواب دینے سے پہلے امداد طلب نظر سے آپ کو دیکھتی ہے' جیسے بولنے کے لئے آپ سے اجازت طلب کر رہی ہو۔ یوں لگتا ہے' یہ اپنی مرضی سے یہاں نہ آئی ہو' بلکہ آپ اسے زبردستی پکڑ کر تھانے لے آئے ہوں۔''

''ایسی.....بات نہیں ہے.....ملک صاحب!'' وہ گڑبڑا گیا۔

''بات کیسی بھی ہے۔'' میں نے رکھائی سے کہا۔ ''آپ تھوڑی دیر کے لئے باہر برآمدے میں جا کر بیٹھیں میں تنہائی میں فریدہ کا بیان لینا چاہتا ہوں۔ اگر اس دوران میں آپ کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں بلاتکلف آپ کو اندر بلا لوں گا۔''

میرا انداز اتنا دوٹوک اور واضح تھا کہ وہ اپنے وہاں سے رکنے کے لئے کوئی توجیہ پیش نہ کر سکا۔ اس نے میرے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں اس سلسلے میں اس کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ وہ اٹھا اور خاموشی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔

''ہاں تو فریدہ بی بی!'' میں نے نواب علی کے جانے کے بعد عابدہ کی ماں سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہارے بیان کے مطابق عابدہ آج صبح دودھ لینے کے لئے دکان پر گئی اور پھر واپس نہیں آئی۔ جہاں تک ممکن تھا' تم نے اسے ڈھونڈ لیا' لیکن کسی کو اس کی کوئی خبر نہیں اور اب تمہارا دعویٰ ہے کہ نواز نے تمہاری بیٹی کو اغوا کر لیا ہے۔ سب سے پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ نواز ہے کون؟''

''وہ کمینہ ہمارا پڑوسی ہے تھانے دار جی.....''

اس انکشاف نے مجھے چونکا دیا اور میں نے پوچھا۔ ''فریدہ! تمہارا شک اپنے پڑوسی نواز کی طرف ہی کیوں جا رہا ہے۔ اس کے لئے تمہارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ہے؟''

''جناب.....'' وہ جزبز ہوتے ہوئے بولی۔ ''وہ شیطان میری معصوم بچی پر بری نظر ڈالتا

تھا۔''

''بری نظر..... کیا مطلب؟''

''وہ ہر اس موقع پر عابدہ کو حریصانہ نگاہ سے دیکھتا تھا' جب بھی وہ اسے نظر آ جاتی۔'' وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔ ''میں اس کی ان گھٹیا حرکتوں سے سخت پریشان تھی۔''

بلی دھیرے دھیرے تھیلے سے باہر آنے لگی تھی۔ میں نے گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''وہ عابدہ کو صرف بری نظر سے دیکھتا ہی تھا' یا زبان سے بھی کچھ کہتا تھا؟''

''وہ بدبخت کہتا تھا کہ اسے عابدہ سے محبت ہو گئی ہے۔'' وہ ناگواری سے بولی۔ ''خوامخواہ میری بچی کو بدنام کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔''

''تم نے اس کی حرکتوں کے جواب میں کیا کارروائی کی؟''

''میں نے پہلے تو اس مردود کو پیار سے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ میری عابو کا پیچھا چھوڑ دے۔'' وہ ایک آہ بھرتے ہوئے بولی۔ ''جب لاڈ پیار کی زبان اس کی سمجھ میں نہیں آئی تو میں نے ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام لیا' لیکن مجال ہے کہ اس ڈھیٹ پر ذرا بھی اثر ہوا ہو۔ تنگ آ کر میں نے اس کی ماں کو اس کے کرتوتوں کے بارے میں بتا دیا۔''

''پھر تو گھر والوں نے اس کی خوب کھنچائی کی ہو گی۔'' میں نے کہا۔

''کوئی نہیں.....'' وہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ ''اس کے گھر میں ہے کون جو اس کو لتاڑے گا۔ آجا کے صرف ایک ماں ہی ہے اور ماں کی نظر میں تو نواجا جیسا شریف اور بھلا مانس لڑکا روئے زمین پر کوئی موجود ہی نہیں۔ آپ کو پتا ہے' اس منحوس نے میری شکایت کے جواب میں کیا کہا تھا؟''

مجھے نہیں پتا تھا لہٰذا میں نے نفی میں گردن ہلا دی۔ ''نہیں.....''

''میں آپ کو بتاتی ہوں جی.....'' وہ بڑے جوش سے بولی۔

ان لمحات میں لگتا ہی نہیں تھا کہ اس کی نوجوان بیٹی اغوا ہو چکی ہے اور اس کے اس انداز سے میں کھٹک گیا تھا۔ میں نے اسے گھسنے کی غرض سے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں' بتاؤ..... میں سن رہا ہوں.....''

''اس بے غیرت عورت نے مجھ سے کہا کہ اگر نواجا میری عابو کو پسند کرتا ہے تو اس میں برائی والی کون سی بات ہے۔ مجھے تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ میری بیٹی ٹھکانے لگ رہی

ہے..... دیکھا آپ نے' اس کم ظرف نے کتنی ہلکی بات کی تھی۔''

''ہاں' تم ٹھیک کہتی ہو۔'' میں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے فریدہ کی ہاں میں ہاں ملائی اور کہا۔ ''اسے اس انداز میں بات نہیں کرنا چاہئے تھی۔ لڑکی والے بڑی نازک پوزیشن میں ہوتے ہیں۔''

''اس بددماغ کے اپنے سامنے کوئی بیٹی ہوتی تو اسے ان نزاکتوں کا احساس ہوتا۔'' وہ چہرے پر ناگواری کے تاثرات سجاتے ہوئے بولی۔ ''میں بیٹی کی ماں ہوں نا..... مجھے لاکھ انداز میں سوچنا پڑتا ہے۔ آپ سمجھدار ہیں..... آپ کو میں کیا بتاؤں جی.....''

''اس معاملے میں تو میں تمہاری ہی حمایت کروں گا فریدہ!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم نے نواز کی ماں سے جو بھی کہا' ٹھیک ہی کہا' لیکن میں اپنی معلومات کے لئے پوچھ رہا ہوں.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے سوالیہ نظر سے فریدہ کو دیکھا اور کہا۔

''کیا نواز کے اندر کوئی بہت بڑی خرابی ہے جو تم نے اس کے بارے میں غور کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا.....؟''

''کوئی ایک خرابی ہو تو بتاؤں جی.....'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا۔ ''جتنی بھی ہیں' سب بتا دو۔''

''وہ شکل صورت کا بس ایویں سا ہے اور اوپر سے کالا مسٹنڈا۔'' وہ ناگواری سے بولی۔ ''میری عابو ہزاروں لاکھوں میں ایک ہے۔ گوری چٹی اور حسین وجمیل' چودھویں کا چاند بھی اس کے سامنے شرماتا ہے۔ میں اپنی مکھن ملائی جیسی بیٹی اس کالے کوے کے پلے تو باندھ نہیں سکتی اور سب سے بڑی بات یہ کہ.....'' وہ تھوڑی دیر کے لئے تھمی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''وہ..... وہ نامراد مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ میں اسے سخت ناپسند کرتی ہوں۔''

''اور تمہاری بیٹی عابو.....؟'' میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

''جی..... کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ چونک کر بولی۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''مطلب یہ کہ کیا عابو بھی اسے اتنا ہی ناپسند کرتی ہے؟''

''جی..... جی ہاں..... بالکل!'' وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''عابو تو اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتی' لیکن یہ شیطان ہاتھ دھو کر میری پھول جیسی بچی کے پیچھے پڑ گیا تھا اور اسے

اغوا کر کے ہی رہا..... تھانے دار جی! آپ اس کافر کو جلدی سے تلاش کر کے میری بیٹی کو بازیاب کرائیں۔ آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر یاد رکھوں گی۔ اس نیکی کا اجر آپ کو اللہ دے گا۔''

اس کی تان گھوم پھر کر اسی بات پر ٹوٹتی تھی کہ نواز عرف نواجا نے اس کی بیٹی عابدہ کو اغوا کر لیا تھا۔ یہ اس کا بغض اور نفرت تھی' جو وہ اپنے دل میں نواز کے لئے رکھتی تھی' ورنہ اب تک کی گفتگو سے میں نے یہی اندازہ قائم کیا تھا کہ نواز' عابدہ کو پسند کرتا تھا اور اس سے شادی کا خواہشمند تھا۔ ممکن ہے عابدہ کی بھی یہی تمنا ہو یا یہ بھی ہو سکتا ہے' وہ نواز سے شادی کا ارادہ نہ رکھتی ہو' لیکن یہ بات طے تھی کہ فریدہ' نواز سے شدید ترین نفرت کرتی تھی اور کسی بھی قیمت پر وہ عابدہ کی شادی نواز سے کرنے کو تیار نہیں تھی۔ اسی تناظر میں' میں نے اس سے ایک اہم سوال کیا۔

''فریدہ بی بی! نواز تمہاری بیٹی پر بری نظر ڈالتا تھا' ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور اس سے شادی کی باتیں کرتا تھا۔ کیا صرف یہی وجوہ کی بنا پر تم کہہ رہی ہو کہ اس نے عابدہ کو اغوا کر لیا ہے یا اس کے علاوہ بھی تمہارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت ہے؟''

''یہ باتیں تو اپنی جگہ ایک حقیقت رکھتی ہی ہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''لیکن میں جس وجہ سے زیادہ شک کر رہی ہوں' وہ نواز کی خطرناک دھمکی ہے جناب.....''

''خطرناک دھمکی؟'' میں نے چونک کر سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔ ''تھانے دار جی! میں نے نواز کی ماں سے نواجا کی حرکتوں کی جو شکایت کی تھی نا' اس سے وہ بہت ناچا تھا' جیسے اس کے تن بدن میں مرچیں لگ گئی ہوں۔ وہ کل..... ہاں' کل اتوار کو مجھ سے ملا اور خوف ناک' سرخ آنکھیں نکال کر بولا..... چاچی فریدہ! میری ماں سے شکایت کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔ اب تمہیں اس کا نتیجہ بھی خود ہی بھگتنا پڑے گا۔ میں تو عابو کی جان چھوڑنے والا نہیں۔ گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکل رہا تو مجھے مجبوراً انگلی کو ٹیڑھا کرنا پڑے گا.....'' یہاں تک بیان کرنے کے بعد وہ رکی' پھر فریادی لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

''اب آپ ہی بتائیں تھانے دار جی..... میں نواجا پر شک نہ کروں تو اور کس پر کروں۔ کل دن میں اس نے مجھے خطرناک نتائج کی دھمکی دی اور آج صبح ہی عابو غائب ہو گئی۔ ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنے کا مطلب تو یہی ہے نا کہ اس بدبخت نے میری عابو کو اغوا کیا ہے۔''

میں بھی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ فریدہ کے موقف میں اب جا کر تھوڑا وزن پیدا ہوا تھا۔

وہ ملتجیانہ اور امداد طلب نظر سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے گمبھیر لہجے پوچھا۔

''کیا تم نے نواز کے گھر سے بھی عابدہ کا پتا کیا؟''

''جہاں میں نے پورے محلے میں عابو کو ڈھونڈا ہے' وہیں نواجا کے گھر کو بھی چیک کیا ہے جناب۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔ ''وہ وہاں بھی نہیں ملی۔ چاروں طرف سے مایوس ہونے کے بعد ہی آپ کے پاس آئی ہوں جی۔''

''نواز تمہاری بیٹی کی گمشدگی کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''وہ گھر میں ہوگا تو کچھ کہے گا نا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''وہ بھی آج صبح ہی سے غائب ہے.....''

''اوہ.....'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''اس کی ماں کیا بتاتی ہے؟''

''آسیہ کا کہنا ہے کہ وہ آج صبح ہی گوجرانوالہ گیا ہے۔'' فریدہ نے بتایا۔ دس سال پہلے نواز کے باپ رفیق عرف فیکا کا انتقال ہو گیا تھا۔

''گوجرانوالہ وہ کیا کرنے گیا ہے؟'' میں نے فریدہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''آسیہ نے اس بارے میں بھی تو کچھ بتایا ہوا۔''

ایک بات کا میں ذکر کرنا بھول گیا کہ ان دنوں میں ضلع گوجرانوالہ کی ایک معروف تحصیل ''حافظ آباد'' کے ایک تھانے میں تعینات تھا۔ حافظ آباد' گوجرانوالہ سے زیادہ دور نہیں۔ بہ مشکل آدھے' پونے گھنٹے کا راستہ ہوگا۔ یہ بڑا زرخیز اور زرعی علاقہ ہے۔ فریدہ' آسیہ اور نواب علی حافظ آباد کی منظور کالونی میں رہتے تھے۔ یہ محلہ میرے تھانے کی حدود میں آتا تھا۔ یہ سارا علاقہ نیم دیہاتی یا نیم شہری سمجھ لیں۔

فریدہ نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

''جناب! نواجا گوجرانوالہ کی کسی فیکٹری میں کام کرتا ہے۔'' وہ ایک بوجھل سانس خارج کرنے کے بعد انکشاف انگیز لہجے میں بولی۔ ''ایک ہفتہ چھوڑ کر یعنی پندرہ دن کے بعد وہ ایک دن کی چھٹی لے کر گھر آتا ہے۔ یعنی ہفتے کی رات کو وہ یہاں پہنچتا ہے اور سوموار کی صبح واپس گوجرانوالہ چلا جاتا ہے۔ اسی طرح عموماً وہ ایک مہینے میں حافظ آباد کے دو چکر لگاتا ہے۔''

''اور باقی کے دن؟'' میں نے سوالیہ انداز میں فریدہ کو دیکھا۔

''باقی کے دن۔'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ ''وہ ادھر ہی کسی کرائے کے کوارٹر میں گزارتا ہے۔''

اس روز بھی سوموار تھا اور جنوری کی پندرہ تاریخ۔ اس کا مطلب تھا کہ نواز ہفتہ کی رات یعنی تیرہ جنوری کو منظور کالونی پہنچا تھا۔ اس نے چودہ جنوری اتوار کا دن اپنے گھر میں گزارا اور آج صبح پندرہ جنوری کو واپس چلا گیا۔ اس حساب کی رو سے وہ اس سے پہلے دسمبر کے آخری دنوں میں چھٹی پر آیا ہوگا اور آئندہ اس کی آمد ستائیس جنوری کو متوقع تھی۔

مگر میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے اس کی آمد کا انتظار میں بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا' لہٰذا میں نے تسلی بھرے لہجے میں فریدہ سے کہا۔ ''بی بی! تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ میں آج ہی نواز کی ماں سے کڑی پوچھ گچھ کرتا ہوں اور اس کے بعد میں بہ ذات خود گوجرانوالہ جا کر نواز کو بھی چیک کروں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ جلد از جلد تمہاری بیٹی کو بازیاب کرا لوں۔''

''جی' آپ کا بہت بہت شکریہ.....'' وہ تشکرانہ انداز میں بولی۔

میں نے اپنی معلومات کی غرض سے پوچھ لیا۔ ''یہاں منظور کالونی میں تو تم نے عابو کو ہر جگہ تلاش کر لیا ہے۔ کیا اس کے علاوہ بھی وہ کہیں جا سکتی ہے..... میرا مطلب ہے' منظور کالونی سے باہر' کسی عزیز رشتے دار کے گھر؟''

''نہیں جی' اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''ہمارا کوئی رشتے دار نہ تو منظور کالونی کے اندر ہے اور نہ ہی باہر کسی اور علاقے میں۔''

''یہ جو نواب صاحب تمہارے ساتھ آئے ہیں۔'' میں نے اپنے کمرے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یہ خاصے ہمدرد اور خدا ترس لگتے ہیں' ورنہ آج کل کون کسی کی خاطر تکلیف اٹھاتا ہے۔''

ایک لمحہ متذبذب نظر سے مجھے دیکھنے کے بعد اس نے جواب دیا۔ ''نواب صاحب واقعی اللہ کے نیک بندے ہیں۔ قوبا تو تین سال پہلے تک ان کا ملازم رہا ہے۔ اس کی معذوری کے بعد یہ آج تک ہمارا خیال رکھے ہوئے ہیں۔ ہر مشکل پریشانی میں انہوں نے ہمارا ساتھ دیا' ورنہ میرا کمانے والا کون ہے۔ نواب صاحب نے ہمارا مہینہ باندھا ہوا ہے۔ ضرورت کا سارا راشن گھر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اگر کوئی ضرورت ہوتی ہے تو یہی پوری کرتے ہیں۔ دیکھ

لیں کہ اس مصیبت کی گھڑی میں بھی یہ میرے ساتھ کھڑے ہیں۔ دنیا نواب صاحب جیسے نیک دل لوگوں کے دم ہی سے چل رہی ہے جناب!''

''تم ٹھیک کہتی ہو فریدہ.....'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

اس نے پوچھا۔ ''تھانے دار جی! اب میرے لئے کیا حکم ہے؟''

''تم مطمئن ہو کر اپنے گھر جاؤ۔'' میں نے تشفی آمیز انداز میں کہا۔ ''میں انشاء اللہ بہت جلد تمہاری بیٹی کو ڈھونڈ نکالوں گا۔''

وہ میرا شکریہ ادا کر کے کمرے سے نکل گئی۔

اگلے ہی لمحے نواب علی میرے پاس آ گیا۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ممنونیت بھرے انداز میں کہا۔

''ملک صاحب! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے عابدہ کے معاملے کو بڑی سنجیدگی سے لیا اور فریدہ سے وعدہ کیا ہے کہ آپ نواجا کی تلاش میں گوجرانوالہ بھی جائیں گے۔''

''یہ تو میرا فرض ہے جناب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تھانہ آخر ہوتا کس لئے ہے۔ اگر پولیس اپنے علاقے کے لوگوں کے مسائل حل نہیں کرے گی تو پھر اس محکمے کے وجود کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔''

''آپ کی سوچ عام پولیس والوں سے بہت مختلف ہے ملک صاحب؟''

''میں تو کہتا ہوں' ہر پولیس والے کی یہی سوچ ہونا چاہئے۔''

''کاش! ایسا ہو جائے.....'' وہ بڑے تمنائی انداز میں بولا' پھر کہا۔ ''بہرحال' اگر گوجرانوالہ میں آپ کو کسی قسم کی مدد یا تعاون کی ضرورت پیش آئے تو میں حاضر ہوں۔ میں آپ کو وہاں کے ایک دو لوگوں کے ایڈریس دے دیتا ہوں۔ آپ میرا نام لیں گے تو وہ اپنا کام چھوڑ چھاڑ کر آپ کے ساتھ لگ جائیں گے اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔''

میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ میری خاطر کوئی اپنا کام کاج چھوڑ دے اور نہ ہی مجھے اپنے حکم کی بلاوجہ تعمیل کرانے کا کبھی شوق رہا' تاہم نواب علی کا دل رکھنے کے لئے میں نے اس کی بات مان لی۔

اس نے مجھے گوجرانوالہ کے دو افراد کے نام اور ایڈریس نوٹ کروا دیئے۔ وہ دونوں اسی کے ہم پیشہ تھے۔ ان میں سے ایک کا نام مہر سلیم تھا' جو پرانی سبزی منڈی کا ایک معروف آڑھتی

تھا' جبکہ دوسرے یعنی چودھری اقبال کا تعلق نئی سبزی منڈی سے تھا۔ مذکورہ سبزی منڈی تھانہ صدر گوجرانوالہ کے پچھواڑے تھوڑے فاصلے پر واقعہ تھی' یعنی شیخوپورہ روڈ پر.....''

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں رخصت ہو گئے۔

***

منظور کالونی کا مین بازار فریدہ کے گھر سے ایک گلی کے فاصلے پر تھا اور یہ دونوں گلیاں ایک دوسرے پر عمود بناتی یا گراتی تھیں' کیونکہ ایک مقام پر ان کے باہم قطع کرنے سے ایک چوراہا وجود پاتا تھا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق فریدہ کے گھر سے مین بازار میں واقع دودھ کی دکان تک پہنچنے کے لئے بہ مشکل ایک منٹ کا وقت درکار تھا' لہٰذا عابو کو زیادہ سے زیادہ اس دکان سے دودھ لے کر دس منٹ کے اندر اندر واپس گھر آ جانا چاہئے تھا اور..... وہ نہیں آئی تھی۔

میں نے عابدہ کے اغوا کو ذہن میں رکھتے ہوئے سب سے پہلے تو اللہ دتہ شیر فروش سے پوچھ گچھ کی۔ میں کانسٹیبل حمید اللہ کے ساتھ جائے وقوعہ پر پہنچا تھا۔ اس وقت دوپہر ہو رہی تھی۔ تاہم اب بھی فضا میں اچھی خاصی خنکی موجود تھی۔ اللہ دتہ کی عمر ساٹھ کے قریب رہی ہو گی۔ وہ ایک دبلا پتلا اور دراز قامت شخص تھا۔ سر اور مونچھ' ڈاڑھی سب سفید ہو چکا تھا اور اس سفیدی کو چھپانے کے لئے وہ باقاعدہ خضاب کا استعمال کرتا تھا۔ میں نے اس کے بالوں کو ایک نظر دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ خود کو جوان دکھانے کے لئے کون سا نسخہ استعمال کر رہا تھا۔

اس نے میرے سوال کے جواب میں حیرت بھرے انداز میں کہا۔ ''تھانے دار صاحب! صبح عابو کی ماں بھی مجھ سے ایسی ہی باتیں پوچھ کر گئی ہے' لیکن یقین کریں' میں عابو کے بارے میں کچھ نہیں جانتا..... وہ کہاں غائب ہو گئی' مجھے کچھ پتا نہیں۔''

''وہ جہاں بھی غائب ہے اسے میں خود ڈھونڈ نکالوں گا اللہ دتہ! تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ عابو نے آج صبح تمہاری دکان سے دودھ لیا تھا یا نہیں؟''

''مجھے اچھی طرح یاد ہے سرکار!'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''آج تو میں نے عابو کو کہیں بھی نہیں دیکھا۔ وہ صبح میرے پاس دودھ لینے نہیں آئی تھی۔''

''وہ تمہارے پاس دودھ لینے نہیں آئی اور تم نے اسے دیکھا بھی نہیں۔'' میں نے خود کلامی والے انداز میں کہا۔ ''پھر وہ کہاں گم ہو گئی.....؟ فریدہ کے مطابق تو وہ دودھ لینے گھر سے نکلی تھی'

ایلومینیم کی چھوٹی بالٹی کے ساتھ' پھر نہ تو وہ گھر پہنچی اور نہ ہی ایلومینیم کی بالٹی کا کوئی سراغ ملا ہے۔''

''جناب.....!'' وہ بڑی راز داری سے بولا۔ ''فریدہ نے آپ کو راز والی بات نہیں بتائی.....؟''

''راز والی بات!'' میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ''کون سی بات اللہ دتہ؟'' میں نے چونکے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''یہاں تو ہر طرف وہ کہتی پھر رہی ہے.....'' وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔ ''کہ آسیہ کے لڑکے نواجا نے اس کی بیٹی کو اغوا کر لیا ہے۔''

''ہاں اللہ دتہ! یہ بات اس نے مجھ سے بھی کہی ہے' لیکن مجھے اس کی بات کا یقین نہیں آیا۔'' میں نے اس کے دل کا حال جاننے کی غرض سے کہا' پھر گلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اضافہ کیا۔

''اب تم خود ہی دیکھ لو' یہاں ایسے کوئی آثار نظر آ رہے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ صبح ہی صبح ایک لڑکے نے ایک لڑکی کو اغوا کیا ہے.....؟''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں تھانے دار صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ایسے ویسے آثار تو نہیں ہیں۔''

''اور پھر لڑکی..... لڑکے کے گھر تمہاری دکان سے دور ہی کتنے ہیں؟'' میں نے مزید چڑاتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہاں اغوا کی کوئی واردات ہوئی ہوتی تو تمہاری نظر سے کیسے چھپ سکتی تھی۔ عابو چپ چاپ تو اغوا نہیں ہو گئی ہو گی نا..... اس نے کچھ تو مزاحمت کی ہو گی' تھوڑی بہت چیخی چلائی بھی ہو گی۔ اس صورت میں بھی عابو کی آواز تمہارے کانوں تک ضرور پہنچتی..... ہیں نا؟''

''اس بات پر تو میں نے غور ہی نہیں کیا سرکار!'' وہ حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔ ''اس کا مطلب ہے' فریدہ اغوا والی بات جھوٹ کہہ رہی ہے..... اس کی بیٹی خود ہی کہیں چلی گئی ہو گی.....''

''کہاں چلی گئی ہو گی؟'' میں نے قدرے سخت انداز میں سوال کیا۔

''مم..... میرا مطلب ہے.....'' وہ گڑبڑاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''وہ خود ہی نواجا کے

ساتھ کہیں چلی گئی ہوگی۔''

ان لمحات میں اللہ دتہ کا ذہن بالکل میرے ذہن سے میچ کر رہا تھا۔ میں نے فریدہ کی زبان سے اغوا کی کہانی سن کر تفتیش کا آغاز تو کر دیا تھا' لیکن میرا دل اس حوالے سے مطمئن نہیں تھا۔ مجھے بھی یہی شک تھا کہ اگر عابو' نواجا کے ساتھ گئی ہے تو پھر وہ راضی خوشی اپنی منشا سے گئی ہو گی۔ میں نے کرید کا عمل جاری رکھتے ہوئے اللہ دتہ سے مزید استفسار کیا۔ ''تو..... تمہارا مطلب ہے' ان دونوں کے بیچ پہلے سے کوئی چکر چل رہا تھا.....؟''

''جناب.....'' وہ متاملانہ انداز میں بولا۔ ''کہتے ہیں کہ کسی کی بہو بیٹی کے بارے میں اس قسم کی باتیں نہیں کرنا چاہئے.....'' وہ لمحاتی توقف کے بعد تھوڑی ہمت کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے یہ تو پتا نہیں جی کہ ان کے درمیان کوئی چکر وغیرہ چل رہا تھا یا نہیں البتہ' میں نے سنا ہے' وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔''

''نواجا کی پسندیدگی کا تو مجھے بھی پتا چلا ہے۔'' میں نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی میرے علم میں لائی گئی ہے کہ نواجا کا معاملہ یک طرفہ تھا۔ عابو اس سے سخت نفرت کرتی تھی۔''

''یہ بات آپ کو کس نے بتائی ہے؟'' وہ نفی میں گردن جھٹک کر سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''فریدہ نے.....'' میں نے جواب دیا۔

''وہ اپنی بیٹی کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔'' اللہ دتہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

میری حیرت الجھن میں بدل گئی۔ میں نے پوچھا۔ ''کس سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے؟''

''بدنامی سے!'' وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اسی لئے سارا ملبہ وہ نواجا پر ڈال رہی ہے۔''

''ذرا وضاحت کرو اللہ دتہ!'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

''دیکھیں جی.....'' وہ محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے راز دارانہ لہجے میں بولا۔ ''میں سمجھتا ہوں' نواجا اور عابو میں پیار محبت کا کھیل چل رہا تھا' لیکن فریدہ' نواجا کے سخت خلاف بلکہ اس کی دشمن ہے' جب عابو نے دیکھا ہوگا کہ یہ معاملہ کبھی سیدھا نہیں ہوسکتا تو وہ نواجا

کے ساتھ بھاگ گئی.....'' تھوڑی دیر کو رک کر اس نے ایک گہری سانس لی' پھر اسی پراسرار دھیمے لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اب فریدہ بدنامی کے خوف سے اغوا کا شور مچا کر بے چارے نواجا کو مجرم ٹھہرا رہی ہے۔ میں تو کہتا ہوں' یہ کام لڑکی لڑکا دونوں کی ملی بھگت سے ہوا ہے۔''

''یہ تمہارا اندازہ ہے یا اس سلسلے میں تمہارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت بھی ہے؟'' میں نے اللہ دتہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جناب! آپ اسے میرا اندازہ سمجھ لیں۔'' وہ فوراً پسپائی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ میرے حوالے سے اس بات کا کہیں ذکر نہ کریں تو بڑی مہربانی ہوگی۔''

''تم بالکل بے فکر رہو اللہ دتہ!'' میں نے اس کے تحفظات کے پیش نظر کہا۔ ''اس معاملے میں تمہارا نام کہیں نہیں آئے گا۔''

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی میری تقلید میں کھڑے ہوتے ہوئے جلدی سے بولا۔

''تھانے دار صاحب! آپ تھوڑی دیر اور بیٹھ جائیں۔ میں آپ کی کچھ خاطر تواضع تو کر دوں۔''

''اللہ دتہ! تم بھی عجیب آدمی ہو۔'' میں نے حیرت بھری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''لوگ تو آتے وقت خاطر داری کے بارے میں پوچھتے ہیں اور تم رخصت کے وقت مجھ سے ایسی فرمائش کر رہے ہو؟''

''وہ جناب..... آپ کو تو دیکھ کر میری مت ہی ماری گئی تھی۔'' وہ بوکھلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

''کیوں' میرا چہرہ اتنا ہی خوف ناک ہے کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ بات نہیں جناب!'' وہ جلدی سے بولا۔ ''دراصل یہ پولیس کی وردی جو ہے نا۔ اس سے بڑی دہشت پیدا ہوتی ہے۔ صبح سے یہاں عابو کے اغوا کی کہانی گردش کر رہی ہے اور فریدہ کا دعویٰ ہے کہ اس نے عابو کو دودھ لینے کے لئے میری دکان پر بھیجا تھا۔ جب میں نے آپ کو اپنی دکان کی طرف آتے دیکھا تو گھبرا گیا کہ آپ کہیں عابو کے چکر میں مجھے گرفتار کر کے اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ بس..... اتنی سی بات بھی جناب!''

''اللہ دتہ! یہ ٹھیک ہے کہ لوگ پولیس کی وردی دیکھتے ہی خوف زدہ ہو جاتے ہیں' لیکن میں ذرا مختلف قسم کا تھانے دار ہوں۔ میں نے آج تک کسی بے قصور کو بلاوجہ ڈرانے دھمکانے کی کوشش نہیں کی۔''

''وہ تو جناب' آپ سے تھوڑی دیر بات چیت کر کے ہی مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اور..... اب تو اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ میں آپ کو کچھ کھلائے پلائے بغیر اپنی دکان سے نیچے قدم نہ رکھنے دوں۔''

میں اس کی پرخلوص پیشکش کو ٹھکرا نہ سکا۔ اللہ دتہ نے میرے لئے اور..... میرے ٹوکنے پر کانسٹیبل حمید اللہ کے لئے ایک جیسی تواضع کا بندوبست کر دیا۔ اس نے دو پیالوں میں کڑاہی کا نیم گرم دودھ بھرا' اس پر موٹی تہ والی ملائی (بالائی) ڈالی' پھر ایک پلیٹ میں برفی کی ڈلیاں سجا کر ہماری طرف بڑھا دیا۔ ہم دونوں اللہ کا نام لے کر دودھ اور مٹھائی سے انصاف کرنے لگے۔

اللہ دتہ دودھ دہی کے علاوہ اپنی دکان پر برفی بھی فروخت کرتا تھا۔ اس چند منٹ کی گفتگو میں اللہ دتہ نے مجھے سوچ کا ایک نیا زاویہ دیا تھا۔ اس کیس میں اس بات کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عابو اپنی مرضی اور خوشی سے نواجا کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہو۔ اللہ دتہ کی دکان سے نکلنے کے بعد میں نے کانسٹیبل حمید اللہ کو مبینہ جائے وقوعہ کا جائزہ لینے کے لئے وہیں چھوڑ دیا اور خود نواجا کے گھر کی جانب بڑھ گیا۔ حمید اللہ ایک سست الوجود اور ہڈحرام قسم کا پولیس اہلکار تھا۔ میں چھوٹی موٹی کارروائیوں میں اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا اور قدم قدم پر ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے اس میں احساس ذمہ داری اجاگر کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

***

میری دستک کے جواب میں دروازہ ایک ادھیڑ عمر عورت نے کھولا اور مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ ایک لمحے کے لئے چونک گئی' تاہم اگلے ہی لمحے اس نے سنبھل کر پوچھا۔ ''جی..... کیا بات ہے.....؟''

وہ بھاری بدن کی مالک ایک پستہ قامت اور گوری چٹی عورت تھی۔ آنکھوں پر اس نے نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ پتا نہیں کیوں' مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی میری آمد کا مقصد سمجھ گئی تھی۔ اس کے باوجود میں نے رسمی کارروائی ضروری سمجھی اور اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''میرا نام ملک صفدر حیات ہے۔ میں اس علاقے کا تھانہ انچارج ہوں۔''

''وہ تو جناب..... آپ اپنی بات چیت اور رعب داب ہی سے لگ رہے ہیں۔'' وہ بے خوف لہجے میں بولی۔ ''مجھے لگ رہا ہے' آپ میرے بیٹے نواجا کو ڈھونڈتے ہوئے ادھر آئے ہیں..... ہیں نا؟''

''واہ بھئی..... لگتا ہے' آپ تو کوئی نجومن ہو۔'' میں نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ میں نواجا ہی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔''

''میں کوئی نجومن ہوں اور نہ ہی مجھے غریب کا علم ہے۔'' وہ قدرے بیزاری سے بولی۔ ''میں نواجا کی ماں آسیہ ہوں جناب تھانے دار صاحب..... صبح سے یہاں جو ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے' اسی سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ خبر آپ کے تھانے تک بھی پہنچی ہو گی کہ میرے نواجا نے عابو کو اغوا کر لیا ہے۔''

''تمہارا یہ اندازہ بھی سو فیصد درست ہے آسیہ۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آج صبح تمہارے بیٹے کے خلاف میرے پاس اغوا کی رپورٹ درج کرائی گئی ہے۔ میں اسی

سلسلے میں تفتیش کے لئے ادھر آیا ہوں۔''

''رپورٹ عابدہ کی ماں نے درج کرائی ہوگی؟'' اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد آسیہ سے پوچھا۔ ''یہاں گلی میں کھڑے ہوکر بات کرنا مناسب نہیں۔ کیا تمہارے گھر کے اندر بیٹھنے کی جگہ ہے؟''

''آپ آجائیں اندر.....'' وہ میرے لئے راستہ چھوڑتے ہوئے بولی۔

میں گھر میں داخل ہوگیا۔ آسیہ کی بے خوفی نے مجھے متاثر کیا تھا' ورنہ پولیس جس دروازے پر دستک دے' وہاں کے مکینوں میں ایک تھرتھلی سی مچ جاتی ہے۔ کوئی لاکھ بے گناہ اور بے قصور کیوں نہ ہو' وہ پولیس کی آمد سے پریشان ضرور ہوجاتا ہے' جبکہ آسیہ پر ایسا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس کا یہی مطلب تھا کہ وہ آہنی اعصاب کی مالک ہے اور یہ کہ..... وہ کسی ایسے ویسے معاملے میں ملوث نہیں' جس کی بنا پر انسان کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہو۔

میں آسیہ کی تقلید میں' گھر کے صحن میں پہنچ گیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ تین مرلے (تقریباً ستر گز) پر مشتمل ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ ایک بیٹھک نما کمرہ آگے اور ایک اسی سائز کا چھوٹا سا کمرہ پیچھے' بیچ میں ایک لگ بھگ کمروں کی پیمائش ہی کا صحن' صحن میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔

''آئیں جی بیٹھیں۔'' وہ ایک چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی اور جلدی سے مذکورہ چارپائی پر ایک چادر بھی بچھا دی۔ میں چارپائی پر بیٹھ گیا' لیکن آسیہ متذبذب کھڑی رہی۔ میں نے الجھن زدہ نظر سے اسے دیکھا اور پوچھا۔

''آسیہ! کیا بات ہے' تم کچھ پریشان نظر آرہی ہو؟''

''آں..... ہاں.....'' وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ ''تھانے دار جی! آپ اندر کمرے میں آجائیں۔'' پھر اس نے اندرونی کمرے کی جانب اشارہ بھی کردیا۔

میں ایک لمحے کے لئے تو تذبذب کا شکار ہوا۔ خالی گھر میں آسیہ اکیلی عورت تھی اور مجھے گھر کے پچھلے کمرے میں بیٹھنے کو کہہ رہی تھی۔ مجھے چونکنا تو رہنا چاہیے تھا' تاہم اگلے ہی لمحے میرے دل نے کہا کہ آسیہ کی نیت صاف اور سوچ صحت مند ہے' لہٰذا مجھے ہچکچانے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی میں آسیہ کے ساتھ کمرے کے اندر پہنچ گیا' لیکن یہ

پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''آسیہ! کیا باہر صحن میں بیٹھنے میں کوئی قباحت تھی؟''

''قباحت تو کوئی نہیں جناب!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ سب کچھ میں نے احتیاط کے پیش نظر کیا ہے.....''

''کیسی احتیاط.....؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔

''فریدہ کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ ''جب آپ میرے گھر میں داخل ہوئے اور میں دروازہ بند کر رہی تھی تو میں نے اس عورت کو اپنے دروازے کی جھری سے جھانکتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔'' وہ لمحے بھر کے لئے تھمی۔ ایک آسودہ سانس خارج کی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''اگر ہم صحن میں بیٹھ کر بات کرتے تو اس منحوس کے کان درمیانی دیوار سے لگے رہتے۔ اس کی یہ غیر اخلاقی حرکت مجھے بے چین رکھتی اور میں آپ کے ساتھ تسلی سے بات نہیں کرسکتی تھی۔ بس' اسی وجہ سے میں آپ کو اندر کمرے میں لے آئی ہوں۔''

''لگتا ہے' آپ لوگوں میں اکثر گرما گرمی ہوتی رہتی ہے۔'' میں نے چارپائی پر پھیل کر بیٹھنے کے بعد کہا۔ ''وہ تمہیں اور تم اسے بالکل پسند نہیں کرتی ہو؟''

''کچھ ایسی ہی بات ہے جناب!'' وہ ناگواری سے بولی' پھر جلدی سے کہا۔ ''آپ آرام سے بیٹھیں جی' میں آپ کے لئے.....''

''اس تکلف کی بالکل ضرورت نہیں آسیہ بی بی!'' میں نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''تم میرے سامنے بیٹھو اور میں جو پوچھوں اس کا سچا اور سیدھا جواب دو۔ تمہاری سب سے بڑی خدمت یہی ہوگی کہ تم قانون کے ساتھ بھرپور تعاون کرو۔''

چند لمحات کی سوچ بچار کے بعد وہ سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

میں نے آئندہ دس منٹ تک مختلف سوالات کرکے آسیہ سے جو معلومات حاصل کیں' اس کا خلاصہ کچھ یہ بنتا ہے۔

نواز عرف نواجا' عابدہ عرف عابو کو پسند کرتا تھا اور اس سے شادی کی خواہش رکھتا تھا' لیکن فریدہ ایسا نہیں چاہتی تھی' جبکہ عابو کا رجحان بھی نواجا کی طرف تھا۔ نواجا نے اپنی ماں کو دل کا حال سنایا اور اس کا رشتہ چلانے کی بات کی' لیکن فریدہ نے یہ بہانہ کرکے صاف منع کردیا کہ وہ اپنی

بیٹی کی شادی اپنی بہن کے بیٹے سے کرے گی' جو وزیر آباد میں رہتے ہیں' وغیرہ وغیرہ.....

''لیکن فریدہ نے تو مجھے بتایا ہے کہ اس کا کوئی رشتے دار کہیں نہیں ہے؟'' آسیہ کے خاموش ہونے پر میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''حقیقت تو یہی ہے جناب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''بہن اور بھانجے کا کردار بھی فرضی ہے' صرف مجھے انکار کرنے کے لئے۔ فریدہ اول درجے کی مکار اور جھوٹی ہے۔ مجھے مطمئن کرنے کے لئے اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس کی بہن زبیدہ وزیر آباد میں رہتی ہے اور زبیدہ کا بیٹا طفیل چھری چاقو بنانے والی ایک فیکٹری میں کام کرتا ہے۔ کسی سے سن لیا ہوگا کہ وزیر آباد چھریاں چاقو بنانے کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔ میں نے تو کبھی اس جھوٹی کی بہن کو یہاں آتے جاتے نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ چھریاں چاقو بنانے والا طفیل کبھی نظر آیا ہے.....''

وزیر آباد بھی گوجرانوالہ کی ایک تحصیل تھی' جو دریائے چناب کے کنارے واقع تھی۔ وزیر آباد کی سب سے معروف صنعت اور پہچان چاقو اور چھری سازی ہی تھی۔ اس زمانے میں ضلع گوجرانوالہ کی تین تحصیلیں ہوا کرتی تھیں۔ نمبر ایک گوجرانوالہ' نمبر دو حافظ آباد' نمبر تین وزیر آباد۔ آج کل کا مجھے پتا نہیں کہ اس ضلع میں کون کون سی جغرافیائی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔

''فریدہ نے تو اس بات کا ذکر بھی نہیں کیا کہ تم نے باقاعدہ نواجا کے رشتے کی بات چلائی تھی؟'' میں نے کہا۔

''ایک جھوٹا انسان جتنے بھی جھوٹ بول لے یا کتنے بھی سچ کو چھپانے کی کوشش کرے' کیا کہہ سکتے ہیں۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

میں نے کہا۔ ''آسیہ! یہ ساری باتیں ایک طرف' لیکن فریدہ کی لڑکی تو گھر سے غائب ہے اور اس کا دعویٰ ہے' تمہارے بیٹے ہی نے عابو کو اغوا کیا ہے۔ تم اس سلسلے میں کیا کہتی ہو؟''

''تھانے دار جی!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ''میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ نواجا نے عابو کو اغوا نہیں کیا اور یہ کہ وہ کہاں غائب ہے؟ یہ عابو کو پتا ہوگا یا اس کی ماں فریدہ کو.....''

''تم نے بڑے وثوق سے کہا کہ نواجا' عابو کے اغوا میں ملوث نہیں۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ٹھوس ثبوت بھی ہے؟''

''جی ہاں..... ہے ٹھوس ثبوت!'' وہ اپنی آنکھوں کو چھوتے ہوئے بڑے اعتماد سے بولی۔ ''یہ ہے جیتا جاگتا ثبوت تھانے دار صاحب!''

''میں کچھ سمجھا نہیں آسیہ بی بی!'' میں نے متاملانہ لہجے میں کہا۔ ''تھوڑی وضاحت کرو کہ تمہاری آنکھوں نے ایسا کیا دیکھ لیا ہے' جس کی بنا پر تم اپنے بیٹے کو بے قصور سمجھ رہی ہو؟''

''میری آنکھوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا ہے۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔ ''ایک دن کی چھٹی گزارنے کے بعد جب وہ سوموار کی صبح گوجرانولہ کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو میں دروازے میں کھڑے ہو کر اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہتی ہوں۔'' وہ تھوڑی دیر کے لئے رکی' ایک بھرپور سانس کھینچی' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''آپ مین بازار سے ہوتے ہوئے میرے گھر آئے ہیں۔ آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ میں اپنے دروازے میں کھڑی ہو کر دور دور تک کا منظر دیکھ سکتی ہوں۔ یہاں سے مین بازار کا بھی ایک حصہ نظر آتا ہے۔ جب تک نواجا مین بازار سے نکل کر میری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو جاتا' میں دروازے میں کھڑی ہو کر اسی پر آنکھیں لگائے رہتی ہوں۔ آج صبح بھی یہی ہوا اور سارے وقت میں مجھے عابو کہیں نظر نہیں آئی۔ اگر نواجا نے عابو کو اغوا کیا ہوتا تو یہ واقعہ میری نگاہ سے چھپ نہیں سکتا تھا..... میں اپنے بیٹے کی بے گناہی کے سلسلے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔''

''تو تمہارے خیال میں نواجا آج بھی حسب معمول گوجرانوالہ ہی گیا ہے۔'' میں نے سلسلہ سوالات کو سمیٹتے ہوئے پوچھا۔ ''اپنی نوکری پر؟''

''جی ہاں' مجھے اس بات کا یقین ہے۔'' اس نے بااعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''گوجرانوالہ میں وہ کہاں اور کیا کام کرتا ہے؟''

''وہاں جی ٹی روڈ پر کپڑے کی ایک فیکٹری ہے..... راسکو ٹیکسٹائل ملز!'' اس نے بتایا۔ ''نواجا اس فیکٹری میں تانا ماسٹر ہے جناب۔''

میں نے پوچھا۔ ''وہ دو ہفتے کے بعد ایک دن کے لئے تمہارے پاس آتا ہے۔ میں نے سنا ہے' اس نے فیکٹری کے قریب ہی کرائے کا ایک کوارٹر لے رکھا ہے' جہاں باقی کے تیرہ دن وہ گزارتا ہے۔ اس کوارٹر کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے؟''

میں گوجرانوالہ روانہ ہونے سے پہلے نواجا کے حوالے سے مکمل معلومات حاصل کر لینا

چاہتا تھا' تاکہ وہاں پہنچ کر کسی کمی کا احساس اور دشواری کا سامنا نہ ہو۔ آسیہ نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔

''فیکٹری سے تھوڑے فاصلے پر محلہ کنگنی والا ہے۔ کنگنی والا میں ایک بیوہ نے اپنے مکان کے سامنے والا حصہ انہیں کرائے پر دے رکھا ہے اور وہ.....''

''انہیں؟'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سوال کر دیا۔ ''کیا اس بیوہ کے کوارٹر میں نواجا کے ساتھ کوئی اور بھی کرائے پر رہتا ہے؟''

''جی ایک اور لڑکا بھی اس کوارٹر میں رہتا ہے۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''اس کا نام حنیف ہے اور وہ وزیر آباد کا رہنے والا ہے۔''

''کیا حنیف بھی نواجا کے ساتھ ''راسکو'' ٹیکسٹائل ملز ہی میں کام کرتا ہے؟''

''جی نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''وہ کسی دوسری فیکٹری میں کام کرتا ہے۔ مجھے اس فیکٹری کا نام یاد نہیں' لیکن وہ بھی کپڑے ہی کی فیکٹری ہے اور راسکو سے زیادہ دور نہیں۔''

''آسیہ! قانون کی مدد کرنے کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''میری دعا ہے اور تم بھی یہی دعا کرو کہ تمہارا بیٹا' عابو کی گمشدگی یا اغوا میں کسی بھی حوالے سے ملوث نہ پایا جائے' ورنہ تمہارے لئے بڑی مشکل ہو جائے گی۔''

''مجھے تو اپنے بیٹے کی بے گناہی کا پکا یقین ہے تھانے دار صاحب!'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''آپ بھی تحقیق کر کے میرے یقین کو آزمالیں۔''

''آسیہ بی بی! جہاں تم نے اتنا تعاون کیا ہے' وہاں تھوڑی اور تکلیف دوں گا۔''

وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''خانہ تلاشی ضابطے کی کارروائی کا ایک حصہ ہے۔ میں یہ ناخوشگوار فرض نبھانے پر مجبور ہوں۔''

وہ میری بات کی تہ تک پہنچنے کے بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''تھانے دار صاحب! آپ میرے چھوٹے سے گھر کے صحن میں سے گزر کر اس کمرے تک پہنچے ہیں۔ آپ نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ اس دونوں جگہوں پر میں نے عابو کو کہیں نہیں چھپا رکھا۔ اب ایک بیٹھک باقی بچتی ہے.....'' وہ سانس ہموار کرنے کے لئے رکی' پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''آئیں..... میں آپ کو بیٹھک بھی کھول کر دکھا دیتی ہوں۔''

میں چپ چاپ اس کے پیچھے ہو لیا.....

***

آئندہ روز میں کانسٹیبل حسین شاہ کے ساتھ گوجرانوالہ جاتے ہوئے عابو کی گمشدگی کے بارے ہی میں سوچ رہا تھا۔ گمشدگی کے الفاظ میں نے اس لئے استعمال کئے ہیں کہ اب تک کی تفتیش اور تحقیق کی روشنی میں اس کے اغوا کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ اس کے بعد کیا ہونے والا تھا' یہ خدا بہتر جانتا تھا۔ گوجرانوالہ پہنچ کر نواجا سے ملنے کے بعد کیا حالات کھل کر سامنے آتے ہیں' اس کے بارے میں قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

میرا ذہن ان لمحات میں بہ یک وقت دو تین زاویوں پر سوچ رہا تھا۔ آسیہ کے گھر کی تلاش تو بے سود ہی ثابت ہوئی تھی' لیکن یہ بات بھی طے تھی کہ عابو کہیں غائب ہو چکی تھی۔ بالفرض محال' اگر نواجا نے اسے اغوا نہیں کیا تھا یا وہ اپنی مرضی سے نواجا کے ساتھ کہیں نہیں گئی تھی تو پھر فریدہ نے خود ہی اسے کہیں چھپا دیا ہے تاکہ اس کے اغوا کا الزام نواجا پر ڈال کر وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے۔ ویسے فریدہ بھی مجھے کوئی کم تیز طراز عورت نہیں لگی تھی۔ اس آخری امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں درحقیقت نواجا سے ملاقات کے بعد ہی کسی حتمی نتیجے پر پہنچ سکتا تھا۔

ہم صبح ناشتے کے فوراً بعد حافظ آباد سے نکل پڑے تھے۔ لہٰذا ٹھیک دس بجے ہم تھانہ صدر گوجرانوالہ میں بیٹھے تھے۔ مذکورہ تھانہ' شیخوپورہ موڑ پر گورنمنٹ ہائی سکول کے ساتھ واقع تھا اور اسی شیخوپورہ موڑ کو گوجرانوالہ کا چھوٹا لاری اڈا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مین جی ٹی روڈ تھا' جس پر لاہور سے راولپنڈی کے درمیان لاریاں اور بسیں وٹرک وغیرہ شب و روز دوڑتے رہتے تھے۔ تھانہ سے جنوبی سمت میں چالیس میل کے فاصلے پر لاہور واقع تھا اور شمالی جانب ایک سو پینتیس میل کی دوری پر راولپنڈی تھا۔ اس جی ٹی روڈ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ پانچ میں سے تین دریاؤں کے اوپر سے گزرتی ہے۔ لاہور سے راولپنڈی کی طرف جائیں تو شہر کی حدود سے باہر نکلتے ہی دریائے راوی سے واسطہ پڑتا ہے' پھر وزیر آباد اور گجرات کے درمیان دریائے چناب رواں دواں ہے اور لالہ موسیٰ و کھاریاں چھاؤنی کے بعد دریائے جہلم آتا ہے۔

اس زمانے میں تھانہ صدر کے انچارج امتیاز گوندل صاحب ہوا کرتے تھے۔ کنگنی والا اور جی ٹی روڈ کا دوسرا علاقہ تھانہ صدر کی حدود میں آتا تھا۔ میں نے گوندل صاحب کو اپنے مسئلے کے بارے میں تفصیل سے بتایا تو انہوں نے کہا۔

''یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے ملک صاحب۔ آپ میرے تھانے کی حدود میں جس بھی قسم کی کارروائی کرنا چاہتے ہیں' آپ کو میری طرف سے مکمل اجازت ہے۔''

''آپ نے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے گوندل صاحب.....'' میں نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔

''کیوں شرمندہ کرتے ہیں جناب۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''آپ کو اس کام کے لئے میرے تھانے سے کسی نفری شفری کی ضرورت ہو تو وہ بھی بے دھڑک لے جا سکتے ہیں۔''

''جناب! یہ خطرناک ڈاکوؤں اور ڈکیتیوں کی گرفتاری کا معاملہ تو ہے نہیں جو درجنوں ملازموں کی ضرورت ہو۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ اس تفتیشی کام کے لئے میرے ساتھ آنے والا کانسٹیبل ہی کافی ثابت ہوگا۔''

''جیسے آپ کی مرضی ملک صاحب!'' وہ زیرلب مسکراتے ہوئے بولا۔

گوندل صاحب نے تھوڑی ہی دیر میں ہمارے لئے ایک تانگے کا بندوبست کر دیا اور احتیاطاً اپنے تھانے کا ایک سپاہی بھی ہمارے ساتھ کر دیا' تاکہ کسی مرحلے پر ہمیں کوئی دشواری محسوس نہ ہو۔ اس کانسٹیبل کا نام آفتاب تھا' جو رانا کالونی کا رہنے والا تھا۔ رانا کالونی اور کنگنی والا ایک دوسرے سے واکنگ ڈسٹینس پر تھے۔

دوپہر سے تھوڑی دیر پہلے ہم تانگے میں بیٹھ کر تھانہ صدر سے راسکو ٹیکسٹائل ملز کی جانب روانہ ہو گئے۔ کانسٹیبل آفتاب ایک صحت مند اور ہٹا کٹا پولیس اہلکار تھا۔ دراز قامتی پر گھونگریالے بال اس کی شخصیت میں بڑا حسن اور کشش پیدا کرتے تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ راسکو ملز رانا کالونی اور کنگنی والا کے وسط میں واقع ہے۔ اس وقت ہم جی ٹی روڈ پر سفر کر رہے تھے اور ہمارا رخ لاہور کی سمت تھا۔

جی ٹی روڈ کی دونوں طرف مختلف فیکٹریاں اور ملز واقع تھیں اور یہ سلسلہ کافی دور تک چلتا تھا۔ اسی سفر کے دوران میں دائیں ہاتھ پر ایک دو سینما ہاؤس بھی نظر آئے۔ جب ہم دوسرے سینما کے پاس سے گزر رہے تھے تو آفتاب نے بائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

''ملک صاحب! یہ جو آپ کو بہت بڑی انڈسٹری نظر آ رہی ہے نا' اس کے عقب میں رانا کالونی ہے' جہاں میرا گھر ہے۔''

میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور پوچھا۔ ''تم نے جس انڈسٹریز کا نام لیا ہے اس میں

کیا چیز تیار ہوتی ہے؟''

''چیز نہیں..... چیزیں کہیں جناب!'' وہ دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولا۔ ''سینٹری کا اعلیٰ درجے کا سامان' باتھ روم فٹنگز کے علاوہ پنکھوں کا ایک بہت معروف برانڈ بھی یہاں تیار ہوتا ہے جو زیادہ تر ایکسپورٹ کر دیا جاتا ہے۔''

گوجرانوالہ کی انڈسٹری میں دو تین چیزیں بہت مشہور ہیں نمبر ایک ریشمی اور سوتی ہر قسم کا کپڑا..... نمبر دو بجلی کی چھوٹی بڑی ہر نوعیت کی موٹریں..... نمبر تین پنکھے یعنی یہاں کی ٹیکسٹائل انڈسٹری اور الیکٹریکل و میکینکل انڈسٹری سرفہرست ہے۔

ہم پاٹری کی انڈسٹری کے پاس سے گزر رہے تھے کہ آفتاب نے کوچوان سے کہا۔

''چاچا' مولوی کے کھوکھے کے پاس سے تانگا اندر لے لو۔''

''مولوی کا کھوکھا'' اس علاقے کا ایک معروف ہوٹل تھا۔ کسی زمانے میں وہ واقعی سگریٹ اور چائے کا ایک معمولی سا کھوکھا ہوا کرتا تھا' لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مولوی صاحب اور ان کے کھوکھے نے بڑی ترقی کی تھی۔

تانگے نے جی ٹی روڈ کو چھوڑا اور دائیں جانب مولوی کے کھوکھے کے پاس سے گزرتے ہوئے سیدھا راسکو ملز پہنچ گیا۔ اس ملز کے سامنے ایک چھوٹا سا باغ بھی بنا ہوا تھا' جہاں امرود اور جامن وغیرہ کے درخت کثرت سے نظر آ رہے تھے۔

ہم ''راسکو'' کے دفتری حصے میں پہنچے تو ایک دبلے پتلے اور دراز قامت شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس کا نام برکت علی معلوم ہوا۔ جس کی عمر پچپن اور ساٹھ سال کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ راسکو میں منشی (اکاؤنٹینٹ) کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ راسکو کا مالک یعنی بابو صاحب شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔

میں اور کانسٹیبل حسین شاہ اس وقت عوامی لباس میں تھے' جبکہ کانسٹیبل آفتاب پولیس یونیفارم میں ملبوس تھا۔ ایک پولیس والے کے ساتھ دو سادہ لباس افراد کو اپنے سامنے دیکھ کر منشی برکت علی فوراً اٹینشن ہو گیا۔

آج کی بہ نسبت ہمارے زمانے میں' عوام میں پولیس کی عزت و توقیر کافی زیادہ تھی۔ ایک عام سپاہی کا بھی خاصا رعب و دبدبہ ہوا کرتا تھا۔ آج کل کی عوام یا تو بہت زیادہ طاقت ور ہو گئی ہے اور یا پھر پولیس بہت زیادہ کمزور ہو گئی ہے کہ مشکل سے گھر کا خرچہ پورا کرنے والا عام

آدمی بھی اے ایس آئی' ایس آئی انسپکٹر رینک کے افسران کو اپنے تعلقات کا حوالہ دے کر آنکھیں دکھاتا تھا۔

واضح رہے کہ میں نے یہاں عوام کے ایک مخصوص گروہ کا ذکر کیا ہے جو سیاسی وابستگیوں اور تعلقات کے حامل ہوتے ہیں۔

منشی اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''آئیں جی..... بسم اللہ!'' پھر اس نے میز کے سامنے بچھی کرسیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تشریف رکھیں جناب!''

ہم نے تشریف رکھ دی۔

''میرا نام ملک صفدر حیات ہے۔'' میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''میں حافظ آباد کے ایک تھانے کا انچارج ہوں اور یہاں نواز نامی ایک بندے کے سلسلے میں آیا ہوں۔ یہ نواز عرف نواجا حافظ آباد کی منظور کالونی کا رہنے والا ہے اور آپ کی فیکٹری میں تانا ماسٹر کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔''

''جی ہاں..... بالکل کام کرتا ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نواز کی بات بھی کرتے ہیں' پہلے ذرا میں آپ کی خدمت.....''

''اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے برکت علی۔'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے کسی بھی قسم کے تکلف سے صاف منع کر دیا۔ ''میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ آپ آرام سے بیٹھیں اور مجھے نواز کے بارے میں بتائیں.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بتائیں کیا..... بلکہ اسے یہاں بلائیں۔ میں اس سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''خیریت تو ہے نا جناب.....'' وہ تشویش ناک نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ حافظ آباد سے یہاں آئے ہیں۔ ادھر اس کے گھر میں سب ٹھیک تو ہے۔''

''سب ٹھیک نہیں ہے برکت علی!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بس' اب آپ فوراً اسے میرے پاس بلا لیں۔''

کسی کو آواز دینے کے بجائے وہ خود اپنی کرسی سے اٹھا اور دفتر سے نکل کر فیکٹری کے اندرونی حصے کی طرف چلا گیا۔ پانچ سات منٹ کے بعد اس کی واپسی ہوئی۔ اس کی صورت کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ کرسی پر بیٹھ چکا تو میں نے پوچھا۔

''کیا ہوا..... کیا نواز آ رہا ہے.....؟''

''نہیں جناب.....'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''وہ تو فیکٹری میں موجود ہی نہیں۔''

''فیکٹری میں موجود نہیں..... کیا مطلب؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ''کل صبح وہ گھر سے تو سیدھا گوجرانوالہ ہی آیا تھا۔ اسے یہیں ہونا چاہئے.....'' میں نے تھوڑا توقف کیا' پھر ایک فوری خیال کے تحت پوچھ لیا۔ ''کیا وہ کہیں باہر نکلا ہوا ہے؟''

وہ کھانے کا وقت تھا۔ میرے ذہن میں یہی خیال آیا تھا کہ ممکن ہے' نواجا آس پاس کے کسی چھپر ہوٹل میں لنچ کرنے نکل گیا ہو۔ برکت علی نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''وہ کہیں باہر نہیں نکلا ملک صاحب بلکہ وہ تو کل صبح سے ڈیوٹی پر آیا ہی نہیں۔''

اس انکشاف نے مجھے چونکا دیا۔ ''کیا مطلب' وہ ڈیوٹی پر نہیں آیا؟'' میں نے الجھن زدہ انداز میں استفسار کیا۔ ''گھر سے تو وہ حسب معمول سوموار کی صبح فیکٹری آنے کے لئے روانہ ہوا تھا۔ اگر یہاں نہیں پہنچا تو پھر کہاں چلا گیا؟''

''یہی تو حیرت مجھے بھی ہو رہی ہے۔'' برکت علی نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''برکت علی!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ اس فیکٹری کے منشی ہیں۔ مالک کے بعد کسی بھی کارخانے میں منشی سب سے زیادہ اہم' بااختیار اور باخبر ہوتا ہے۔ آپ میری فرمائش پر اپنی کرسی سے اٹھ کر نواجا کو دیکھنے کے لئے فیکٹری کے اندر گئے تھے' کیا آپ کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ وہ کل صبح سے ڈیوٹی پر نہیں آیا؟''

''آپ کا سوال بڑا اہم ہے ملک صاحب!'' وہ تعریفی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اور اس سوال کا جواب ہے کہ واقعی' مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ نواز اس سوموار کو اپنی ڈیوٹی پر نہیں آیا اور..... اس کا بھی ایک سبب ہے جناب.....''

اتنا بتانے کے بعد وہ رکا' لیکن میں نے مداخلت نہیں کی' تاہم خاموش سوالیہ نظر سے اسے دیکھتا چلا گیا۔ ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد اس نے بتایا۔

''اور وہ سبب یہ ہے کہ میں کل خود بھی فیکٹری نہیں آیا تھا' اسی لئے مجھے نواز کی غیر حاضری کی خبر نہ ہو سکی۔ ابھی میں نے اس کے جوڑی دار سے پوچھا ہے تو پتا چلا کہ وہ ہفتے کو چھٹی کے بعد جو فیکٹری سے نکلا ہے تو ابھی تک اس کی کوئی خیر خبر نہیں.....''

''نواز کے جوڑی دار کا نام کیا ہے؟'' میں نے پوچھا اور کہا۔ ''آپ اسے یہاں بلا لیں۔ میں اس سے بھی چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

اس نے مذکورہ جوڑی دار کا نام اشتیاق بتایا۔ ایک آدمی کو اسے دفتر میں بلانے کے لئے بھیجا' پھر میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے خاصے فکرمند لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''ملک صاحب! آپ کی تفتیش کے انداز سے لگتا ہے کہ ادھر حافظ آباد میں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ ذرا مجھے بھی بتائیں کہ آخر معاملہ کیا ہے؟''

''معاملہ یہ ہے برکت علی کہ.....'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں منشی کو حالات حاضر سے آگاہ کیا۔ ''کل یعنی سوموار کی صبح حسب معمول نواجا فیکٹری آنے کے لئے اپنے گھر سے روانہ ہوا اور اسی وقت ایک خوب صورت لڑکی عابدہ عرف عابو بھی غائب ہوگئی ہے۔ نواجا اور عابو ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں اور یہ بھی پتا چلا ہے کہ ان دونوں میں عاشقی معشوقی کا بھی چکر چل رہا تھا۔ اب عابو کی ماں نے میرے پاس نواجا کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ نواجا نے عابو کو اغوا کرلیا ہے۔ میں اسی سلسلے میں تفتیش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہوں۔ یہ ہے سارا قصہ!''

''اغوا.....'' برکت علی نے بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ ''مجھے یقین نہیں آرہا۔ نواز ایسا کام نہیں کرسکتا۔''

''اس بات کا یقین تو نواجا کی ماں کو بھی نہیں ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''لیکن عابو گھر سے غائب ہے اور عابو کی ماں کا اصرار ہے کہ نواجا ہی نے اسے اغوا کیا ہے۔''

''جناب! وہ کافی عرصے سے اس فیکٹری میں کام کررہا ہے۔'' منشی برکت علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ہم نے اسے بہت ہی امن پسند اور شریف النفس انسان پایا ہے۔ وہ اس قسم کی حرکت نہیں کرسکتا۔'' بات ختم کرکے وہ نفی میں گردن جھٹکنے لگا۔

میں نے کہا۔ ''نواجا کے کردار کے بارے میں اس کے محلے والوں کے بھی اسی قسم کے خیالات ہیں' جیسے خیالات کا آپ نے اظہار کیا ہے' لیکن اس حقیقت کو کہاں چھپائیں کہ ادھر حافظ آباد میں عابو غائب ہے اور ادھر گوجرانوالہ میں نواجا نہیں مل رہا۔ اس نوعیت کی صورت حال میں انسانی ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ کیا نواجا' عابو کو اغوا کرکے کہیں اور تو نہیں نکل

گیا.....؟''

''ہوں.....'' منشی برکت علی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

اسی اثنا میں نواجا کا جوڑی دار اشتیاق وہاں پہنچ گیا۔ جوڑی دار کا مطلب یہ ہے کہ اشتیاق' نواجا کے ساتھ تانا مشین پر ڈیوٹی دیتا تھا۔ اشتیاق کی عمر بیس کے آس پاس تھی۔ وہ پستہ قامت اور سانولے رنگ کا مالک تھا۔ اس کی آنکھوں میں بڑی شاطرانہ چمک پائی جاتی تھی۔ میں نے انہی چمکیلی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''اشتیاق! تمہارا جوڑی دار کہاں غائب ہے؟''

''پتا نہیں جناب!'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں خود اس کی وجہ سے کافی پریشان ہوں۔ نواجا کے نہ آنے سے میرا کام بڑھ گیا ہے۔ پتا نہیں' وہ کہاں چلا گیا ہے؟''

''ہفتہ کے روز جب وہ چھٹی کرکے فیکٹری سے جارہا تھا تو تمہاری اس سے بات ہوئی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''جی ہاں' بات ہوئی تھی۔'' اشتیاق نے جواب دیا۔

''وہ مجھ سے مل کر گیا تھا' بلکہ جس روز اسے حافظ آباد جانا ہوتا تھا' وہ چھٹی سے ایک گھنٹہ پہلے ہی فیکٹری سے نکل جاتا تھا۔ ہفتے کے دن بھی یہی ہوا تھا۔''

''رخصت کے وقت کیا اس نے ایسی کوئی بات کی تھی کہ سوموار کو وہ ڈیوٹی پر نہیں آئے گا؟'' میں نے دریافت کیا۔

''نہیں جناب!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اس نے ایسا تو کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کے نہ آنے کی وجہ سے میں خود بہت پریشان ہوں۔''

''اس نے کبھی اپنے دل کی بات بھی تم سے کی تھی؟''

''میں سمجھا نہیں جناب.....؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''مطلب یہ کہ..... نواجا نے کبھی تمہیں اپنی محبت کے بارے میں بتایا تھا؟''

اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بے یقینی سے مجھے دیکھا اور بولا۔ ''نہیں جناب! اس نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی۔ میرے خیال میں تو وہ اس لائن کا آدمی نہیں ہے۔''

''خود میرا بھی یہی اندازہ ہے جناب!'' منشی برکت علی نے اشتیاق کی بات کی تائید کرتے

ہوئے کہا۔ ''وہ تو چپ چاپ' اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک سیدھا سادا بندہ ہے۔ اس کے انداز سے ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ عشق محبت کے معاملے میں بھی پڑ سکتا ہے۔''

''ویسے نواجا کا ہانڈی وال آپ کو اس کے بارے میں زیادہ تفصیل سے بتا سکتا ہے۔'' اشتیاق نے انکشاف انگیز لہجے میں کہا۔

''ہانڈی وال.....؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''جی' میرا اشارہ حنیف کی طرف ہے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نواجا اور حنیف کنگنی والا کے ایک گھر میں ایک ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا اور سونا جاگنا ایک ساتھ ہے' بس یہ دونوں دو الگ الگ فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں۔''

''اشتیاق بالکل صحیح کہہ رہا ہے ملک صاحب!'' منشی برکت علی نے ایک مرتبہ پھر تائیدی انداز میں کہا۔ ''نواجا کے بارے میں حنیفو سے کافی مفید معلومات مل سکتی ہیں۔ وہ زیبائش ملز میں نلکیاں بھرنے کا کام کرتا ہے۔ میں بندہ بھیج کر اسے ادھر ہی بلا لیتا ہوں۔''

بات ختم کرنے کے بعد منشی برکت علی نے اشتیاق ہی کو زیبائش ملز کی جانب بھیج دیا۔ ''زیبائش'' بھی ایک ٹیکسٹائل ملز ہی تھی' جہاں ریشمی کپڑا تیار ہوتا تھا۔ یہ خوشی ملز کے برابر میں واقع تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد اشتیاق واپس آ گیا اور اس نے بتایا کہ حنیفو آج فیکٹری سے غیر حاضر ہے۔ یہ ایک غیر متوقع اور واہیات اطلاع تھی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اب مجھے کنگنی والا کے اس کوارٹر کی طرف جانا تھا' جہاں حنیفو اور نواجا کرائے کے کسی کوارٹر میں رہائش پذیر تھے۔

میں نے اپنے خیالات کا اظہار جب منشی برکت علی کے سامنے کیا تو وہ خاصے جوشیلے انداز میں بولا۔ ''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ملک صاحب!''

''کیا مطلب.....؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا آپ مجھے حنیفو کے گھر کی طرف جانے سے روک رہے ہیں؟''

''ہاں.....'' اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے زیر لب مسکرا کر کہا۔ ''فی الحال.....''

اس کی خفیف مسکراہٹ نے مجھے یہ تو سمجھا دیا کہ اس کے ذہن میں کوئی خاص زاویہ ترتیب پا چکا ہے۔ اس منصوبے کو منشی کی زبان تک لانے کے لئے میں نے کریدنے والے انداز میں

پوچھ لیا۔

''فی الحال..... میں سمجھا نہیں برکت علی؟''

''جناب! یہ کھانے کا وقت ہے۔'' وہ بدستور زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ ''آپ کھانا کھائے بغیر یہاں سے بالکل نہیں جا سکتے۔''

''اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''جناب! میں نے کھانا لینے کے لئے ایک بندے کو روانہ کر دیا ہے۔'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

''کب.....؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ ''آپ تو پچھلے آدھے گھنٹے سے مسلسل میرے ساتھ ہیں۔''

''میں جب اندر فیکٹری میں نواز کو دیکھنے گیا تھا تو اسی وقت دفتر کا کھانا لانے والے لڑکے سے کہہ دیا تھا کہ آج تین افراد کا کھانا زیادہ لانا ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اب تو وہ واپس بھی آنے والا ہے۔ ہم روزانہ اسی وقت کھانا کھاتے ہیں۔ آج آپ ہمارا ساتھ دیں گے تو اس سے میری عزت افزائی ہوگی۔''

منشی برکت کے خلوص اور اپنائیت کو دیکھتے ہوئے میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ کھانے کا وقت بھی تھا اور مجھے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ ایسے میں منشی کی نیک خواہش کے سامنے مزاحمت جاری رکھنا کفران نعمت ہوتا۔

میرا یہ ذاتی تجربہ ہے اور اپنے بڑے بزرگوں سے بھی سنتا آیا ہوں کہ جب آپ کی ضرورت کے وقت کوئی خلوص نیت سے آپ کی مدد کرنے کا ارادہ ظاہر کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر انکار اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کی ناراضی کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ کفران رحمت کے زمرے میں آتا ہے۔

اس روز میں نے زندگی میں پہلی بار مولوی کے کھوکھے (ہوٹل) کا کھانا کھایا اور مان گیا کہ وہ کھوکھا اپنے کھانوں کی لذت کی وجہ سے اگر دور دور تک مشہور ہے تو یہ کوئی غلط بات نہیں۔ منشی نے سالن کی تین ڈشیں منگوائی تھیں۔ بکرے کی چانپ' بھنی ہوئی دیسی مرغی اور دو پلیٹ چنے کی دال۔ اس کے ساتھ ہی ایک پلیٹ میں موٹی ملائی والا ٹھنڈا ٹھار دہی بھی تھا اور سلاد کے طور پر ایک بڑی طشتری کٹی ہوئی مولی' گاجر اور ٹماٹر و پیاز سے بھی بھری ہوئی تھی۔ میں نے گرما گرم

روٹیوں کے ساتھ خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔ ہر ڈش اپنی لذت اور ذائقے کے اعتبار سے ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ دیسی مرغی کا میں نے خاص طور پر اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں فارمی (فارم کی) مرغی اور فارمی انڈے کا کوئی تصور نہیں تھا۔

***

رحمت بی بی کا گھر ڈھونڈنے میں ہمیں ذرا دقت نہ ہوئی۔

رحمت بی بی ایک بیوہ عورت تھی اور اس کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ گھر چونکہ اس کا ذاتی تھا اور اس کی ضرورت سے زیادہ بڑا تھا' لہٰذا اس نے اپنے گھر کی بیٹھک کو کرائے پر دے رکھا تھا۔ وہ اس کمرے کے کرائے سے اپنی گزر بسر کرتی تھی یا پھر کنگنی والا کی ایک صاحب حیثیت شخصیت رانا صاحب اپنی جیب خاص سے اس کی کچھ مالی مدد کر دیا کرتے تھے۔ میرا مطلوبہ بندہ یعنی نواز عرف نواجا اور اس کا ہانڈی وال حنیف عرف حنیفو اسی رحمت بی بی کے کرائے دار تھے۔

میری دستک کے جواب میں ایک ادھیڑ عمر' گوری چٹی عورت نے دروازہ کھولا۔

میں نے سرتاپا گہری نظر سے اس کا جائزہ لیا اور پوچھا۔ ''رحمت بی بی آپ ہی ہو؟''

''جی..... میں ہی رحمت بی بی ہوں۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ''آپ کون ہیں؟ اور میرے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟ آپ کو مجھ سے کیا کام ہے.....؟''

اس نے ایک ہی سانس میں جواب دینے کے علاوہ تین سوال بھی کر ڈالے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ رحمت بی بی کو پتا نہیں تھا کہ پولیس اس کے دروازے پر کھڑی ہے۔ میں نے وردی پوش کانسٹیبل آفتاب کو کانسٹیبل حسین شاہ کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر کھڑا کر دیا تھا اور رحمت بی بی کی ان پر نظر نہیں پڑی تھی۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔ ''رحمت بی بی! میرا نام ملک صفدر حیات ہے اور میں حافظ آباد سے آیا ہوں۔ مجھے تم سے نہیں' بلکہ تمہارے کرائے داروں سے ملنا ہے۔''

''مطلب یہ کہ نواجا اور حنیفو سے؟'' وہ قدرے اطمینان سے بولی۔ ''نواجا تو حافظ آباد سے ابھی واپس ہی نہیں آیا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''اور حنیفو.....''

''چاچی..... کون ہے دروازے پر؟'' رحمت بی بی کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اندر سے کسی مرد نے استفسار کیا۔

''یہ حنیفو ہی آپ کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔'' رحمت بی بی نے بتایا۔ ''بے چارہ صبح سے بخار میں پڑا تپ رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔ ''تو پھر میں حنیفو سے ہی مل لیتا ہوں۔''

''آئیں جی..... بیٹھک میں آ جائیں۔'' وہ تعاون آمیز لہجے میں بولی' پھر بہ آواز بلند کہا۔ ''کوئی ملک صاحب حافظ آباد سے آئے ہیں۔'' اس کا مخاطب یقیناً حنیفو تھا۔ یہ اس نے حنیفو کے سوال کا جواب دیا تھا۔ ''وہ تم سے اور نواجا سے ملنا چاہتے ہیں۔''

چند سیکنڈ کے بعد رحمت بی بی نے مجھے اپنے گھر کی بیٹھک میں پہنچا دیا' جو خالصتاً چھڑوں کے کمرے کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ دیواروں پر فلمی پوسٹر جا بہ جا چپکے دکھائی دیتے تھے۔ اس بیٹھک میں دو چار پائیاں بچھی تھیں' جن میں سے ایک خالی اور دوسری پر بخار زدہ حنیفو لیٹا ہوا تھا۔ ایک دیوار پر کپڑے ٹانگنے والی کھونٹیاں نصب تھیں' جن پر میلے اور دھلے ہوئے ہر دو اقسام کے کپڑے ٹنگے نظر آ رہے تھے۔

مجھ پر نگاہ پڑتے ہی حنیفو نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی' لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا اور اس کے سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

''تم نے بخار کے لئے کوئی دوائی شوائی نہیں لی؟''

''میں نے ڈاکٹر جی سے اسے دوائی لا کر دی ہے جناب!'' حنیفو کے بجائے رحمت بی بی نے جواب دیا۔ ''ڈاکٹر نے کہا ہے کہ شام تک اس کا بخار اتر جائے گا۔''

میں نے حنیفو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہارا ہانڈی وال کہاں غائب ہے؟''

رحمت بی بی کی زبانی مجھے پتا چل گیا تھا کہ نواجا حافظ آباد سے گوجرانوالہ پہنچا ہی نہیں' لیکن حنیفو کی زبان سے بھی تصدیق ضروری تھی۔ اس نے جواب دینے کے بجائے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

''جناب! آپ حافظ آباد سے آئے ہیں' لیکن میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ کیا آپ نواجا کے کوئی رشتے دار ہیں؟''

''میں حافظ آباد سے ضرور آیا ہوں' لیکن نواجا کا رشتے دار نہیں ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور تم نے مجھے پہچانا اس لئے نہیں کہ..... آج ہم پہلی مرتبہ مل رہے ہیں۔''

''بھائی جی!'' رحمت بی بی مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔ ''آپ نے باہر مجھے بتایا تھا کہ آپ خاص طور پر نواجا سے ملنے آئے ہیں۔ وہاں حافظ آباد میں سب خیریت تو ہے نا جی؟''

اس کے لہجے میں خالص فکرمندی پائی جاتی تھی۔ حنیفو نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔

''یہ تو بتائیں جناب..... کہ آخر آپ ہیں کون.....؟''

''میں حافظ آباد کے اس علاقے کا تھانے دار ہوں جہاں نواجا کا گھر ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور نواجا ہی کی تلاش میں حافظ آباد سے گوجرانوالہ آیا ہوں۔''

''سوہنا رب خیر کرے.....'' رحمت بی بی دعائیہ انداز میں بیٹھک کی چھت کو دیکھنے لگی۔

حنیفو نے پوچھا۔ ''تھانے دار صاحب! آپ نواجا کو کس سلسلے میں ڈھونڈ رہے ہیں؟''

اس کے استفسار میں گہری تشویش پائی جاتی تھی۔ یہ انکشاف ہونے کے بعد کہ میرا تعلق محکمہ پولیس سے ہے' وہ دونوں خاصے گھبرا گئے تھے' تاہم ایک بات میں نے واضح طور پر نوٹ کی کہ ان کی گھبراہٹ میں مجرموں والا مخصوص ڈر خوف نہیں تھا۔ میں نے حنیفو کے سوال کے جواب میں بتایا۔

''وہاں حافظ آباد' میرے تھانے میں نواجا کی پڑوسن نے رپورٹ درج کرائی ہے کہ سوموار کی صبح نواجا اس کی بیٹی کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔''

''آپ عابو کی بات تو نہیں کر رہے.....؟'' حنیفو نے بے ساختہ پوچھا۔

''کیا تم عابدہ عرف عابو کو جانتے ہو؟'' میں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''جی..... جی ہاں.....'' وہ جلدی سے بولا۔ ''نواجا اکثر اس کا ذکر کرتا رہتا تھا۔''

''کیا ذکر کرتا رہتا تھا؟'' میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا کہ نواجا نے اپنی محبت کے معاملات کو اس سے چھپا کر نہیں رکھا ہوا تھا۔ وہ اکثر اپنی محبوبہ کے بارے میں اس سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ حنیفو کے مطابق وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے' لیکن عابو کی ماں کو نواجا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ وہ اسے سخت ناپسند کرتی تھی اور عابو کی شادی اپنے کسی بھانجے طفیل سے کرنا چاہتی تھی۔ نواجا کو اس بات کا بڑا دکھ تھا۔ اس نے اپنی ماں کے توسط سے عابو کے گھر میں رشتہ بھی بھجوایا تھا' جو عابو کی

ماں فریدہ نے یکسر مسترد کر دیا تھا۔ اس مایوس کن صورت حال کے بعد نواجا نے اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا تھا۔

''میں کسی بھی قیمت پر یہ ماننے کو تیار نہیں کہ نواجا نے عابو کو اغوا کیا ہوگا۔'' اپنی بات کے اختتام پر حنیفو نے بڑے یقین سے کہا۔ ''اس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں کئی بار اسے اکسانے کی کوشش بھی کی تھی کہ جب..... لڑکا لڑکی راضی تو کیا کرے گی اماں جی!''

''تم محاورہ غلط بول رہے ہو حنیفو!'' میں نے فوراً اسے ٹوک دیا۔ ''یہ کچھ یوں ہے کہ..... جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی!''

''جانتا ہوں تھانے دار صاحب.....'' وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ ''میں نلکیاں بھرنے کی مشین پر کھڑا ہوتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کوئی جاہل گنوار ہوں۔ پوری چار جماعتیں پاس ہوں جناب..... قسمت نے زیبائش ملز کی مشین پر لا کھڑا کیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے.....؟'' وہ جذبات کے اس اظہار میں لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے محاورے میں ضرورت کے مطابق تبدیلی کی ہے۔ عابو اور نواجا ابھی میاں بیوی نہیں بنے اور فریدہ بھی اماں جی سے قاضی نہیں۔''

''میں تمہاری وضاحت سے اتفاق کرتا ہوں۔'' میں نے اس کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا دعویٰ ہے کہ نواجا نے عابو کو اغوا نہیں کیا۔ یہ تم صرف اس کی دوستی میں کہہ رہے ہو یا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ٹھوس ثبوت بھی ہے؟''

''میرے پاس سب سے بڑا ثبوت تو میرا دل ہے تھانے دار صاحب۔'' وہ بڑی معصومیت سے بولا۔ ''اور اس دل کی آواز یہ ہے کہ نواجا ایسا نہیں کر سکتا۔''

میں نے بخار میں تپتے ہوئے ایک شخص سے زیادہ جرح مناسب نہ سمجھی اور ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''وہاں کل صبح سے عابو غائب ہے اور یہاں نواجا کہیں نظر نہیں آ رہا۔ تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو حنیفو؟''

''جناب! میں کیا کہوں.....'' وہ بے چارگی سے بولا۔ ''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''جب سوموار کی صبح نواجا یہاں نہیں پہنچا تو تمہیں اس کے بارے میں تشویش نہیں ہوئی تھی؟'' میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

''جناب! بات دراصل یہ ہے کہ سوموار کی صبح نواجا یہاں گھر پر نہیں' بلکہ سیدھا اپنی فیکٹری پہنچا تھا۔ ہماری ملاقات رات ہی کو ہوا کرتی تھی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''کل رات کو جب وہ فیکٹری سے گھر نہ آیا تو مجھے اس کی فکر تو ہوئی تھی' لیکن پھر یہ سوچ کر میں سو گیا کہ آج صبح راسکو جا کر اس کے بارے میں پوچھوں گا' مگر آج صبح جب میں سو کر اٹھا تو تیز بخار نے میری مت مار رکھی تھی۔ میں نہ تو راسکو ملز جا سکا اور نہ ہی اپنے کام پر.....''

''اس کا مطلب ہے' تمہیں کچھ اندازہ نہیں کہ نواجا کہاں غائب ہے؟''

''بالکل نہیں تھانے دار صاحب.....'' وہ افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

ایک فوری خیال کے تحت میں نے اس سے پوچھا۔ ''حنیفو! تمہارا تعلق بھی تو وزیر آباد سے ہے نا؟''

''جی ہاں!'' اس نے اثبات میں جواب دیا اور سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اس کی نظر کی تسکین کی خاطر کہا۔ ''حنیفو! عابو کی ماں فریدہ' نواجا کو پسند نہیں کرتی تھی اور عابو کی شادی وہ اپنے بھانجے طفیل سے کرنا چاہتی تھی' جو وزیر آباد کی چاقو' چھریاں بنانے والی کسی فیکٹری میں کام کرتا ہے۔ کیا تم طفیل یا اس کے گھر والوں کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

''نہیں جناب!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے یقین ہے کہ فریدہ نے اس سلسلے میں جھوٹ بولا ہے۔ اس کی کوئی بہن یا بھانجا وزیر آباد میں نہیں رہتا۔''

''اچھا۔'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ بات تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو؟'و

''جناب! میں نے کئی بار نواجا سے کہا کہ وہ فریدہ سے اپنی بہن کا ایڈریس پوچھ کر آئے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس نے ایک دو مرتبہ فریدہ سے اس سلسلے میں بات بھی کی' لیکن اس نے اپنی بہن یا بھانجے کے بارے میں معلومات فراہم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔''

میں نے اپنی دلچسپی کو برقرار رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم ان لوگوں کا ایڈریس منگوا کر کیا

کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟''

''ایک تو میں وزیر آباد جا کر یہ تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ فریدہ اپنے رشتے داروں کے حوالے سے سچ بول رہی ہے یا جھوٹ۔ یہ کام میں بہت آسانی سے کر سکتا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اور دوسرے.....''

''دوسرے کیا.....؟'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تو میں نے فوراً پوچھ لیا۔

''جناب! میں دراصل طفیل سے مل کر اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ عابو کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔ عابو' نواجا سے محبت کرتی ہے ور وہ عابو کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکے گا۔ اگر اس کام کے لئے مجھے طفیل کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگانا پڑتا یا اس کے پاؤں بھی چھونا پڑتے تو میں ضرور کرتا۔''

حنیفو کی باتوں سے سچی دوستی کی خوشبو پھوٹتی تھی۔ میں نے اس کی طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے دو چار سوالات کے بعد فارغ کر دیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے ایک سنسنی خیز انکشاف ہوا۔

میں جیسے ہی اٹھ کر کھڑا ہوا' سامنے کی دیوار پر لگے فلم کے ایک پوسٹر پر نظر پڑی تو میں چونک اٹھا۔ اس پوسٹر میں یوسف خان' نغمہ اور ادیب کے چہرے نظر آ رہے تھے' لیکن ہر چہرے کے نیچے پین کی مدد سے ایک نام لکھا ہوا تھا۔ اس ترتیب کے ساتھ کہ یوسف خان کے نیچے نواز' نغمہ کے نیچے عابدہ اور ادیب کے نیچے نواب.....

''یہ کیا ہے حنیفو؟'' میں نے پوسٹر کی طرف اشارہ کر کے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''جناب! یہ نام نواجا نے لکھے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''کیوں.....اس کا مطلب کیا ہے؟''

''تھانے دار صاحب! یہ فلم میں نے اور نواجا نے ایک ساتھ دیکھی تھی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس فلم میں یوسف خان اور نغمہ ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں' لیکن ادیب ولن کا کردار ادا کرتے ہوئے نغمہ کی ماں کو اپنی مٹھی میں لے لیتا ہے' لہٰذا نغمہ کی ماں یوسف خان سے نفرت کرنے لگتی ہے۔''

''لیکن.....'' میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی لقمہ دے دیا۔ ''نواجا نے دیب کی تصویر کے نیچے نواب کیوں لکھا ہے؟''

''جناب! نواجا کی زندگی میں یہ نواب بھی ادیب والا کردار ادا کر رہا ہے۔'' وہ سمجھا...
والے انداز میں بولا۔ ''عابو نے نواجا کو بتایا تھا کہ فریدہ پوری طرح نواب کی مٹھی میں ہے' ا
لئے وہ نواجا سے نفرت کرتی ہے۔''

میرے پورے وجود میں جیسے ایک کرنٹ سا دوڑ گیا۔ میں نے اضطراری لہجے میں دریافت کیا۔ ''کہیں..... یہ وہی نواب تو نہیں..... جس کی حافظ آباد کی سبزی منڈی میں فروٹ اور سبزی کی آڑھت کی دکان ہے۔''

''جی ہاں..... بالکل.....''

***

میں ایک مرتبہ پھر آسیہ بی بی کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ رات کا وقت تھا اور میں گوجرانوالہ سے تھوڑی دیر پہلے ہی واپس آیا تھا۔ کانسٹیبل حسین شاہ کو تھانے میں چھوڑ کر میں چپکے سے آسیہ کے گھر آ گیا تھا۔ فریدہ کو قطعاً اس بات کی خبر نہیں تھی کہ میں اس وقت اس کے پڑوس میں موجود ہوں۔ حنیفو کے انکشاف نے میرے رگ و پے میں ایک سنسنی سی دوڑا دی تھی۔

میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا اور پوچھا۔

''یہ سب کیا ہے آسیہ بی بی؟''

''یہ تو جناب آپ فریدہ سے پوچھیں۔'' وہ جلے کٹے انداز میں بولی۔ ''جو نواب کو اپنے گھر میں گھسائے رکھتی ہے۔''

''تو اس کا مطلب ہے' نواب علی کا فریدہ کے گھر میں اکثر آنا جانا رہتا ہے؟'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''وہ تو جناب اس وقت بھی فریدہ کے گھر میں موجود ہے۔''

میں آسیہ کے انکشاف پر چونک اٹھا اور پوچھا۔ ''کیا واقعی.....؟''

''اگر میری بات کا یقین نہ آ رہا ہو تو خود جا کر دیکھ لیں۔'' وہ سادگی سے بولی۔

میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''نواجا نے ولن کے نیچے اگر نواب کا نام لکھا تھا تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے وہ نواب کو اپنا رقیب سمجھتا تھا۔''

''جناب! آپ کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔'' وہ الجھن زدہ انداز میں بولی۔

''میرے خیال میں تو نواب' فریدہ کے لئے یہاں آتا ہے۔ ان دونوں میں کافی عرصے سے چکر چل رہا ہے' جب سے فریدہ کا گھر والا محتاج ہوا ہے' نواب نے اس گھر کی راہ دیکھ لی ہے۔ وہ کسی نہ کسی بہانے دوسرے تیسرے دن یہاں ضرور آتا ہے اور کئی گھنٹے گھر کے اندر گزار کر جاتا ہے۔

آپ نے فریدہ کو تو دیکھا ہی ہے۔ جوان بیٹی کی ماں ہے' لیکن خود بھی جوان ہی نظر آتی ہے۔ اوپر سے اللہ نے شکل صورت بھی اچھی دے دی ہے۔ کم بخت اڑتالیس سال کی ہوگئی ہے' مگر پینتیس سے زیادہ کی نہیں لگتی۔'' وہ لمحے بھر کے لئے متوقف ہوئی' پھر ایک تھکی ہوئی سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔

''جن عورتوں کے خصم ناکارہ ہو جائیں اور نک سک سے بھی اچھی ہوں تو ان پر زمانے بھر کے مردوں کی نظریں لگ جاتی ہیں۔ نواب کے پاس تو بڑا مضبوط بہانہ بھی ہے کہ تین سال پہلے تک فریدہ کا شوہر اس کی دکان پر ملازم تھا۔ وہ مالی امداد کی آڑ میں بڑی آسانی سے اس کے گھر میں آتا جاتا ہے۔''

''فریدہ اور نواب کے حوالے سے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن حنیفو کے مطابق عابو نے نواجا کو بتایا تھا کہ اس کی ماں' نواب کی وجہ سے اس کی شادی کہیں ہونے نہیں دیتی۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نواب یہاں عابو کے چکر میں آتا ہے۔ وہ فریدہ کے ساتھ رپورٹ درج کرانے تھانے بھی آیا تھا اور عابو کی گمشدگی سے خاصا پریشان نظر آتا تھا۔''

''یہ ایک نئی بات سامنے آرہی ہے تھانے دار صاحب!'' وہ بوجھل لہجے میں بولی۔ ''فریدہ اور عابو تو جائیں جہنم میں۔ آپ کسی طرح فوراً میرے بیٹے کو تلاش کر دیں۔ پتا نہیں' وہ جھلا کہاں چلا گیا ہے.....؟''

''یہ جھلا جہاں بھی گیا ہے' میں بہت جلد اسے ڈھونڈ نکالوں گا۔'' میں نے بڑے مضبوط الفاظ میں اسے تسلی دی اور کہا۔ ''عابو اور نواجا جس پراسرار انداز میں اچانک غائب ہوئے ہیں اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ تمہارے بیٹے نے شاید ہمت کر ہی لی ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے' نواجا نے عابو کو اغوا کیا ہے؟'' وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔ ''نواجا نے عابو کو اغوا کیا ہے یا وہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ گئی ہے' لیکن اس حوالے سے سوچا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں ایک ساتھ کہیں غائب ہوئے ہیں' بہرحال.....''

میں نے تھوڑا توقف کیا' پھر ایک سانس خارج کرنے کے بعد اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''میں کل صبح ہی دو تین تحقیقاتی ٹیمیں ترتیب دے کر آس پاس کے علاقوں میں دوڑاتا

ہوں۔ انشاء اللہ ایک دو دن میں نواجا کا سراغ مل جائے گا۔ کیا تمہارے پاس نواجا کی کوئی تصویر رکھی ہوئی ہے؟''

''جی ہاں..... اس کا ایک فوٹو ہے میرے پاس۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''آپ کو دکھاؤں جی؟''

''ضرور..... فوراً!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ گھر کے اندرونی حصے سے مذکورہ فوٹو نکال لائی اور یہ دیکھ کر مجھے حیرت کا جھٹکا لگا کہ اس فوٹو میں نواجا کے ساتھ ایک لڑکی بھی موجود تھی۔ وہ دونوں کا پورٹریٹ تھا۔ میں نے آسیہ سے پوچھا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''عابو.....'' اس نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔

''اس کا مطلب ہے' نواجا اپنے کسی بھی معاملے کو تم سے چھپاتا نہیں تھا۔'' میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور اس فوٹو سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں جبھی عابو اس کے ساتھ تصویر بنوانے فوٹوگرافر کے پاس گئی ہوگی۔''

''جی حقیقت تو یہی ہے۔'' وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔ ''اگر یہ بات فریدہ کی سمجھ میں نہیں آتی تو میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں آسیہ بی بی!'' میں نے حوصلہ بڑھانے والے انداز میں کہا۔ ''اب جو بھی کرنا ہے' میں خود ہی کر لوں گا۔''

وہ بڑی فکرمندی سے بولی۔ ''تھانے دار صاحب! میرا دل بہت ڈر رہا ہے۔''

''تمہیں کس بات سے ڈر لگ رہا ہے؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

''کہیں اس بدبخت نواب نے تو..... میرے نواجا کو..... غائب نہیں کر دیا۔'' وہ سراسیمہ لہجے میں بولی۔

''اس بات امکانات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہ بات سچ ہے کہ نواب' عابو کے لئے گھر کے چکر لگاتا ہے تو وہ نواجا کو اپنے راستے کا کانٹا سمجھتے ہوئے کہیں غائب کروا سکتا ہے' لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ نواجا کے ساتھ ہی عابو بھی غائب ہے اور فریدہ کے علاوہ نواب علی بھی اس کی گمشدگی کے لئے بے حد پریشان

ہے..... آسیہ! یہ معاملہ خاصا الجھا ہوا ہے۔''

''اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے جی.....'' آسیہ نے بڑے پتے کی بات کی۔'' کہ یہ دونوں کی ملی بھگت ہو۔''

''کن دونوں کی.....'' میں نے اضطراری انداز میں پوچھا۔''اور..... کیا ملی بھگت؟''

''میں فریدہ اور نواب کی بات کر رہی ہوں جی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔''یہ بھی تو ممکن ہے کہ فریدہ نے چپ چاپ عابو کو نواب کے حوالے کر دیا ہو اور نواب نے نواجا کو غائب کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ نواجا نے عابو کو اغوا کر لیا ہے۔''

''میں تمہارے خیال کو یکسر نظر انداز تو نہیں کر سکتا آسیہ بی بی!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔''لیکن میری یہ ذاتی رائے ہے کہ فریدہ' عابو کی گمشدگی کے کھیل میں شامل نہیں۔ میں نے اس کی آنکھوں میں بے چینی اور پریشانی دیکھی ہے جو اس ماں کا خاصا ہے' جس کی جوان بیٹی اچانک گم ہو گئی ہو۔''

''جو بھی ہے جی۔'' وہ دکھی لہجے میں بولی۔''مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں۔ آپ میرے نواجا کو ڈھونڈ کر مجھ تک پہنچا دیں تو آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔''

''تم فکر نہ کرو۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔''میں بہت جلد تمہارے بیٹے کو تلاش کر لوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ جی۔'' وہ دعائیہ انداز میں بولی۔''اللہ پاک آپ کو صحت دے اور عمر دراز کرے۔''

''آمین.....'' میں نے بے ساختہ کہا اور پھر پوچھا۔

''آسیہ بی بی! یہ تو بتاؤ' کیا نواب علی شادی شدہ ہے؟''

''ہاں جی!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔''اس کے تین بچے بھی ہیں اور تینوں ہی جوان جہان ہیں۔ بڑی لڑکی نازیہ اٹھارہ سال کی ہے' اس سے چھوٹی فوزیہ کی عمر سترہ سال ہے اور سب سے چھوٹے بیٹے عمران کی عمر پندرہ سال ہے۔ نواب کی لگ بھگ بیس سال پہلے شادی ہوئی تھی' وہ اپنی بیوی دلشاد سے دس بارہ سال چھوٹا ہے۔ دلشاد اس وقت ساٹھ کے پیٹے میں ہو گی۔''

''واہ بھئی' آسیہ بی بی!'' میں نے تعریفی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔''تمہیں تو نواب

کے بارے میں بڑی معلومات ہیں۔''

''یہ کوئی خاص بات نہیں جی۔'' وہ سادگی سے بولی۔''معلومات تو رکھنا پڑتی ہے آخر کو محلے داری ہے۔''

''کیا نواب کی بیوی کو اس بات کی خبر ہے کہ وہ فریدہ کے گھر میں کوئی چکر چلا رہا ہے؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''نواب کے یہاں آنے جانے کا تو شاید اسے پتا ہے۔'' وہ معتدل انداز میں بولی۔''مگر مجھے یقین ہے' نواب کی چکر بازیوں کی کہانی ابھی تک دلشاد بانو تک نہیں پہنچی۔''

''تمہیں یہ یقین کس بنا پر ہے؟''

''جناب! نواب اس وقت جو کچھ بھی ہے وہ دلشاد بانو کی وجہ سے ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔''یہ جو سبزی منڈی میں آڑھت کا کاروبار ہے نا' یہ پہلے دلشاد کے باپ حکمت خان کا ہوا کرتا تھا' اسی لئے دکان کا نام ''خان فروٹ'' سے شروع ہوتا ہے۔ حکمت خان کی ایک ہی بیٹی تھی دلشاد بانو۔ نواب نے دولت کے لالچ میں خود سے بارہ سال بڑی عمر کی دلشاد بانو سے شادی کی تھی' پھر اس کے منصوبے کے عین مطابق حکمت خان کے انتقال کے بعد سب کچھ نواب کے ہاتھ میں آ گیا۔ دلشاد نے نواب کو سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے اور اس پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔ اگر اس کو پتا ہوتا کہ نواب کے کرتوت کیا ہیں تو وہ پہلی فرصت میں نواب کو اپنے گھر اور کاروبار سے بے دخل کر دیتی' میرے یقین کی یہی وجہ ہے تھانے دار صاحب۔''

''ٹھیک ہے' میں دیکھتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا ہو سکتا ہے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔''آسیہ بی بی! اب میں چلوں گا۔ تم کسی سے اس ملاقات کا ذکر نہیں کرنا۔ یہ اطمینان رکھو کہ میں بہت جلد نواجا کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور میں اس کے گھر سے نکل آیا۔

اصولی اور منطقی طور پر مجھے فریدہ کے گھر میں جھانک کر یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ نواب اس وقت وہاں کیا کر رہا تھا' لیکن میں نے دانستہ ادھر کا رخ نہیں کیا۔ نواب کو گھیرنے اور چیک کرنے کے لئے میرے ذہن میں ایک اور منصوبہ ترتیب پا رہا تھا۔

***

آسیہ بی بی نے مجھے جو فوٹو فراہم کیا تھا اس کے پیچھے حافظ آباد کے مین بازار کے ایک فوٹو

گرافر کی مہر لگی ہوئی تھی۔ میں نے اگلے روز مذکورہ فوٹو گرافر سے اس فوٹو کی تین چار کاپیاں مزید تیار کروا لیں اور دو' دو افراد پر مشتمل چار متلاشی ٹیمیں تشکیل دے کر انہیں عابو اور نواجا کو ڈھونڈنے کے لئے حافظ آباد اور گوجرانوالہ کے مختلف علاقوں کی جانب روانہ کر دیا۔ وہ لوگ بس سٹینڈ' تانگہ سٹینڈ اور مختلف کھانے پینے کے مقامات پر جا کر عابو اور نواجا کے بارے میں استفسار کرتے۔ گوجرانوالہ کی سمت جانے والی ٹیم کو میں نے ایک دستی رقعہ بھی تھما دیا تھا' جو تھانہ صدر کے انچارج کے نام تھا۔ اس رقعے میں' میں نے امتیاز گوندل سے اپیل کی تھی کہ وہ میری بھیجی ہوئی ٹیم کے ساتھ مکمل تعاون کرے۔

ویسے ایک بات ہے کہ میں نے اس تمام تر صورت حال میں اس امکان کو ایک لمحے کے لئے بھی اپنے ذہن سے محو نہیں ہونے دیا تھا کہ عین ممکن ہے' نواجا اپنے ساتھ عابو کو کہیں بھگا لے گیا ہو۔

کوئی بارہ بجے کے قریب میں نے اے ایس آئی فاضل کو اپنے کمرے میں بلایا اور اسے ضروری ہدایات دینے لگا۔ فاضل میرے لئے انتہائی بھروسے کا آدمی تھا اور میں اس سے ''عابو نواجا'' کیس پر کھل کر بات بھی کر رہا تھا۔ وہ میری کارگزاری سے پوری طرح آگاہ تھا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ چکا تو میں نے کہا۔

''فاضل! تم ابھی میرے ساتھ فریدہ کے گھر کی طرف چلو گے۔ میں تھوڑا پیچھے ہی رک جاؤں گا اور تم فریدہ سے جا کر کہو گے کہ میں نے ایک ضروری بات کرنے کے لئے اسے تھانے بلایا ہے۔ تم اسے اپنے ساتھ تھانے لے آؤ گے' ٹھیک ہے؟''

''جی' ٹھیک ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور پوچھا۔ ''ملک صاحب! اگر اس وقت نواب علی بھی فریدہ کے گھر پر ہوا تو اس کا کیا کرنا ہے؟''

''تم اسے بھی ساتھ لے آنا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''جب تم انہیں یہ بتاؤ گے کہ میں نے عابو کا ایک سراغ پا لیا ہے تو وہ دونوں پہلی فرصت میں تمہارے ساتھ یہاں دوڑے چلے آئیں گے۔''

''سمجھ لیں کہ وہ تھانے پہنچ گئے ملک صاحب!'' فاضل نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لیکن آپ تو تھانے میں موجود نہیں ہوں گے۔ اس صورت میں انہیں کس سے بہلانا ہوگا؟''

''تم ان سے کہہ سکتے ہو کہ مجھے ایک ضروری کام سے بس اڈے تک جانا پڑ گیا ہے۔ میں

پندرہ بیس منٹ میں واپس آ رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بس انہیں کوئی آدھے گھنٹے تک تھانے میں روک کر رکھنا ہے۔ اتنی دیر میں تو میں واپس آ ہی جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے جناب! میں یہ کر لوں گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''لیکن آپ تو میرے ساتھ فریدہ کے گھر کی طرف جا رہے ہیں۔ اس آدھے گھنٹے میں آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ملک صاحب؟''

''تم جیسے ہی فریدہ..... یا فریدہ اور نواب کے ساتھ وہاں سے تھانے کی جانب روانہ ہو گئے' میں فریدہ کے گھر میں گھس جاؤں گا۔'' میں نے سنسنی خیز انداز میں کہا۔

''کیا آپ کے خیال میں.....'' وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''فریدہ نے اپنی بیٹی کو گھر میں کہیں چھپا رکھا ہے؟''

''اس امکان کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا۔'' میں نے ذومعنی لہجے میں کہا۔ ''اس دوران میں مجھے فریدہ کے گھر کی مکمل تلاش کا موقع مل جائے گا اور لگے ہاتھوں میں اس کے اپاہج شوہر کا بھی انٹرویو کر لوں گا۔''

''انٹرویو والا آئیڈیا شاندار ہے۔'' وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ ''آخر کو قوبا بھی اس کہانی کا ایک کردار ہے۔ اس کے خیالات اور تاثرات کو بھی منظر عام پر آنا چاہئے۔''

''تو پھر چلیں؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اے ایس آئی کی طرف دیکھا۔

''جو حکم آپ کا ملک صاحب!''

***

عابو تو اپنے گھر میں کہیں نہیں تھی' تاہم یعقوب عرف قوبا سے وہ مختصر سی ملاقات بڑی سود مند رہی۔ وہ معذور شخص اپنے سینے میں کرب اور اذیت کا ایک طوفان چھپائے بیٹھا تھا۔ میری محبت بھری کرید نے اس کے ضبط کے بند کھول دیئے اور اس نے اپنا دل وا کر دیا۔ اس ملاقات میں قوبا سے جو سنسنی خیز معلومات مجھ تک پہنچیں' میں ان کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

اول تو یہ کہ اس پر فالج کا اٹیک نہیں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں فریدہ اور نواب نے مجھ سے غلط بیان کی تھی۔ درحقیقت سبزی منڈی میں نواب کی دکان پر کام کرتے ہوئے تین سال پہلے پیاز کی بھری ہوئی ایک بوری پیٹھ پر اٹھاتے ہوئے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں بڑی خطرناک گڑبڑ ہو

گئی تھی جو بعد ازاں اس کی مستقل معذوری کی شکل اختیار کر گئی۔ دوم اس کی نظر یقیناً کمزور تھی' لیکن اتنی بھی نہیں جتنی وہ ظاہر کرتا تھا۔ وہ جانتے بوجھتے ہوئے اندھا بنا ہوا تھا اور اسی اندھے پن کے طفیل گھر میں ہونے والی ہر سرگرمی کی اسے خبر رہتی تھی۔ اس بات میں بھی کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ فریدہ اور نواب کے معاملات سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس نے اپنی معذوری اور مجبوری کے ہاتھوں یہ زہریلا گھونٹ پینے کا تو فیصلہ کر لیا تھا' لیکن اندر ہی اندر وہ روز مرتا' روز جیتا تھا۔ اس کی غیرت تو بڑا جوش مارتی تھی' لیکن عملی طور پر وہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں تھا' لہٰذا اس کی بے بسی کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

یہ معاملہ تو جیسے تیسے چل رہا تھا' لیکن جب نواب نے فریدہ سے آگے بڑھ کر اس کی بیٹی پر بری نگاہ ڈالنا شروع کی تو اس کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ اپنی داستان کے اس حصے میں پہنچ کر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔

میں نے اس کے کندھوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''قوبا! کیا تمہیں یقین ہے کہ نواب' عابو کو میلی نظر سے دیکھ رہا ہے؟''

''میں اندھا نہیں ہوں جناب!'' وہ زخمی لہجے میں بولا۔ ''اس گھر میں جو ہو رہا ہے اور جو آگے ہونے والا ہے' سب میری آنکھوں کے سامنے ہے' لیکن میں اپنے حالات کے ہاتھوں اس قدر بے بس اور لاچار ہو کر رہ گیا ہوں کہ کسی شے پر میرا اختیار نہیں رہا۔ مجھے تو یہاں تک بھی شک ہے کہ.....'' وہ سانس ہموار کرنے کے لئے متوقف ہوا' پھر پروثوق انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''کہ..... عابو کی پراسرار گمشدگی میں بھی اسی بدذات نواب ہی کا ہاتھ ہے۔ اس کا سسر حکمت خان بہت نیک اور خدا ترس انسان تھا' یہ اس کی ضد ثابت ہو رہا ہے۔''

موجودہ صورت حال میں وہ ایسا سوچنے پر حق بہ جانب تھا۔ میں نے اس کی بات کے اختتام پر ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''قوبا جی! تمہارا کیا خیال ہے۔ ان حالات کے ذمے دار شخص کو کوئی سزا تو ملنا ہی چاہئے نا.....؟''

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ ''آپ کا اشارہ نواب کی طرف ہے نا؟''

''بالکل..... میں اسی مجرم شخص کی بات کر رہا ہوں۔''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے جناب۔'' وہ جوش بھرے انداز میں بولا۔ ''اگر آپ اس شیطان کیخلاف کوئی قانونی کارروائی کریں گے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی اور آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔''

''میں ضرور یہ کارروائی کروں گا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن اس سلسلے میں تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

''میں ساتھ دوں گا۔'' وہ بڑے عزم سے بولا۔ ''بتائیں کیا حکم ہے تھانے دار صاحب..... میں جو کر سکتا ہوں' جس قابل رہ گیا ہوں' وہ ضرور کروں گا۔''

''تمہیں صرف دیانت داری سے زبان چلانا ہوگی۔'' میں نے بدستور سنجیدہ انداز میں کہا۔ ''اور مجھے یقین ہے' تم ایسا کر لو گے۔''

''میں زبان چلانے کا مطلب نہیں سمجھا۔'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''میں کسی طرح گھیر گھار کر نواب کی بیوی کو تمہارے پاس لاؤں گا اور تمہیں دلشاد بانو کو بتانا ہوگا کہ اس کا شوہر تمہارے گھر میں کون سا گھناؤنا کھیل کھیل رہا ہے۔''

''مک گئی جناب!'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ''میں اس کام کے لئے تیار ہوں۔''

''تو پھر سمجھ لو کہ تمہاری اذیت کے دن ختم ہو گئے۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا' پھر پوچھا۔ ''نواب عموماً کس وقت تمہارے گھر میں آتا ہے۔''

''وہ سورج غروب ہونے کے بعد ہی ادھر آتا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور گھنٹہ' دو گھنٹہ گزارنے کے بعد رات کے اندھیرے ہی میں واپس چلا جاتا ہے۔ پہلے تو وہ ہفتے میں ایک آدھ بار ہی آیا کرتا تھا' لیکن جب سے عابو گم ہوئی ہے' اس منحوس نے ہمدردی جتانے کے بہانے روز ہی آنا شروع کر دیا اور کافی دیر کے بعد واپس جاتا ہے۔''

''بس' تو پھر آج رات کو تم ذہنی طور پر تیار رہنا۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''جب نواب اور فریدہ اپنے معاملات میں مصروف ہوں گے تو میں دلشاد بانو کے ساتھ یہاں پہنچ جاؤں گا۔ تم میری آواز سنتے ہی اپنی بیوی کو برا بھلا کہنا شروع کر دینا۔ اس موقعے پر تمہیں بہ آواز بلند اپنے دل کا غبار نکالنا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم ہوگا کہ دلشاد بانو سب سن رہی ہے' لہٰذا تم کوئی کسر اٹھا نہیں رکھنا۔ باقی کے معاملات میں سنبھال لوں گا۔''

''آپ بے فکر ہو جائیں تھانے دار صاحب!'' وہ مستحکم لہجے میں بولا۔ ''آپ مجھے غبار نکالنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں تو میں انشاء اللہ آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔''

میں بے فکر ہو کر اس کے گھر سے اٹھ آیا۔

***

فریدہ تھانے میں بیٹھی میرا انتظار کر رہی تھی۔

اے ایس آئی فاضل نے اسے باتوں میں لگا رکھا تھا۔ یہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ گھر سے وہ اکیلی ہی فاضل کے ساتھ نکلی تھی۔ نواب اس وقت فریدہ کے گھر میں موجود نہیں تھا۔ قوبا کی زبانی مجھے پتا چلا تھا کہ آج کل وہ رات میں ادھر کا چکر لگا رہا تھا اور اس بات کی تصدیق فریدہ کی پڑوسن آسیہ کے انکشاف سے بھی ہوتی تھی۔ رات جب گوجرانوالہ سے واپسی پر میں آسیہ سے ملنے گیا تھا تو اس نے مجھے بتایا تھا' نواب اس وقت فریدہ کے گھر میں موجود تھا۔

مجھ پر نظر پڑی تو وہ بے تابی سے مستفسر ہوئی۔ ''تھانے دار جی! آپ کہاں چلے گئے تھے۔ میں کتنی دیر سے یہاں بیٹھی آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔''

میں نے اے ایس آئی کو اشارہ کیا کہ وہ کمرے سے باہر چلا جائے۔ یہ سب اس سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ تھا' جو میں نے فاضل کے ساتھ مل کر تیار کیا تھا۔ جب میں اور فریدہ کمرے میں باقی رہ گئے تو میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''میں تمہاری بیٹی ہی کے سلسلے میں مارا مارا پھر رہا ہوں فریدہ بی بی!''

''مجھے آپ کا بندہ بتا رہا تھا کہ آپ نے عابو کا سراغ لگا لیا ہے؟''

میرا بندہ سے اس کی مراد اے ایس آئی فاضل تھا۔ میں نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''صرف عابو ہی کا نہیں بلکہ میں نے دونوں کا سراغ لگا لیا ہے۔''

اس کی آنکھوں میں حقیقی چمک پیدا ہوئی' پھر وہ نفرت بھرے لہجے میں پوچھ بیٹھی۔ ''وہ بدذات میری بچی کو کہاں لے گیا ہے؟''

''گجرات!'' میں نے آواز دھیمی رکھتے ہوئے پراسرار لہجے میں کہا۔ ''رات تک مجھے یہ بھی پتا چل جائے گا کہ وہ دونوں گجرات کے کس علاقے میں موجود ہیں' لیکن فریدہ بی بی! تمہیں ایک کام کرنا ہے؟''

میں نے سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے بولی۔ ''جی حکم کریں۔''

میں نے بدستور دھیمے لہجے میں کہا۔ ''اس کامیابی کا کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے..... ورنہ کھیل بگڑ بھی سکتا ہے۔ میں نے ابھی تھانے میں بھی کسی کو نہیں بتایا۔''

''اور یہ آپ کا بندہ.....''

اس کا اشارہ فاضل کی جانب تھا۔

''یہ میرے بھروسے کا بندہ ہے۔'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

''نواب صاحب بھی تو میرے لئے بھروسے کے آدمی ہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''کیا میں انہیں اس راز میں شریک کر سکتی ہوں؟''

اس نے میرے بچھائے ہوئے جال میں خود ہی قدم رکھ دیا تو میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ضرور..... کیوں نہیں۔ نواب صاحب تو تمہارے سچے خیر خواہ ہیں' لیکن انہیں تاکید کر دینا کہ اس بات کو ابھی آگے نہ بڑھائیں..... میں آج رات کو تمہارے گھر آ رہا ہوں ٹھیک سات بجے.....''

''کیوں.....'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

''خیریت تو ہے تاجی؟''

''چھ' ساڑھے چھ بجے تک مجھے گجرات کی طرف سے پکی اطلاعات مل جائیں گی۔'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔ ''میں اس حساس معاملے پر یہاں تھانے میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا اس لئے گھر پر آ رہا ہوں۔ تم نواب صاحب کو بھی اپنے گھر پر بلا لو۔ میں ان کی مشاورت سے گجرات کے چھاپے کا پروگرام ترتیب دینا چاہتا ہوں۔'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تم نواب صاحب کو ٹھیک سات بجے اپنے گھر بلا سکتی ہو؟''

''کیوں نہیں جناب!'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ ''یہ کون سی مشکل بات ہے۔ شام کو تو وہ ویسے ہی میرے گھر آئیں گے۔ جب سے عابو گم ہوئی ہے' وہ روزانہ شام کو میرے گھر آتے ہیں اور کافی دیر تک میری دلجوئی کرتے رہتے ہیں۔ وہ مجھے تسلیاں دیتے ہیں کہ میں عابو کے بارے میں زیادہ پریشان نہ ہوں۔ وہ جلد ہی مل جائے گی۔''

''اس وقت نواب صاحب کہاں ہوں گے؟'' اس کے خاموش ہونے پر میں نے پوچھا۔

''وہ منڈی میں ہوں گے۔''

اس نے جواب دیا۔

''سبزی منڈی میں زیادہ تر کام تو صبح میں ہوتا ہے' لیکن نواب صاحب شام تک ادھر ہی رکتے ہیں۔ دوسرے شہروں کے آڑھتیوں کا آنا جانا دوپہر کے بعد ہی ہوتا ہے۔ کاروباری لین دین اور دیگر معاملات کے لئے انہیں شام تک منڈی میں رکنا پڑتا ہے۔''

''بس' تو پھر ٹھیک ہے۔ ہماری ملاقات' تمہارے گھر پر سات بجے ہوگی۔'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

وہ اٹھی اور خوشی خوشی رخصت ہوگئی۔

میرے پاس وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ شام چھ سے پہلے مجھے تمام معاملات نمٹانا تھے۔ یہ اچھی بات تھی کہ فوری طور پر نواب علی کو اپنے گھر کی طرف نہیں جانا تھا' لہٰذا میرے لئے یہ سنہری موقع تھا کہ میں اس کے گھر پہنچ کر دلشاد بیگم پر اپنا کام مکمل کرلوں۔ میں نے فریدہ کے شوہر یعقوب عرف قوبا سے وعدہ کیا تھا کہ دلشاد بانو کو گھیر گھار کر اس کے گھر پہنچاؤں گا اور یہ 'گھیرنا گھارنا' اتنا آسان کام نہیں تھا۔

اس وقت دوپہر ڈھلنے کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ میں نے اے ایس آئی فاضل کو اپنے پاس بلا کر چند ضروری ہدایات دیں اور نواب علی کے گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔

میں نے لگ بھگ ایک گھنٹے تک دلشاد بانو پر کڑی محنت کی اور خوشی کی بات یہ ہے کہ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ اسے اپنے شوہر کے حوالے سے پہلے ہی سن گن تو مل گئی تھی' لیکن چونکہ اس کے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں تھا' اس لئے وہ کسی سخت ایکشن سے باز رہی تھی۔ اس نے جب بھی نواب کے سامنے فریدہ کا ذکر کیا ایک خاص زاویے سے کیا تو وہ انجان بن گیا۔ جیسے اس کا کبھی فریدہ سے واسطہ ہی نہ رہا ہو۔ اس نے اپنے اور فریدہ کے تعلقات کو بڑی چالاکی سے چھپا رکھا تھا' جبکہ میں نے پلک جھپکتے میں' اس کے دونوں ہاتھ ثبوتوں سے بھر دینے کی امید دلائی تھی' لہٰذا وہ فوراً میرے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگئی۔ وہ اس نادر موقع کو بھلا کیسے ہاتھ سے جانے دیتی۔

اس منصوبے کے مطابق مجھے ٹھیک سات بجے فریدہ کے گھر پہنچنا تھا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد دلشاد بانو اپنے شوہر کو ڈھونڈتے ہوئے فریدہ کے دروازے تک پہنچ جاتی۔ میں اس

کے لئے دروازہ کھولنے جاتا تو قوبا ایکشن میں آ جاتا اور جیسے ہی دلشاد بانو گھر کے اندر قدم رکھتی' قوبا اپنی تمام تر تیار توپوں کا رخ اس طرف پھیر دیتا۔ میں چونکہ (بظاہر) دلشاد بیگم سے واقف نہیں تھا' لہٰذا اس دھواں دھار سچویشن میں مجھے ہکا بکا رہ جانے کی اداکاری کرنا تھی۔

دوسری جانب میں نے آسیہ بی بی کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ جیسے ہی فریدہ کے گھر میں شور کی آواز سنے' وہ اپنے گھر سے باہر نکل کر واویلا شروع کر دے اور دیگر محلے دار عورتوں کو بھی جمع کر لے۔ اس کے احتجاج کا مؤقف یہ ہونا چاہئے کہ فریدہ کو محلہ بدر کر کے وہاں کے ماحول کو صاف ستھرا بنایا جائے۔ فریدہ نے اپنے گھر میں جو گند خانہ کھول رکھا ہے اسے فوراً ختم ہونا چاہئے۔ میں نے آسیہ کو خاص طور پر تاکید کر دی تھی کہ یہ احتجاجی مکالمے دلشاد بانو کی سماعت تک ضرور پہنچنا چاہئیں۔

اس رات فریدہ کے گھر میں اور گھر کے باہر گلی میں' سب کچھ عین میرے ترتیب دیے ہوئے منصوبے کے مطابق عمل میں آیا۔ ایک طرف قوبا گالم گلوچ کی شمولیت کے ساتھ چیخ چیخ کر اپنے دل و دماغ کا غبار دھو رہا تھا' تو دوسری جانب آسیہ نے گلی میں مشتعل عورتوں کا باقاعدہ ایک مجمع لگا لیا تھا' جبکہ تیسری دلشاد بانو بھی اپنے شوہر نامدار کو کھری کھری سنا کر بری طرح ذلیل کر رہی تھی۔ اس سنسنی خیز صورت حال میں فریدہ اور نواب کو حد درجہ کوفت اٹھانا پڑی۔ میں لاتعلق سا' ایک طرف کھڑا یہ تماشا حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا' جبکہ اس ڈرامے کا رائٹر' ڈائریکٹر اور پروڈیوسر میں ہی تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ ہنگامہ قدرے سرد ہوا تو دلشاد بانو بڑے خفیف انداز میں' اپنے بھیگی بلی بنے شوہر کو ساتھ لے کر موقعے سے فرار ہوگئی۔ نواب علی کی وہ کیفیت تھی کہ بہ قول شاعر.....

بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے!

***

اگلے روز دوپہر کے بعد ایک خوش خبری سننے کو ملی۔ جو ٹیم گمشدہ افراد کی تلاش میں گوجرانوالہ گئی تھی انہوں نے نواز عرف نواجا کا سراغ لگا لیا تھا' لیکن افسوس کہ وہ اب اس دنیا میں باقی نہیں رہا تھا۔

واقعات کے مطابق میری بھیجی ہوئی ٹیم نے بس سٹینڈ کے قریب ایک ٹھیلے والے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ وقوعہ کے روز اس نے نواجا کو دو افراد کے ساتھ شیخوپورہ روڈ کی طرف جاتے

دیکھا تھا۔ وہ ٹھیلے والا چونکہ ان دونوں افراد کو جانتا تھا' لہٰذا ٹیم کو وہاں تک رسائی کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ مذکورہ افراد کا تعلق نئی سبزی منڈی کے ایک آڑھتی چودھری اقبال سے تھا۔

چودھری اقبال کے نام نے میرے ذہن میں ایک جھماکا کیا اور مجھے فوراً یاد آ گیا کہ وہ تو نواب علی کا ایک گہرا دوست تھا۔ جب چند روز پہلے میں گوجرانوالہ آ رہا تھا تو نواب علی نے مجھے چودھری اقبال کا نام پتا بھی دیا تھا کہ میں اس تلاش کے سلسلے میں اس سے مدد لے سکتا ہوں' لیکن میں نے اس چودھری کو ٹچ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔

جب میں نے اور امتیاز گوندل تھانہ انچارج صدر نے چودھری اقبال کے ان دونوں بندوں کو تفتیش کی چکی میں ڈالا تو پسنے سے پہلے ہی انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ انہوں نے اپنے ولی نعمت چودھری اقبال کے ایما پر نواجا کو قتل کر کے کھیتوں کی نم زمین میں دبا دیا تھا۔ نواجا بہ خیریت گوجرانوالہ تو پہنچا تھا' لیکن اسے راسکو ملز میں قدم رکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔

اس انکشاف کے بعد جب چودھری اقبال کو زیر تفتیش لایا گیا تو اس نے پھینٹی شینٹی کھانے کے بعد اعتراف کر لیا کہ اس کام کے لئے اسے نواب علی نے کہا تھا اور وہ اپنے دوست کا کہنا ٹال نہ سکا۔

کڑی سے کڑی ملی تو میں نے نواب علی کو گرفتار کر کے خوف ناک صورت اور خطرناک کرتوت کے مالک حوالدار صفدر علی کے حوالے کر دیا۔ صفدر علی نے ظالم اور سفاک ہونے کے ساتھ ساتھ ہٹا کٹا اور موٹا تازہ بھی تھا۔ صفدر علی پوری رات نواب علی پر مختلف تفتیشی تجربات کرتا رہا اور صبح تک اس کیس کا مکمل حل سامنے آ گیا۔

نواب علی نے نواجا کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھتے ہوئے ایک طرف تو چودھری اقبال کے توسط سے اسے ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر دیا تھا اور دوسری جانب بڑی صفائی سے عابو کو اغوا کر کے اپنے ایک دوست کے پاس پنڈی بھٹیاں پہنچا دیا تھا۔ عابو' اغوا کنندگان کو نہیں جانتی تھی اسے صرف اتنا پتا تھا کہ وہ اغوا کر لی گئی ہے۔ پنڈی بھٹیاں میں چودھری حشمت سے نواب کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ عابو کو چودھری حشمت کی تحویل میں پہنچایا گیا تھا۔

اور..... یہ سارا گھٹ راگ نواب علی نے اس لئے پھیلایا تھا کہ وہ تین ماہ کی کوشش کے بعد اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ فریدہ اپنی ذات کی حد تک تو اس کے ساتھ ہر زاویے سے منسلک رہنے کو تیار تھی' لیکن ایسی ہی آزادی وہ عابو کو ہرگز دینے کو تیار نہیں تھی۔ اس کی خواہش تھی

کہ نواب' عابو سے باقاعدہ شادی کرے..... اور یہ ہو نہیں سکتا تھا۔

چنانچہ نواب نے اپنے آدمیوں کے ذریعے عابو کو اغوا کر کے پنڈی بھٹیاں پہنچا دیا اور نواجا کو ٹھکانے لگوا کر اس امر کی فضا قائم کر دی کہ عابو' نواجا کے ساتھ کہیں بھاگ گئی ہے یا یہ کہ نواجا نے عابو کو اغوا کر لیا ہے۔ فریدہ کے ذہن میں بھی یہ فلسفہ اسی نے ڈالا تھا۔

اس کا منصوبہ یہ تھا کہ جب اس معاملے کو چند دن گزر جاتے تو پھر وہ عابو سے مستفید ہونے کے لئے پنڈی بھٹیاں پہنچ جاتا۔ اس ہوس کاری کے بعد وہ عابو کا کیا کرتا' اس بارے میں اس نے پہلے سے نہیں سوچ رکھا تھا۔

نواب علی کی بدقسمتی کہ میں نے اس کے شیطانی منصوبے کی ایسی تیسی کر کے رکھ دی۔ اسی روز میں نے ایک چھاپہ مار ٹیم کو پنڈی بھٹیاں بھیج کر عابدہ عرف عابو کو بھی بازیاب کرا لیا۔ جب عابو کو پتا چلا کہ نواجا کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ ناقابل تلافی نقصان کے آنسو تھے۔

دوسری طرف آسیہ بی بی اپنے لخت جگر کی ابدی جدائی میں خون کے آنسو بہا رہی تھی تو تیسری جانب فریدہ کی آنکھوں سے اشک ندامت جاری تھے' لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ..... اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

نواب علی جیسے فتنہ گر کردار ہر دور میں ہمارے آس پاس موجود ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے کالے کرتوتوں سے آپ کے پڑوس میں کوئی فتنہ جگانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

***

زخم جفا

ایک روز میں تھانے میں بیٹھا کسی کیس کا چالان تیار کر رہا تھا کہ باہر شور کی آواز سن کر مجھے ہاتھ روکنا پڑا۔ بے ساختہ میری نگاہ کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کی جانب اٹھ گئی۔ میں نے دیکھا' چند دیہاتی ایک بچے کو دھکیلتے' گھسیٹتے ہوئے میری طرف لا رہے تھے۔

ہاتھ تو رک ہی چکا تھا' میں نے قلم کو بھی چھوڑ دیا اور الجھن زدہ نظر سے اس وحشی منظر کو دیکھنے لگا۔ اس دوران میں دیہاتی مذکورہ بچے کو میرے سامنے پہنچا چکے تھے۔ میں نے گرج کر کہا۔

''چھوڑ دو اسے.....''

میرے حکم کا فوری اثر ہوا اور ان دیہاتیوں نے بچے کو مارنا بند کر دیا' تاہم اس کا گریبان ابھی تک ایک مشتعل دیہاتی کی گرفت میں تھا۔ میں نے مذکورہ دیہاتی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

''میں نے کہا نا' اس بچے کو چھوڑ دو ورنہ میں تم سب کو حوالات میں بند کر دوں گا۔''

''جناب! حوالات میں تو آپ اس شیطان کو بند کریں.....'' ان میں سے ایک خفگی آمیز انداز میں بولا۔ ''جس نے سب کا جینا عذاب کر رکھا ہے۔''

''اس معصوم نے ایسا کون سا جرم کیا ہے؟'' میں نے باری باری ان کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے استفسار کیا۔

''جناب! یہ پوچھیں کہ اس نے کیا نہیں کیا۔'' ایک دیہاتی طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''آپ اسے معصوم نہ سمجھیں۔ یہ شکل سے سیدھا سادا نظر آتا ہے' لیکن اس کے وجود میں بڑی خبیث روح بند ہے۔ یہ آج بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے۔ پچھلے آٹھ دس دن سے اس نے ہماری مٹی

پلید کر رکھی ہے۔ چودھری صاحب کا سارا غصہ بھی ہم ہی پر اترتا ہے۔''

''چودھری صاحب!'' کے الفاظ پر میں چونک اٹھا۔ ''اس بچے کے قصور کے بارے میں تو میں بعد میں پوچھوں گا۔'' میں نے کہا۔ ''پہلے یہ بتاؤ' آپ کون لوگ ہو؟''

''ہم چودھری ارشاد کے ملازم ہیں۔'' ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ ''ہم چودھری صاحب کے باڑے میں کام کرتے ہیں۔''

''اتنی اکڑ تو کبھی چودھری ارشاد نے نہیں دکھائی۔'' میں نے جواب دینے والے کو تیز نظر سے گھورا۔ ''تم چودھری کے ادنیٰ سے ملازم ہو کر بڑی اچھل کود مچا رہے ہو' بچے کا جرم سننے سے پہلے تم لوگوں کے دماغ درست کرنا ہوں گے۔ کیا خیال ہے' تمہیں ٹرائل روم کی سیر کرائی جائے.....''

وہ میری اس خطرناک دھمکی سے ٹھنڈے پڑ گئے۔ ان میں سے جو زیادہ بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا' نرم لہجے میں بولا۔

''تھانے دار جی! آپ ہمیں معاف کر دیں۔ دراصل..... اس مردود کی حرکتوں نے پچھلے کئی دن سے ہمارا جینا حرام کر رکھا ہے' اوپر سے روزانہ چودھری صاحب کی ڈانٹ پھٹکار بھی سننا پڑتی ہے۔ بس' اسی وجہ سے دماغ گرم ہو گیا تھا۔''

"اگر دماغ اور مزاج ٹھنڈا ہو گیا ہو تو بتاؤ' اس بچے نے ایسا کون سا سنگین جرم کیا ہے جو تم اسے بے دریغ مارتے ہوئے یہاں تک لائے ہو؟" میں نے باری باری ان افراد کی آنکھوں میں دیکھا پھر بچے سے کہا۔

"اوئے بچے..... تم ادھر جا کر بینچ پر بیٹھو۔ ابھی تمہارا بیان بھی ہو گا۔"

میرے کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ لمبی سی چوبی بینچ رکھی ہوئی تھی۔ وہ بچہ خاموشی سے اٹھا اور جا کر مذکورہ بینچ پر بیٹھ گیا۔ اس بچے کی عمر گیارہ بارہ سال رہی ہو گی۔ وہ اپنی عمر سے کافی کم دکھائی دیتا تھا۔ اس کی صحت بھی تسلی بخش نظر نہیں آتی تھی۔ جسم مخنی تھا اور چہرے پر معصومیت کھیلتی تھی۔ اسے ایک مجرم کی حیثیت سے دیکھ کر بڑا ترس آتا تھا۔ دل ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہو گا۔ بہرحال' یہ تو تفتیش کے بعد ہی پتا چل سکتا تھا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

چودھری کے ملازموں میں جو کھڑپنچ قسم کا تھا' اس کا نام عنایت معلوم ہوا۔ وہی باڑے کا انتظام و انصرام بھی سنبھالتا تھا۔ اس کی مدد کیلئے صدیق' اشرف اور خاور باڑے پر موجود رہتے

تھے۔ چودھری ارشاد کے باڑے میں کل ملا کر سات بھینسیں، تین گائیں، چار بکریاں اور دو اعلیٰ نسل کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ مذکورہ باڑا خاصا وسیع و عریض تھا، جس کے ایک حصے میں قطار سے چار بڑے بڑے کمرے بھی بنے ہوئے تھے۔ ایک کمرے پر ملازموں کا قبضہ تھا۔ دوسرے میں مویشیوں کا چارا وغیرہ اسٹاک کیا گیا تھا اور باقی دو کمرے حسب ضرورت جانوروں کے استعمال میں رہتے تھے۔ خصوصاً موسم سرما اور موسم برسات میں ان مویشیوں وغیرہ کو کمروں کے اندر باندھنا پڑتا تھا۔ یہ کمرے ہال نما تھے، لہٰذا جگہ کے حوالے سے کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ باڑے کے کشادہ صحن میں مختلف رنگ و نسل کے چند سایہ دار درخت ایستادہ تھے۔ باڑے کے حوالے سے یہ تفصیل بیان کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ جو لوگ شکایت لے کر میرے پاس آئے تھے ان کا اور ان کے مسئلے کا تعلق اسی باڑے سے تھا۔

عنایت نامی اس اکھڑ مزاج بندے کی زبانی قیصر کے جرم کی جو تفصیل مجھ تک پہنچی میں اس کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ بعد میں آنے والے واقعات کا مطالعہ آپ کے ذہن کو الجھانے کی کوشش نہ کرے۔ ان میں سے بعض باتیں ایسی ہیں جو بعد میں میرے علم میں آئی تھیں لیکن واقعات کا تسلسل قائم رکھنے کیلئے بھی بیان کر دی ہیں۔

ایک بات کا میں ذکر کرنا بھول گیا۔ عنایت اور اس کے ساتھی جس نوعمر لڑکے کو زدوکوب کرتے ہوئے میرے پاس لائے تھے اس کا نام قیصر عرف کیسو تھا۔

***

چودھری ارشاد کا تعلق موضع فتح پور سے تھا۔ یہ ایک بڑا گاؤں تھا جہاں لگ بھگ ساڑھے تین سو گھر آباد تھے۔ کم و بیش ڈیڑھ ہزار نفوس پر مشتمل یہ گاؤں میرے تھانے کی حدود میں آتا تھا اور تھانے سے چند گز کے فاصلے کو واکنگ ڈسٹینس کہہ سکتے ہیں۔

ارشاد بڑا دبنگ اور رعب داب والا چودھری تھا۔ آس پاس کے چھوٹے گاؤں دیہات پر بھی در پردہ اسی کی چودھراہٹ چلتی تھی۔ موضع فتح پور میں چودھری ارشاد کی حویلی کسی عالیشان محل کا نظارہ پیش کرتی تھی، لیکن اس حویلی کے ساتھ ایک خاص نوعیت کی بدقسمتی بھی جڑی ہوئی تھی۔

چودھری کی شادی کوئی بتیس تینتیس سال پہلے ہوئی تھی۔ اللہ نے شادی کے دوسرے سال ایک بیٹی عطا کی۔ نادرہ نامی وہ بچی بہت ہی خوبصورت اور گول مٹول تھی جسے پیار سے رانی کہا جاتا تھا۔ رانی کے بعد چودھری کے یہاں دو، تین تین سال کے وقفے سے تین بچے یعنی لڑکے

پیدا ہوئے لیکن وہ بدقسمتی جس کا اوپر میں نے ذکر کیا ہے، اس کے ہاتھوں ان بچوں میں سے کوئی ایک بھی زندگی کا ساتھ نہ دے سکا اور ان میں سے ہر کوئی اپنی پیدائش کے ایک سال کے اندر اندر دار فانی سے رخصت ہو گیا۔ چودھری قدیر دو ماہ کی عمر میں، چودھری نعیم چھ ماہ کی عمر میں اور چودھری سلطان نو ماہ کی عمر میں چل بسا۔ کسی نے بھی زندگی کا ایک سال مکمل نہیں کیا تھا۔ یہ صورت حال یقیناً چودھری ارشاد اور اس کی بیوی چودھرائن نور جہاں کیلئے بڑی تکلیف دہ اور اذیت ناک تھی۔ چودھری ارشاد کا تو دماغ گھوم کر رہ گیا تھا۔ آٹھ دس سال کے اندر تین بیٹوں کی اموات کا صدمہ اس کا دل لہو کر گیا تھا۔ اسے سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ وہ اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا، لیکن اس زمین و جائیداد اور مال و دولت کا کوئی حقیقی وارث موجود نہیں تھا۔ کوئی ایسا شخص جو چودھری کا نام لیوا ہو اور جس کے نام اور وجود سے چودھری کی نسل آگے چلے۔ یہ سوچ دن رات اسے اندر سے کریدتی رہتی تھی کہ اس کا اور اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

متفکر تو چودھرائن بھی بہت تھی۔ اس لئے نہیں کہ نسل کو آگے بڑھانے والا کوئی بیٹا نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ اس ناکامی اور نامرادی کے نتیجے میں چودھری کوئی الٹا سیدھا فیصلہ نہ کر لے۔ وہ چودھری کی محرومی کی شدت اور اس کی خواہش کی حادثات کو بخوبی دیکھ اور محسوس کر رہی تھی۔ وہ ایک جنونی..... کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ پچھلے پانچ چھ سال سے اس کی کوکھ بھی ہری نہیں ہوئی تھی۔ اسے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اس کی جانب سے مایوس ہونے کے بعد چودھری کہیں دوسری شادی نہ کر لے۔ سوتن کا آسیب ہر لمحہ کسی شمشیر برہنہ کے مانند اس کے سر پر لٹکتا رہتا تھا۔

نادرہ عرف رانی جب سن بلوغت کو پہنچی تو قلعہ چاند والا کے چودھری افتخار کے بڑے بیٹے سے اس کی شادی کر دی گئی۔ اب حویلی میں چودھری اور چودھرائن کے علاوہ نصف درجن سے زیادہ ملازم اور ملازمائیں رہ گئی تھیں۔ چودھرائن نے رانی کی شادی کے بعد سکھ کا سانس لیا تھا کہ شاید اب چودھری اس خطرناک رخ پر نہ سوچے، جس کا خدشہ چودھرائن کے دل و دماغ کا قیمہ بناتا رہتا تھا۔ نور جہاں کا اطمینان اس حوالے سے بھی تھا کہ چودھری ارشاد اب ساٹھ کا ہندسہ عبور کر چکا تھا۔

پھر ایک روز حویلی میں جیسے بھونچال آ گیا۔ نور جہاں کے سر پر لٹکنے والی خطرناک تلوار کی

رسی ٹوٹ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی قسمت کا ستارہ ٹوٹ گیا ہو۔ چودھری ارشاد نے دوسری شادی کا اعلان کر کے ہر خاص و عام کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ سب سے زیادہ مہلک بجلی تو نور جہاں کے حواس پر گری تھی۔ چودھری' اس کی زندگی کا ساتھی اور اس کا محرم راز اس پر سوتن لا رہا تھا اور وہ بھی جوان جہان' صرف بائیس سال کی ایک الہڑ مٹیار جو اس کی بیٹی رانی سے بھی آٹھ سال چھوٹی تھی۔

نور جہاں کا میکا اتنا طاقتور نہیں تھا کہ وہ کھلم کھلا چودھری کے اس منصوبے کی مخالفت کرتا' لہٰذا چودھری کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے کسی دقت یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نورین اس کی دوسری بیوی بن کر حویلی میں آ گئی۔

نورین..... جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے' اکیس سے بائیس سال کی ایک بھرپور اور جوان لڑکی تھی اور اس کے مقابلے میں چودھری کا باسٹھ سالہ بڑھاپا تھا' لیکن چودھری نے اگر یہ قدم اٹھایا تھا تو جگ ہنسائی کے لئے نہیں۔ اس نے بہت سوچ بچار کے بعد ہی دوسری شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ بیساکھیوں کے سہارے چلنے کا قائل نہیں تھا۔

شادی کے کچھ عرصے بعد ہی چودھری ارشاد نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ماٹھا نہیں بلکہ ساٹھا اور پاٹھا ہے۔ نورین سے اس کی شادی کو پانچ چھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ حویلی کے در و دیوار نے یہ خوش خبری سماعت کی کہ اس حویلی میں کوئی نیا مہمان آنے والا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ چودھری کا جانشین اور وارث ثابت ہو۔

نورین ادھر امید سے ہوئی' ادھر جیسے نور جہاں کا دل بجھ کر رہ گیا۔ ظاہر ہے' نورین اس کے مقابلے میں زیادہ حسین' زیادہ جوان اور زیادہ پر ہیجان تھی اور آنے والے دنوں میں وہ چودھری کے بچے کو بھی جنم دینے والی تھی اور اگر وہ بچہ لڑکا ہوتا تو پھر یہ سیدھی سیدھی نور جہاں کی شکست تھی۔ ظاہر ہے' اس عمل کے بعد نورین کو اس پر سبقت حاصل ہو جاتی۔ گویا.... نورین چودھری ارشاد کی توجہ کا محور و مرکز بن کر رہ جاتی۔

نور جہاں عمومی انداز میں سوچ رہی تھی' کیونکہ ہمارے معاشرے اور ہمارے سماج کا یہی چلن ہے' لیکن چودھری ارشاد کے ذہن میں اس نوعیت کی کوئی بھی منفی سوچ نہیں تھی۔ وہ نور جہاں کی اب بھی وہی قدر کر رہا تھا' جو نورین کی آمد سے قبل تھی' لیکن نور جہاں کو اس کی محبت میں اب مصنوعی اور کھوکھلا پن محسوس ہوتا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا' جیسے چودھری محض خانہ پری کے

لئے اس کا خیال رکھتا ہے۔ وہ نور جہاں کی دلجوئی اور نورین کی دلداری کرتا ہے۔

نور جہاں کے ذہن میں یہ بات نقش ہو چکی تھی کہ نورین کی آمد کے بعد چودھری کی اس میں دلچسپی اور توجہ ختم ہو گئی ہے' لہٰذا اس کے مثبت عمل کو بھی خانہ پری اور رواداری کے کھاتے میں ڈال رہی تھی۔ اگر وہ نورین کا نسبتاً زیادہ خیال رکھ رہا تھا تو اس کی فطری وجوہات تھیں۔ وہ ظاہر ہے' ایک جوان اور نئی نویلی بیوی تھی' جبکہ اس کے مقابلے میں نور جہاں بوڑھی اور کڑوی کسیلی ہو چکی تھی' خاص طور پر جب سے نورین نے حویلی میں قدم رکھا تھا' چودھری کے ساتھ نور جہاں کا طرز عمل بڑا روکھا اور بے گانگی کا ہو گیا تھا۔ وہ ہر وقت چودھری سے شاکی اور خفا دکھائی دیتی تھی۔ شاید یہ اس کے اندر کا غصہ اور ناپسندیدگی تھی' جو اسے چودھری بدلا بدلا اور پرایا پرایا سا نظر آتا تھا۔

اس وقت تو نور جہاں کے سینے پر گویا سانپ ہی لوٹ گئے' جب چودھری ارشاد نے گاؤں کی تین ماہر دائیوں کو نورین کے طبی اور نفسیاتی معائنے کے لئے حویلی میں بلا لیا۔ مذکورہ دائیاں اس کام میں بڑی مہارت رکھتی تھیں کہ وہ حاملہ عورت کا جسمانی اور نفسیاتی تجزیہ کر کے بتا دیا کرتی تھیں کہ وہ بیٹے کو جنم دے گی یا بیٹی کو۔

اس زمانے میں الٹرا ساؤنڈ ایسی سہولت لوگوں کو میسر نہیں تھی' لہٰذا تجربہ کار اور کہنہ مشق دائیوں سے ایسے معاملات میں ماہرانہ مدد لی جاتی تھی۔ دو دائیوں نے نورین کے طبی معائنے' اس کی نشست و برخاست کے مشاہدے اور پیٹ کے پھیلاؤ کا جائزہ لینے کے بعد فتویٰ صادر کر دیا کہ نورین کے یہاں اولاد نرینہ ہو گی' جبکہ تیسری اور عمر رسیدہ دائی نے ایک عملی تجربہ کر کے اپنی ہم عصر دائیوں کے فتوے کی تصدیق کر دی۔ وہ دلچسپ تجربہ کچھ اس طرح کیا گیا تھا۔

نورین کو کمرے کے ایک کونے میں دونوں پاؤں جوڑ کر کھڑا کر دیا گیا۔ اس دیوار کے دوسرے سرے پر خود وہ دائی کھڑی تھی۔ اس نے نورین کو ہدایت کی کہ وہ بہ آہستگی چلتے ہوئے اس کی جگہ پر آ جائے۔ جب نورین نے اس کی ہدایت کی تعمیل کر دی تو دائی کمرے کے دوسرے کونے میں چلی گئی اور نورین سے اس کونے میں پہنچنے کو کہا گیا۔ نورین نے یہ بھی کر دکھایا۔ الغرض' اس دائی نے نورین کو کمرے کی چاروں دیواروں کے ساتھ چلانے کے بعد نقطہ آغاز پر پہنچا دیا' یعنی جہاں سے اس نے چلنے کی ابتداء کی تھی۔ بالآخر وہ وہیں پہنچ گئی۔ دائی نے ایک گہری سانس خارج کی اور حتمی لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"چودھری صاحب ! اگر چھوٹی چودھرائن خیر خیریت سے ساری منزلیں طے کر گئیں تو انشاءاللہ آپ ایک بیٹے کے باپ بن جائیں گے۔"

"تت ....تم نے.... کس بات سے یہ اندازہ لگایا ہے....؟ چودھری نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔ اس کا اضطرار حد سے زیادہ خوشی کا مظہر تھا۔

"میرا تجربہ یہ کہتا ہے چودھری صاحب!" وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

"تم نے ابھی جو تجربہ کیا ہے' وہ تو میں نے بھی دیکھا ہے۔" چودھری نے حیرت بھرے انداز میں کہا۔ "لیکن چلت پھرت میں وہ کون سا نکتہ ہے جس کی بنا پر تم اتنے وثوق سے مجھے اولاد نرینہ کی خوش خبری دے رہی ہو؟"

"وہ نکتہ میں آپ کو سب کے سامنے نہیں بتا سکتی....."

"ٹھیک ہے....." چودھری ارشاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تم آؤ میرے ساتھ۔"

چودھری کے دل و دماغ میں کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ ایک تو اولاد نرینہ کی خوشخبری نے اس کے جذبات اور احساسات کو کیف و انبساط کی آخری منزل پر پہنچا دیا تھا' دوسرے دائی صفیہ نے جتنے اعتماد سے وہ پراسرار تجربہ کیا تھا' اس نے چودھری کو تجسس میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ پہلی فرصت میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ ایسا کون سا نکتہ ہے' جس کی بنا پر دائی صفیہ نے فتویٰ صادر کیا ہے۔ وہ فی الفور اس نکتے سے آگاہ ہونا چاہتا تھا۔

وہ دائی صفیہ کو اپنے ساتھ چلاتے ہوئے حویلی کے ایک دوسرے کمرے میں لے آیا' جہاں ان کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

چند لمحات کی گمبھیر خاموشی کے بعد صفیہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"دیکھیں چودھری! دیوار کے پیچھے اور ماں کے پیٹ کے اندر کیا ہے' یہ تو سوہنا رب ہی بہتر جانتا ہے۔ انسان تو صرف اندازہ ہی لگا سکتا ہے۔ میں نے بھی ایک اندازہ ہی لگایا ہے....."

"صفیہ!" چودھری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں ماضی کے ان ظالم حکمرانوں جیسا نہیں ہوں جو کسی کی غلط پیش گوئی یا غلط اندازے پر ناراض ہو کر اس کی گردن اڑا دیا کرتے ہیں۔ اگر بعد میں تمہارا اندازہ غلط بھی ثابت ہو گیا تو میں اف تک نہیں کہوں گا۔ تم جلدی سے بتاؤ کہ کس نکتے کی بنیاد پر تم نے بڑے وثوق سے کہا ہے کہ چھوٹی چودھرائن کے گھر بیٹا ہی پیدا ہوگا؟"

دائی صفیہ نے مذکورہ نکتہ بیان کرتے ہوئے بتایا۔ "چودھری صاحب! میں اپنے تجربے کی روشنی میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ جن عورتوں کے پیٹ میں نرا اولاد پروان چڑھ رہی ہوتی ہے وہ ساکن حالت سے جب چلنا شروع کریں تو پہلے اپنا دایاں پاؤں اٹھاتی ہیں اور لڑکی کی ماں بننے جانے والی حاملہ عورتیں بایاں پاؤں اٹھا کر سفر شروع کرتی ہیں۔ میں نے چودھرائن جی کو چار مرتبہ روک کر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک چلایا ہے اور ہر بار انہوں نے دایاں پاؤں اٹھا کر چلنا شروع کیا تھا....."

"اچھا.....کمال ہے.....!" چودھری نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تم بڑی تجربہ کار اور دانشمند دائی ہو۔" چودھری نے تعریف نظروں سے صفیہ کی طرف دیکھا۔ "آج کے بعد تم ہی نورین کی دیکھ بھال کرو گی اور جب تک نورین میرے بیٹے کو جنم نہیں دے لیتی' تم اس کے آس پاس ہی رہو گی۔"

"چودھری صاحب! آپ مجھے اتنی عزت دے رہے ہیں' اس لئے میں آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "لیکن میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے....."

"کیا مسئلہ ہے؟" چودھری نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

وہ بڑی عاجزی سے بولی۔ "چودھری صاحب! میں صبح سے شام تک تو آپ کی حویلی میں رہ سکتی ہوں' مگر رات کو مجھے اپنے گھر ہی جانا ہوگا۔ میرا گھر والا بہت ضعیف اور بیمار ہے۔ میں رات میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ میری مجبوری ہے۔"

وہ اپنے شوہر کو ضعیف اور بوڑھا کہہ رہی تھی' جبکہ خود بھی ساٹھ سے اوپر کی تھی' جس سے ظاہر ہوتا تھا' اس کا شوہر ستر کے پیٹے میں ہوگا۔ بہرحال چودھری ارشاد نے اس کی مجبوری کا احساس کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے منظور ہے صفیہ' تم صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر حویلی آ جایا کرو اور جیسے ہی سورج ڈھلے' اپنے گھر چلی جایا کرو۔ اگر رات میں کبھی نورین کو تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں گھر سے بلا لوں گا' لیکن تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا....."

چودھری نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سوالیہ نظر سے صفیہ کی طرف دیکھا تو اس نے جلدی سے پوچھا۔ "کیسا وعدہ چودھری صاحب!؟"

"جب نورین کا آخری مہینہ شروع ہوگا تو پھر تمہیں زچگی تک دن رات حویلی ہی میں رہنا

ہوگا۔" چودھری نے بہ صد اصرار کہا تو صفیہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے چودھری صاحب! آپ نے میری بات مانی ہے' میں آپ کی بات مان رہی ہوں۔"

چنانچہ اسی روز سے صفیہ' نورین کی دائی مقرر کر دی گئی اور اس کے ساتھ ہی نورین کے لئے اس کے مشوروں کا بھی آغاز ہو گیا۔ دیگر تجاویز کے ساتھ ہی اس نے چودھری ارشاد سے کہا۔

"چودھری صاحب! آپ دونوں وقت نہایت پابندی کے ساتھ چھوٹی چودھرائن جی کو بھینس کا دودھ بھی پلانا شروع کر دیں۔"

"اس سے کیا ہوگا؟" چودھری نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"جو مائیں حمل کے دوران میں باقاعدگی سے دودھ پیتی ہیں' ان کی اولاد گوری اور خوبصورت پیدا ہوتی ہے۔" وہ فلسفیانہ انداز میں بولی۔ "ویسے تو ماشاءاللہ آپ کا خاندان گورا چٹا ہی ہے' لیکن اگر آپ میرے مشورے پر عمل کریں گے تو آپ کے آنے والے بچے کی خوب صورتی پر اور نکھار آ جائے گا۔"

"نورین تو ویسے بھی دودھ شوق سے پیتی ہے۔" چودھری خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "میں آج ہی سے اس کے لئے ایک بھینس مخصوص کر دیتا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد صفیہ تو سلام کر کے رخصت ہو گئی اور چودھری اپنی آنے والی اولاد نرینہ کے بارے میں سوچ سوچ کر خوش ہونے لگا۔ اس نے صفیہ دائی کو بہت زیادہ انعام و اکرام سے نوازنے کے وعدے بھی کیے تھے' کیونکہ اس کی پیش گوئی اور بعد ازاں محبت و نگہداشت کے نتیجے میں' اس حویلی میں چودھری کا وارث جنم لینے والا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

چودھری کے باڑے میں چھ کالی بھینسیں' تین گائیں' چار بکریاں اور دو اعلیٰ النسل گھوڑے موجود تھے۔ یہ گھوڑے چودھری کی ذاتی سواری کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ ان میں ایک گھوڑا مشکی اور دوسرا انڈے کے مانند سفید تھا۔ چھ بھینسیں تو باڑے میں بندھی تھیں اور وہ ماشاءاللہ اچھا خاصا دودھ بھی دیتی تھیں' لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ..... یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے ..... یا..... نیا نیا فقیر اور نیا نیا امیر جو بھی کر لے' کم ہے کے مصداق چودھری کو چھوٹی چودھرائن

کے لئے الگ سے ایک بھینس پالنے کی سوجھی۔ چنانچہ ایک صحت مند اور خوبصورت بھوری بھینس خریدی گئی۔ نہ صرف خریدی گئی بلکہ اس کی دیکھ ریکھ' کھلائی پلائی اور دودھ وغیرہ نکالنے کے لئے ایک ملازم کو بھی مخصوص کیا گیا۔ اس ملازم کا نام تھا عنایت عرف عنایتا' جو باڑے کا انتظام بھی چلاتا تھا' لیکن یہیں سے ایک دلچسپ' مگر کوفت بھری کہانی کا بھی آغاز ہوا۔

چودھری حویلی کے اندر جس طرح چھوٹی چودھرائن کے ناز نخرے اٹھا رہا تھا' ویسے ہی حویلی کے باہر بھی نورین کے حوالے سے اس کی سرگرمیاں بڑے جوش و خروش سے جاری تھیں۔ اس نے نورین کو دودھ پلانے کے لئے بھوری بھینس کا بندوبست تو کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے عنایت کو سختی سے تاکید کر دی تھی کہ وہ بوری بھینس کا دودھ خود اپنے ہاتھوں سے نکالے گا اور خود ہی جا کر دودھ والا برتن چاچی بسم اللہ کے حوالے کرے گا۔ چاچی بسم اللہ وہ ملازمہ خاص تھی' جسے صرف اور صرف نورین کی دیکھ بھال کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا اور وہ چودھری ارشاد کے بھروسے کی عورت تھی' جس طرح کہ چودھری' عنایت پر اعتماد کرتا تھا۔

جب انسان کی زندگی میں کچھ ایسا وقوع پذیر ہونے جا رہا ہو جو اس کی شدید خواہش ہو تو ہو' لیکن اس خواہش کی تکمیل کے امکانات دکھائی نہ دے رہے ہوں تو پھر ہر لمحہ اسے ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔ دل میں طرح طرح کے خدشے اور ذہن میں قسم قسم کے اندیشے سر اٹھانے لگتے ہیں۔ انسان یقینی اور بے یقینی کے درمیان سوالیہ نشان کے مانند لٹک کر رہ جاتا ہے۔ آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی حقیقت کا یقین نہیں آتا اور روز و شب یہ خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا ہے کہ کہیں یہ نہ ہو جائے' کہیں وہ نہ ہو جائے۔

چودھری ارشاد بھی ان دنوں کچھ ایسی ہی متذبذب کیفیت کا شکار تھا۔ اندیشوں' وسوسوں اور خدشات کی راہ روکنے کے لئے وہ حد درجہ محتاط ہو گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ معمولی سی کوتاہی یا ذرا سی بے احتیاطی کوئی گل کھلا کر بنے بنائے کھیل کو بگاڑ دے۔ نورین کے کیس کو اس نے ہاتھ کا چھالا بنا لیا تھا۔

چودھری ارشاد جتنا زیادہ محتاط اور الرٹ تھا' عنایت بھی اتنا ہی ہوشیار اور چوکنا تھا' لیکن اس کی تمام تر ہوشیاری اور چالاکی اس وقت خاک میں مل کر رہ گئی' جب پہلے ہی قدم پر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

پہلے دن جب وہ بھوری بھینس کا دودھ نکالنے کے لئے اس کے نیچے بیٹھا تو بھینس نے

شدید ترین ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ اس کے ہاتھ لگاتے ہی بھینس نے اچھل کود مچانا شروع کر دی۔ یوں محسوس ہوتا تھا' جیسے کسی نادیدہ قوت نے بھوری بھینس کو کوئی شدید ضرب لگا دی ہو۔ وہ بار بار سر کو جھٹکتی' چاروں قدموں پر اچھل اچھل کر گول گھومتی چلی گئی۔ عنایت کافی دیر تک اسے پچکارنے' سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا' لیکن بھینس نے اس کی ایک نہیں سنی۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے' وہ بھینس کا دودھ نکالنے سے قاصر رہا۔

اور اس ناکامی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے چودھری ارشاد کی ڈانٹ کھانا پڑی۔

اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا.....

عنایت جب دودھ نکالنے کے لئے اس کے نیچے بیٹھتا' وہ شدید ردعمل کا مظاہرہ کرنے لگتی۔ بھوری بھینس کے اس عجیب وغریب کارنامے کا سبب جاننے کی متعدد کوششیں کی گئیں۔ مثلاً یہ چیک کیا گیا کہ اسے ڈنگروں کی کوئی مخصوص بیماری تو نہیں' حالانکہ اس بات کے امکانات صفر کے برابر تھے۔ وہ چودھری کے ڈیرے پر آنے سے پہلے اچھا خاصا اور صحت افزا دودھ دے رہی تھی۔ اس کے دودھ پر بڑی موٹی ملائی (بالائی) آتی تھی' وغیرہ وغیرہ..... لیکن اب تو اس نے دودھ دینا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ایک ترکیب یہ بھی آزمائش گئی کہ عنایت کے بجائے باڑے کے ایک دوسرے ملازم کو برتن دے کر اس کا دودھ نکالنے کو کہا گیا' اس خیال سے کہ کہیں اسے عنایت کا ہاتھ پسند نہ ہو' لیکن اس غیر منطقی کوشش کا نتیجہ بھی وہی برآمد ہوا یعنی..... ڈھاک کے تین پات.....

یہ تمام تر واہیات صورت حال تو جاری وساری تھی' لیکن اس میں سب سے برا حال بے چارے عنایت عرف عنایتا کا تھا۔ ایک طرف تو اسے اپنی ناکامی' بلکہ شکست پر جھنجھلاہٹ کا سامنا تھا تو دوسری جانب چودھری ارشاد کی ڈانٹ پھٹکار نے اس کے دماغ کو پھوڑے کی مانند پکا دیا تھا۔ اسے نالائق' نکما' کام چور اور پتا نہیں' کس کس بات کے طعنے سننا پڑ رہے تھے۔

بالآخر ایک روز اس نے اس مسئلے کی جڑ کھود نکالی.....

***

"جناب! یہی شیطان ہے ہماری پریشانی کی وجہ.....!" عنایت نے کونے میں بینچ پر بیٹھے قیصر عرف کیسو کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آج اتفاق ہی سے یہ ہمارے ہتھے چڑھ گیا ہے' ورنہ پتا نہیں اور کتنے دن تک ہمیں چودھری صاحب کی جھڑکیاں سننا پڑتیں....."

"عنایتا.....!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "بھوری بھینس کی اچھل کود اور دودھ دینے کے لئے آمادہ نہ ہونے کا اس لڑکے سے کیا تعلق ہے؟"

"بڑا گہرا تعلق ہے سرکار!" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "پتا ہے' یہ مردود اتنے دن سے کر کیا رہا تھا.....؟"

اس نے کچھ ایسے انداز سے جملہ نامکمل چھوڑ کر سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا' جیسے اپنی دانست میں کوئی بہت بڑا انکشاف کرنے جا رہا ہو۔ میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم تم بتاؤ....."

وہ بتانے لگا۔ "باڑے کی حد بندی والی دیوار کے ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مختلف درخت لگے ہوئے ہیں۔ انہی میں جامن کا ایک بہت بڑا درخت ہے' جس کی شاخوں کا پھیلاؤ باڑے کے باہر تک چلا گیا ہے۔ بیرونی دیوار چونکہ زیادہ اونچی نہیں ہے' لہٰذا باڑے کے باہر سے بھی اس طرح جامن کے درخت پر چڑھا جا سکتا ہے کہ اندر موجود لوگوں کو کوئی خبر نہ ہو' کیونکہ درخت کی شاخیں اس طرح باڑے کے باہر تک گئی ہوئی ہیں کہ وہاں دیوار واضح طور پر دکھائی نہیں دیتی۔ یہ شیطان چپکے سے اس درخت پر چڑھ کر خود کو شاخوں اور پتوں میں چھپا کر بیٹھ جاتا تھا اور جیسے ہی میں بھوری بھینس کا دودھ نکالنے کے لئے برتن لے کر اس کے نیچے بیٹھتا' یہ اپنی کارروائی شروع کر دیتا۔ اتفاق سے بھوری بھینس کو دوسری بھینسوں سے تھوڑے فاصلے پر الگ کنڈلی پر باندھا گیا ہے اور چارے والی یہ کنڈلی اسی دیوار کے قریب ہے' جہاں جامن کا

درخت کھڑا ہے اور.....“

”بھوری بھینس‘ کالی بھینسوں کے قریب ہے یا دور.....“ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ ”تم مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ یہ لڑکا وہاں جامن کے درخت پر چھپ کر ایسی کون سی کارروائی کرتا تھا کہ بھوری بھینس دودھ دینے سے انکاری ہو جاتی۔ کیا یہ کوئی جادو وغیرہ جانتا ہے.....شکل سے تو یہ ایسا نظر نہیں آتا۔“

”جناب! یہ غلیل اور غلوں کے ساتھ وہاں چھپ کر بیٹھتا تھا۔“ عنایت نے بتایا۔ ”جب میں نے اسے پکڑا تو اس کے پاس سے ایک غلیل اور درجنوں غلے برآمد ہوئے تھے‘ جو اس نے اپنی جیب میں بھر رکھے تھے۔ اس کے غلے بھی کوئی عام پتھر نہیں تھے‘ بلکہ اس نے چھوٹے چھوٹے نکیلے سنگ ریزے جمع کر رکھے تھے‘ جو جہاں بھی لگیں‘ جان نکال دیں۔ اس پر‘ اس کم بخت کا نشانہ بھی غضب کا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ کرتا کیا تھا.....“ وہ لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا‘ پھر ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد بولا۔

”میں جیسے ہی دودھ نکالنے کے لئے بھوری (بھوری بھینس) کے نیچے بیٹھتا‘ یہ مردود نشانہ باندھ کر بھینس کی تھوتھنی ناک یا کان وغیرہ پر وار کر دیتا۔ نکیلے سنگ ریزے کی ایسی دردناک چوٹ لگتی کہ بھینس تڑپ کر رہ جاتی۔ وہ بے چاری بے زبان یہ تو بتا نہیں سکتی تھی کہ اسے کیا تکلیف ہے‘ بس وہ سر جھٹک جھٹک کر اور اچھل کود مچا کر اپنی تکلیف اور برہمی کا اظہار کرتی تھی۔ میں جب دودھ نکالنے کے لئے بھوری کے نیچے بیٹھتا تھا تو جامن کا درخت میری پشت پر پڑتا تھا‘ اس لئے بھی میں کیسو کی کارروائی تک نہ پہنچ سکا۔ آج میں دوسری جانب سے دودھ نکالنے کے لئے بیٹھا تو اس شیطان کی بدمعاشی میری نظر میں آ گئی۔ بھوری جیسے ہی اچھلی‘ غیر ارادی طور پر میری نگاہ سامنے اٹھ گئی اور اسی وقت مجھے جامن کی شاخوں کے اندر غیر معمولی حرکت نظر آئی۔ بعد میں کیسو ہی کی زبانی پتا چلا کہ اس کا پاؤں پھسل گیا تھا‘ جس کی وجہ سے پتوں میں کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوئی تھی بہرحال.....!“

اس نے ایک مرتبہ پھر تھوڑا وقفہ کر کے سانسیں لیں‘ پھر اپنا بیان مکمل کرتے ہوئے بولا۔

”اس وقت میرے ذہن میں ہرگز یہ خیال نہیں تھا کہ جامن پر جو کوئی بھی موجود ہے‘ وہی بھوری کے مسئلے کا سبب ہے۔ میں نے فوراً صدیق‘ اچھو اور خاور کو آوازیں دیں اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا‘ پھر ہم سب نے فوری کارروائی کر کے اس خبیث کو پکڑ لیا۔ ہمیں متحرک ہوتے دیکھ

کر یہ درخت سے نیچے اتر آیا تھا اور وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا‘ لیکن ہم نے اس کی کوشش ناکام بنا دی اور ایک منٹ کے اندر اندر ہم نے گھیرا ڈال کر اسے قابو کر لیا۔ اس کے پاس سے غلیل اور غلے بھی برآمد ہوئے۔ میں نے جب ایک دو جھانپڑ رسید کئے تو اس نے فوراً اقرار کر لیا کہ بھوری کی تمام تر تکلیف اور پریشانی کا سبب یہی تھا..... یہ دیکھیں‘ اس کی غلیل اور غلے.....“

بات کے اختتام پر عنایت نے ایک غلیل اور اس کا ایمونیشن (غلے) میرے حوالے کر دیا۔ میں نے گھورتی ہوئی نظر سے بینچ پر بیٹھے ہوئے کیسو کی طرف دیکھا اور کڑے لہجے میں پوچھا۔

”یہ غلیل اور غلے تمہارے ہی ہیں؟“

”جج.....جی.....!“ وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

”تم بھوری بھینس کو کیوں ستاتے تھے؟“ میں نے سوال کیا۔

اس نے جواب نہیں دیا‘ بلکہ سہمی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔

”بولو.....میری بات کا جواب دو.....؟“ میں نے اپنا سوال دہرایا۔

وہ کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔

”جناب! دیکھا آپ نے.....“ عنایت نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”یہ کیسا میسنا بنا ہوا ہے۔ یہ سوال تو ہم نے چھتیس ہزار مرتبہ اس سے پوچھا ہے‘ لیکن یہ زبان کھولنے کو تیار نہیں۔ جب اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا تو ہم اسے پکڑ کر چودھری صاحب کے پاس لے گئے تھے۔ انہوں نے بھی سخت اور نرم دونوں طریقوں سے اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کی ہے۔ تنگ آ کر چودھری صاحب نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے آپ کے حوالے کر دوں۔ آپ ہی تفتیش کے ذریعے اس سے اگلوا سکتے ہیں کہ اس کی واہیات شرارت کا مقصد کیا تھا؟“ وہ لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

”اور اب یہ آپ کے حوالے ہے.....“

بظاہر یہ فضول اور عام سا واقعہ تھا‘ لیکن مجھے کیسو کی اس شرارت کے پیچھے کوئی گمبھیر کھیل چھپا ہوا محسوس ہوا۔ یہ ایسی حرکت نہیں تھی کہ یہ سوچ کر اس پر مٹی ڈال دی جاتی کہ وہ بچہ ہے..... بچے ایسی نادانیاں کرتے ہی رہتے ہیں۔ کیسو اتنے دنوں سے بھوری بھینس کے ساتھ جو کچھ کر رہا تھا اس کا یقیناً کوئی مقصد تھا۔ یہ ممکن تھا کہ کیسو کو اس عظیم مقصد سے آگاہی نہ ہو‘ لیکن یہ کارروائی

وہ جس کے حکم پر کر رہا تھا' وہ یقیناً اپنے ذہن میں ایک واضح منصوبہ بندی رکھتا ہوگا۔ میں نے ہنگامی بنیادوں پر اپنے ذہن میں چند فوری نوعیت کے فیصلے کئے اور عنایت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے عنایتا!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم یہاں سے سیدھا چودھری صاحب کے پاس جانا....." میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "انہیں میرا سلام کہنا اور بتانا کہ میں کل دوپہر میں خود ان سے ملنے حویلی آرہا ہوں۔ کیسو کے حوالے سے جو بھی حقیقت نکل کر سامنے آئے گی' میں چودھری صاحب کو بتادوں گا۔"

"ٹھیک ہے جناب' جیسی آپ کی مرضی!" وہ بادل نخواستہ بولا۔ "پر اس شیطان کو کڑی نگرانی میں رکھئے گا' کہیں یہ....."

"یہ کہیں نہیں جائے گا عنایتا....." میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ "یہ چودھری صاحب کی امانت کے طور پر میرے پاس محفوظ ہے۔ تم مطمئن ہو کر جاؤ۔"

وہ مزید کسی جرح بحث کے بغیر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تھانے سے رخصت ہوگیا۔

وہ گرمیوں کا موسم تھا۔ مئی کا مہینہ چل رہا تھا۔ عنایت اور اس کے ساتھی عصر کے وقت مرے پاس آئے تھے اور اب شام ہونے والی تھی۔ میں نے حوالدار بشیر احمد سے کہا کہ وہ تھانے کے صحن میں میرے بیٹھنے کا بندوبست کرے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میری حسب منشا بندوبست کر دیا گیا۔ میں قیصر عرف کیسو کو لے کر صحن میں آگیا۔

کیسو کو تو میں نے چارپائی پر بٹھایا اور خود ایک کرسی سنبھال لی۔ وہ خاصا ڈرا سہما نظر آرہا تھا۔ وہ پچھلے چند روز سے بھوری بھینس کے ساتھ جو حرکت کر رہا تھا' اسے مضحکہ خیز ہی کہا جا سکتا تھا' لیکن میری چھٹی حس چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ کیسو کی وہ حرکت بے مقصد اور خوامخواہ نہیں ہوسکتی تھی۔

"کیسو....." میں نے اس کی آنکھوں میں دیتے ہوئے مشفقانہ لہجے میں پوچھا۔ "میں کون ہوں؟"

میں نے اس سے پوچھ گچھ کا آغاز کرتے ہوئے اپنا انداز اس لئے نرم رکھا تھا کہ اس بات کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ اس برتن سے گھی سیدھی انگلی ہی سے نکل آئے گا۔ اس سے پہلے عنایت' اس کے ساتھیوں اور چودھری ارشاد نے اس کی زبان کھلوانے کے لئے سختی بھی کر

کے دیکھ لی تھی' لیکن وہ اس کوشش میں ناکام رہے تھے' اسی لئے میں نے نفسیاتی طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "آپ..... تھانے دار..... ہیں جی....."

"پتا ہے نا تھانے دار کیا کرتے ہیں.....؟"

"جی....." وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ "تھانے دار مجرموں کو بہت مارتا ہے۔"

ہاں' تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا..... ایک تھپڑ بھی نہیں ماروں گا۔"

وہ بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ "کیا تم میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہو؟"

"لیکن..... وہ لوگ تو مجھے تھانے اسی لئے لے کر آئے ہیں۔" وہ بکھرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "انہوں نے مجھے بہت مارا ہے جی..... وہ عنایتا کہہ رہا تھا کہ تھانے دار مجھے سولی پر چڑھا دے گا..... اور آپ.....؟" وہ بولتے بولتے رک گیا۔

میرا نام اور ہمدردانہ رویہ اسے پریشان کر رہا تھا۔ ظاہر ہے جب کیسو نے عنایت اور چودھری کی تفتیش کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے تو انہوں نے تھانے کے حوالے سے پتا نہیں اسے کیسی کیسی خطرناک دھمکیاں دی ہوں گی۔ میرا انداز چونکہ ان دھمکیوں سے لگا نہیں کھاتا تھا' لہٰذا وہ خوف زدہ ہونے کے ساتھ ساتھ گہرے تذبذب کا بھی شکار تھا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ میری نرمی کو کوئی گہری چال سمجھ رہا ہو۔

"میں تمہیں ماروں گا' نہ سولی پر چڑھاؤں گا اور نہ ہی پھانسی پر لٹکاؤں گا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ تم نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

اس کی حیرت اور بے یقینی میں حد درجہ اضافہ ہوگیا' لرزتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

"اور..... وہ..... بھوری بھینس کو جو میں غلیل سے....."

"وہ تمہاری نادانی تھی کیسو!" میں نے اس کا جملہ قطع کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "وہ سب کچھ تم کسی کے کہنے میں آکر کر رہے تھے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔"

"لیکن آپ کو..... کیسے پتا چلا کہ....." وہ جلدی سے بولا۔ "کہ میں کسی کے کہنے میں آکر غلیل سے بھوری بھینس کو تنگ کرتا تھا؟"

"تم یہ تو مانتے ہو نا..... میں اس علاقے کا تھانے دار ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"جی..... جی ہاں!" اس نے اپنی منڈی کو اثبات میں حرکت دی۔

"جو شخص تھانے میں تھانے دار بن کر بیٹھا ہوتا ہے نا....." میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "اسے علاقے کے ایک ایک شخص کے بارے میں اچھی طرح خبر ہوتی ہے۔ میں بھی جانتا ہوں کہ یہاں کون کون شریف اور کون کون بدمعاش ہے۔ تم بہت ہی بھولے بھالے اور سیدھے سادے بچے ہو۔ بس' ذرا لالچ میں آ گئے تھے اور کسی کے کہنے میں آ کر تم نے غلیل والی حرکت شروع کی تھی..... ہیں نا؟"

"جی..... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ تائیدی انداز میں بولا۔

"ہم اس شخص کے بارے میں' بعد میں بات کریں گے' جس نے تمہیں اس کام پر لگایا تھا۔" میں نے کیسو کے اعتماد میں توانائی بھرتے ہوئے کہا۔ "پہلے تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ....."

میرا ہر ہر انداز اس کے لئے حیرت اور استعجاب کا ایک نیا در کھول رہا تھا۔ اس میں اس بے چارے کی سوچ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ تھانے اور تھانیدار کے حوالے سے اس کے معصوم ذہن میں جو بھی تصور تھا' میں اس کے برعکس ثابت ہو رہا تھا۔ میرے طرزِ عمل کے جواب میں اس نے مجھ سے پوچھا۔

"میں اپنے بارے میں کیا بتاؤں جی.....؟"

"کیا تم بھی فتح پور ہی میں رہتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"جی ہاں!" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"تمہارے بہن بھائی' ماں باپ کہاں ہیں؟" میں نے بڑے دھیمے انداز میں اسے ٹٹولنا شروع کیا۔ "چودھری کے بندوں نے کافی دیر سے تمہیں گھیر رکھا ہے اور تمہارے ساتھ مار پیٹ بھی کی ہے۔ تمہارے گھر والوں میں سے ابھی تک کوئی آگے کیوں نہیں آیا؟"

"میرا کوئی ہوگا تو آگے آئے گا نا جی....." وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"جناب! میری صرف ایک ماں ہے....." وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اس بے چاری کو تو پتا نہیں' اس واقعے کی خبر ہوئی ہے یا نہیں....."

"جب تمہاری پکڑ کی خبر باڑے سے لے کر چودھری ارشاد کی حویلی تک گردش کر رہی ہے تو پھر تمہاری ماں کو کیسے پتا نہیں چلا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔ "وہ گاؤں میں تو موجود ہے نا.....؟"

"جی ہاں..... وہ گاؤں میں موجود ہے اور اس وقت وہ بھٹی میں دانے وغیرہ بھون رہی ہو گی۔" اس نے جواب دیا۔ "دراصل ہمارا گھر گاؤں کے دوسرے کنارے پر ہے اور باڑا اس کنارے پر۔ ویسے بھی میں دن میں زیادہ وقت باہر ہی گھومتا پھرتا رہتا ہوں۔ جب سورج غروب ہونے پر آتا ہے تو میں گھر کا رخ کرتا ہوں۔ اب شام ہونے ہی والی ہے۔ ہوسکتا ہے جب میں گھر نہ پہنچوں تو اماں کو میری فکر ہو....." وہ لمحے بھر کے لئے متوقف ہوا' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"چودھری کے بندے مجھے باڑے کے باہر سے پکڑ کر سیدھے حویلی کی طرف لے آئے تھے اور پھر انہوں نے مجھے آپ کے پاس تھانے پہنچا دیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے' گاؤں کے جس حصے میں میرا گھر ہے' ادھر کے لوگوں کو ابھی اس واقعے کا پتا ہی نہ چلا ہو۔ میں گھر میں نہیں جاؤں گا تو اماں بہت پریشان ہوگی تھانے دار جی....." بات ختم کر کے اس نے رحم طلب انداز میں مجھے دیکھا۔

میں اس کی نگاہ میں چھپے ہوئے مطلب کو بہ خوبی سمجھ رہا تھا۔ وہ مجھ سے ملتمس تھا کہ میں اسے گھر جانے کی اجازت دے دوں' لیکن یہ فوری طور پر ممکن نہیں تھا۔ ابھی مجھے اس سے بہت کچھ پوچھنا تھا۔ میں اپنے ذہن میں ایستادہ سوالات کے جوابات حاصل کئے بغیر اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا' لہٰذا نرمی بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں' یہ تو ہے بھئی۔ ایک ماں کو اپنے بچے کے لئے پریشان تو ہونا ہی چاہئے' لیکن تمہیں اپنی ماں کی پریشانی کے لئے زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں....." میں نے تھوڑا توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"جب تم معمول کے مطابق' شام کو گھر نہیں پہنچو گے تو تمہاری اماں کو پریشانی لاحق ہوگی۔ ظاہر ہے' وہ تمہیں ڈھونڈنے کے لئے نکلے گی' پھر اسے پتا چل جائے گا کہ چودھری کے بندے تمہیں باڑے کے باہر سے پکڑ کر حویلی لے گئے ہیں۔ وہ تمہاری تلاش میں حویلی پہنچے گی' پھر اسے بتایا جائے گا کہ تمہیں تھانے والوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد وہ یقیناً تھانے آئے گی اور یہاں تم سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"پھر آپ مجھے اماں کے ساتھ گھر جانے دیں گے نا.....؟" اس نے پُر اشتیاق نظر سے مجھے دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں اُمیدوں کے جگنو جگمگا رہے تھے۔ ان لمحات میں کیسو مجھے پہلے سے کہیں زیادہ معصوم اور پیارا لگا۔ میں نے اس کی تمناؤں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں کیسو! میں تمہیں تمہاری اماں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دوں گا اور یہ وعدہ بھی کہ آئندہ پھر کبھی تھانے بھی نہیں بلاؤں گا' لیکن اس کے لئے تمہیں بھی مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔"

"کیسا وعدہ جی.....؟" وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

"اب میں تم سے جو بھی پوچھوں گا' اس کا تم سچا اور کھرا جواب دو گے۔" میں نے اس کی سوالیہ نظر کا تعاقب کرتے ہوئے کہا۔ "اس بات کا وعدہ....."

"میں نے تو پہلے بھی آپ سے کوئی جھوٹ نہیں بولا تھانے دار صاحب....."

"اسی لئے تو میں تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کر رہا ہوں۔" میں نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔ "آگے بھی سچ بولو گے تو میں نہ صرف یہ کہ تمہارے ساتھ نرمی سے پیش آؤں گا بلکہ تمہیں تھانے سے جانے کی اجازت بھی دے دوں گا۔ آج کی رات تم حوالات کے فرش پر نہیں' بلکہ اپنے گھر کی چارپائی پر سو سکو گے....."

"میں سچ بولوں گا جی..... بالکل سچ بولوں گا۔" وہ ننھے بچوں کے مانند مچل کر بولا۔ "آپ پوچھیں جی..... کیا پوچھنا ہے؟""

"اب مجھے تم سے جو کچھ بھی پوچھنا ہے وہ پندرہ منٹ کے بعد پوچھوں گا۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"پندرہ منٹ بعد کیوں جی.....؟" وہ تعجب خیز انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

اس کے سوال کا جواب میں نے نہیں' گاؤں کے مؤذن نے دیا۔ ادھر کیسو کی بات ختم ہوئی' ادھر فتح پور کی مسجد سے اذان مغرب کی صدا بلند ہونے لگی۔

"اللہ اکبر..... اللہ اکبر....."

***

ہم دونوں ایک مرتبہ پھر روبرو بیٹھے ہوئے تھے۔ نماز مغرب کی ادائیگی کے لئے جاتے

ہوئے میں کیسو کو حوالدار بشیر احمد کے سپرد کر گیا تھا اور اسے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ وہ بچے کے لئے کھانے پینے کا بھی بندوبست کرے..... تاکہ ذہن کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی توانائی بھی بحال ہو جائے۔ حوالدار نے میری ہدایت پر من وعن عمل کیا تھا۔ قیصر عرف کیسو اب خاصا ہشاش بشاش اور فریش دکھائی دے رہا تھا۔ اس وقت وہ میرے کمرے میں بیٹھا تھا۔

کیسو سے سوال و جواب کے دوران میں مجھے اس کے گھریلو حالات کے بارے میں بھی چند باتوں کا پتا چلا تھا' جن کا میں ذکر کرنا بھول گیا ہوں مثلاً..... یہ کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ جب وہ ایک سال کا تھا تو اس کا باپ تاج دین انتقال کر گیا تھا۔ تاج دین ایک کھیت مزدور تھا۔ کیسو کی ماں صغراں نے اسے پال پوس کر اتنا بڑا کیا تھا۔ سر پر چونکہ باپ کا سایہ موجود نہیں تھا اور ماں کی طرف سے بھی خاصا لاڈ پیار ملا تھا' چنانچہ وہ کسی حد تک بگڑ گیا تھا۔ دن کا زیادہ حصہ وہ کھیل کود میں گھر سے باہر گزارتا تھا۔ گلی ڈنڈا' بنٹے (کنچے)' پتنگ اڑانا' غلیل کی مدد سے چڑیا اور کبوتر کا شکار کرنا' چھوٹی نہر میں نہانا' کھیتوں میں سے تربوز اور خربوزے اور باغ میں سے مختلف پھل چرا کر کھانا' اس کے پسندیدہ کھیل اور مشغلے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک تیز اور ہوشیار لڑکا تھا۔ اس حوالے سے عنایت کا فتویٰ بالکل درست تھا کہ....."اس کی معصوم صورت پر نہ جائیں تھانے دار صاحب..... یہ اندر سے پکا شیطان ہے....."

کیسو کی ماں صغراں پیشے کے اعتبار سے ماچھن تھی۔ اس نے اپنے گھر کے سامنے ہی روٹی والا تنور لگا رکھا تھا۔ اسی تنور کے ساتھ اس کی بھٹی (بھاڑ) بھی تھی' جہاں وہ چنے' مکئی وغیرہ بھونا کرتی تھی۔ وہ دوپہر اور شام دونوں وقت تنور میں روٹی لگایا کرتی تھی' لیکن بھٹی کا کام وہ صرف ایک وقت یعنی عصر اور مغرب کے درمیان کرتی تھی۔ یہی اس کا پیشہ تھا اور یہی روزگار۔ اس کام میں وہ اتنا کما لیتی تھی' جس میں وہ ماں بیٹا بڑے آرام سے گزارہ کر رہے تھے۔

میں کیسو کی جانب متوجہ ہوا تو میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ پوچھ بیٹھا۔ "اب بتائیں جناب..... آپ مجھ سے کیا جاننا چاہتے ہیں؟"

"میں نے جب تم سے پوچھا تھا کہ تم نے کسی نہ کسی شخص کے کہنے پر بھوری بھینس کو تنگ کرنا شروع کیا تھا تو تم نے جواب دیا تھا..... ہاں!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "پھر میں نے کہا تھا کہ اس بندے کے بارے میں ہم بعد میں بات کریں گے..... کہا تھا نا.....؟"

"ہاں' کہا تو تھا جی!" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "لیکن پھر آپ نے کوئی بات کی ہی نہیں اور نماز پڑھنے چلے گئے.....

"اب میں نماز پڑھ کر واپس آچکا ہوں۔" میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "سچ سچ بتاؤ' تم کس شخص کے کہنے پر پچھلے آٹھ دس دن سے یہ حرکت کر رہے تھے؟"

"جناب.....اس بندے کا نام ہے' اللہ دتہ!" وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔

میں نے پوچھا۔ "کیا اللہ دتہ بھی فتح پور ہی میں رہتا ہے؟"

"جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بتایا۔ "سب لوگ اسے چاچا اللہ دتہ کہتے ہیں۔"

"اللہ دتہ کا حلیہ بتاؤ۔" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔ "اور میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ اللہ دتہ کا گھر کس طرف واقع ہے؟"

قیصر عرف کیسو نے بڑی تفصیل سے اللہ دتہ کا حلیہ بیان کیا' جس کے مطابق وہ بندہ دبلا پتلا اور دراز قامت تھا۔ رنگت گہری سانولی اور ہاتھ پاؤں بڑے۔ اس کے بالائی ہونٹ پر کٹ کا نشان بھی تھا' جو کئی سال پہلے ہونے والے ایک جھگڑے کی یادگار تھا۔ آخر میں کیسو نے کہا۔

"تھانے دار جی! اللہ دتہ کا گھر ٹیوب ویل اور باغ کے درمیان ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں....."

"تمہاری اللہ دتہ سے کیسے ملاقات ہوئی تھی؟ میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔ "اور اس نے تم سے کیا کہا تھا؟"

"ہم اکثر ٹیوب ویل پر نہانے جایا کرتے ہیں اور باغ میں بھی....." وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور آتے جاتے اللہ دتہ سے سامنا ہو جاتا تھا۔ یہ کوئی آٹھ دس دن پہلے کی بات ہے....." وہ خلا میں دیکھتے ہوئے اپنے ذہن میں واقعات کو ترتیب دینے لگا۔ چند لمحات کے توقف کے بعد اس نے بتانا شروع کیا۔

"وہ دوپہر کا وقت تھا۔ میں اس دن اکیلا ہی باغ میں امرود توڑنے گیا تھا۔ میں جیبوں میں امرود بھر کر جیسے ہی باغ سے نکلا اللہ دتہ سے سامنا ہو گیا۔ میں اسے دیکھتے ہی گھبرا گیا۔

اس نے مجھے سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا اور معنی خیز انداز میں بولا۔ "باغ میں سے

چوری کر کے آرہے ہو نا.....؟"

بے ساختہ میرے ہاتھ امرودوں سے بھری ہوئی جیبوں پر چلے گئے۔ اس نے پوچھا۔

"آج کیا شکار کر کے لائے ہو؟"

"ام.....رود....."

"تمہارے دوسرے شیطان ساتھی کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"وہ سب تربوز لے کر نہر کی طرف گئے ہیں۔" میں نے بتایا۔ "وہ دو تین گھنٹے نہر میں خود بھی نہائیں گے اور تربوزوں کو بھی ٹھنڈا کریں گے' پھر سب درختوں کے نیچے بیٹھ کر مزے سے کھائیں گے۔"

"آج تم ان کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟"

"مجھے صبح سے ہلکا ہلکا بخار ہے۔" میں نے بتایا۔

"اماں نے سختی سے منع کیا ہے کہ آج کا دن میں نہ تو ٹیوب ویل میں نہاؤں گا اور نہ نہر کی طرف جاؤں گا۔"

"اسی لئے تم باغ میں گھس گئے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ "چور' چوری چھوڑ سکتا ہے ہیرا پھیری نہیں.....اس وقت مالی آرام کرتا ہے' اس لئے تم لوگوں کو موقع مل جاتا ہے۔ میں چاہوں تو تمہیں پکڑ کر ابھی مالی کے حوالے کر سکتا ہوں۔ وہ ایسی پھینٹی لگائے گا کہ سارا بخار ناک کے راستے نکل جائے گا' لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔"

میں حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔ اس کی بات کا مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ وہ ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"آؤ.....میرے ساتھ....."

میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ ہم ٹیوب ویل سے آگے ٹہلی والے کھوہ کے پاس پہنچے اور کھوہ کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ اللہ دتہ نے پہلے تو میرے نشانے کی بہت تعریف کی اور کہا کہ وہ مجھے غلیل سے چڑیوں کا شکار کرتے دیکھتا رہتا ہے۔ اگر میں اس کا ایک کام کر دوں تو وہ مالی سے میری شکایت نہیں کرے گا اور مجھے ایک روپیہ بھی دے گا۔ میں اس کی بات سن کر خوش ہو گیا۔

وہ بولا۔ "ایک روپیہ تو میں تمہیں پہلے دوں گا اور جب کام پورا ہو جائے گا تو پھر میں تمہیں پورے پانچ روپے دوں گا۔"

میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ میں نے پوچھا۔ "چاچا..... کام تو بتاؤ' مجھے کرنا کیا ہے؟"

پھر اس نے ٹھہر ٹھہر کر مجھے کام کے بارے میں بتایا۔ مجھے کسی محفوظ جگہ پر چھپ کر باڑے میں کھڑی بھوری بھینس کو تنگ کرنا تھا۔ جب بھی کوئی اس بھینس کا دودھ نکالنے بیٹھے مجھے غلیل کی مدد سے اسے پریشان کرنا تھا اور ایسا پریشان کرنا تھا کہ اس کا دودھ نہ نکالا جا سکے۔ بس جناب..... پھر میں اس کام پر لگ گیا۔" وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"اللہ دتہ نے ایک روپیہ تو اسی وقت دے دیا تھا اور میں انتظار کر رہا تھا کہ کب اس کا کام ختم ہو اور کب مجھے پانچ روپے اور ملیں لیکن' اس سے پہلے ہی کام خراب ہو گیا۔ آج جامن کے درخت پر میرا پاؤں پھسلا اور پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سے عنایتا کو شک ہو گیا پھر جب میں درخت سے کود کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا تو ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا اور اب..... میں آپ کے سامنے ہوں جی....."

اس زمانے میں ایک روپیہ اور پانچ روپے کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔ جب بچوں کو روزانہ کی جیب خرچی آنہ' دو آنہ ملتی ہو وہاں سولہ آنے کا روپیہ تو ان کیلئے بہت بڑی رقم ہی تھا۔ اللہ دتہ' کیسو کو کام کی تکمیل پر پانچ روپے دیتا یا نہیں لیکن وہ ایڈوانس میں اسے ایک روپیہ دے چکا تھا اسے امید تھی کہ چاچا اللہ دتہ ایک دن اسے پانچ روپے بھی دے گا۔ بہر حال' وہ دن آنے سے پہلے ہی کیسو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا' لیکن ایک بات مجھے حیرت میں ڈال رہی تھی کہ اس نے عنایتا اور اس ساتھی کی مار پیٹ کے نتیجے میں اپنی زبان پر قفل کیوں ڈالے رکھا تھا اور خاص طور پر جب چودھری نے اس سے باز پرس تو بھی اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ معمہ سمجھ میں نہیں آیا اور تھا۔ گیارہ بارہ سال کا ایک بچہ اتنے مضبوط اعصاب کا مالک بھی ہو سکتا ہے' یہ امر میرے لئے قابل یقین نہیں تھا۔

میں نے اپنی الجھن دور کرنے کے لئے اسی سے پوچھ لیا۔ "کیسو! ایک بات تو بتاؤ جب عنایتا اور اس کے ساتھیوں نے تمہیں مارا پیٹا تو تم نے انہیں چاچا اللہ دتہ کے بارے میں کیوں نہیں بتاتا..... تم مار کھاتے رہے لیکن زبان نہیں کھولی..... اس کی کیا وجہ ہے؟"

جواب دینے سے پہلے اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "تھانے دار جی! ایک تو میں لالچ میں آ گیا تھا اور دوسری بات یہ کہ مجھے چاچا اللہ دتہ کا بھی ڈر تھا۔"

"کیا مطلب.....!" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "ذرا وضاحت کرو۔"

"مجھے لالچ تو اس بات کا تھا کہ اللہ دتہ نے پانچ روپے دینے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ "اللہ دتہ نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں نے کبھی اس کا نام لیا تو وہ پھر مجھے کبھی پانچ روپے نہیں دے گا اور وہ اس بات سے بھی مکر جائے گا کہ اس نے مجھے کوئی کام کرنے کو کہا تھا..... تھانے دار جی! میں نے ایک روپے کی بہت ساری مزے دار چیزیں کھانی تھیں' اس لئے پانچ روپے بھی حاصل کرنا چاہتا تھا' اسی لئے زبان بند رکھی تھی۔"

"سمجھو کہ تم نے ابھی زبان بند ہی رکھی ہوئی ہے۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔ "مجھے بھی تم نے اللہ دتہ اور اس کے کام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"جی....." وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ "لک..... لیکن میں نے تو آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے تھانے دار صاحب....."

"یہ راز صرف ہم دونوں کے درمیان رہے گا کہ تم نے مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم باہر جا کر یہی کہنا کہ تم نے مجھے یہ بتایا ہے کہ بس' شرارت میں تم بھوری بھینس کو تنگ کرتے تھے۔ تمہاری اس شیطانی کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ مجھ سے جو پوچھے گا' میں بھی اسے یہی بتاؤں گا۔ اسی طرح وہ چاچا اللہ دتہ بھی تم سے ناراض نہیں ہو گا اور ہو سکتا ہے' وہ تمہیں پانچ روپے بھی دے دے۔"

وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "آپ کتنے اچھے تھانے دار ہیں....."

"میں اچھا تھانے دار اسی وقت تک ہوں بچے جب تک سامنے والا میرے ساتھ سیدھا رہتا ہے۔" میں نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ "اور کوئی بندہ مجھے چکر دینے کی کوشش کرے تو پھر میں اس کی کھال بھی اتار لیا کرتا ہوں۔"

"آپ تو ڈرا رہے ہیں مجھے....." وہ سراسیمہ لہجے میں بولا۔

"اگر تمہارا کسی گڑبڑ کا ارادہ نہیں تو پھر تمہیں بالکل نہیں ڈرنا چاہئے۔" میں نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

"میں نے تمہیں جو کچھ سمجھایا ہے' خاموشی سے اس پر عمل کرنا' بس پھر سب کچھ ٹھیک رہے گا۔"

وہ پیٹ کا کتنا مضبوط ہے' اس بات کا تو مجھے بہ خوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ عنایت اور چودھری

ارشاد کی سختی کے سامنے جب اس نے زبان نہیں کھولی تو وہ یقیناً میری ہدایت کا بھی پاس کرتا۔ میری تاکید کے جواب میں اس نے کہا۔

"تھانے دار جی! میں آپ کی ہر بات مانوں گا' لیکن جب آپ چاچا اللہ دتہ سے پوچھ گچھ کریں گے تو پھر میرا راز کھل جائے گا۔"

وہ گیارہ بارہ سال کا ہونے کے باوجود بھی کمزور صحت کے باعث آٹھ نو سال کا بچہ نظر آتا تھا' لیکن اس کی بات چیت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سترہ' اٹھارہ سال سے کم کا نہیں' اس کی بے باکی اور اعتماد پر مجھے حیرت تھی' میں نے کہا۔

"کیسو! تم بالکل بے فکر ہو جاؤ..... میں اللہ دتہ یا چودھری ارشاد سے اپنے انداز میں بات کروں گا۔ تمہارا نام کہیں نہیں آئے گا۔"

"پھر تو ٹھیک ہے جناب!" اس نے اطمینان بھری سانس خارج کی۔

میں نے پوچھا۔ "تم بھوری بھینس کے ساتھ جو کچھ کرتے رہے ہو' اس کے بارے میں اللہ دتہ کے علاوہ اور کس کس کو پتا ہے؟"

"کسی کو بھی نہیں تھانے دار جی؟" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"کسی کو پتا چلنا بھی نہیں چاہئے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی چنگی طراں سمجھ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے..... شاباش!" میں نے تعریفی انداز میں کہا۔ "اب میں تمہیں گھر بھجوانے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

پھر میں نے دروازے کی جانب منہ کر کے کانسٹیبل کو آواز دی۔ "حکم داد....."

تھوڑی دیر کے بعد کانسٹیبل حکم داد میرے سامنے حاضر تھا۔ میں نے انگلی سے کیسو کی جانب اشارہ کیا اور کانسٹیبل سے کہا۔

"حکم داد! تم اس کے ساتھ موضع فتح پور تک جاؤ گے اور اسے صغراں ماچھن کے گھر پہنچا کر آؤ گے..... ابھی اور اسی وقت....."

"جی....." کانسٹیبل نے سوچتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "آپ نے کیا نام بتایا ہے ملک صاحب.....؟"

"کس کا نام؟" میں نے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا۔

"ماچھن کا جناب.....!" اس نے کہا۔

"صغراں ماچھن.....!" میں نے دہرایا' پھر پوچھا۔ "حکم داد! کیا تم کیسو کی ماں کو جانتے ہو؟"

"تھوڑی دیر سے جاننے لگا ہوں جناب....."

"تھوڑی دیر سے..... کیا مطلب؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "جناب! کافی دیر سے ایک مائی باہر برآمدے میں آئی بیٹھی ہے۔ وہ آپ سے ملنے کی ضد کر رہی تھی' لیکن آپ اس لڑکے سے پوچھ گچھ کر رہے تھے' اس لئے ہم نے اسے آپ کے کمرے میں نہیں بھیجا....." وہ لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"وہ مائی بھی اپنا نام صغراں ہی بتا رہی ہے۔"

میری چھٹی حس نے بڑا واضح اعلان کر دیا۔ وہ صغراں' کیسو کی ماں صغراں ماچھن کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اگلے ہی لمحے میں نے کانسٹیبل کو حکم دیا۔

"حکم داد..... اس صغراں مائی کو فوراً اندر بھیجو....."

حکم داد نے چشم زدن میں میرے حکم کی تعمیل کی اور صغراں نامی مذکورہ مائی کو میرے سامنے پیش کر دیا۔ میں نے یکے بعد دیگرے کیسو اور صغراں کے چہروں کا جائزہ لیا اور میری چھٹی حس کی پکار حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔

میں نے کانسٹیبل حکم داد کی معیت میں دونوں ماں بیٹے کو ان کے گھر روانہ کر دیا۔ پھر اپنی کرسی پر بیٹھ کر چاچا اللہ دتہ کے بارے میں سوچنے لگا۔

میں اس کردار اللہ دتہ کے بارے میں فی الحال زیادہ نہیں جانتا تھا۔ میری معلومات وہیں تک محدود تھیں' جہاں تک قیصر عرف کیسو نے مجھے بتایا تھا۔ مثلاً یہ کہ وہ دبلا پتلا اور لمبا تڑنگا تھا۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ اس کے بالائی ہونٹ پر زخم کا نشان تھا۔ گاؤں میں سب لوگ اسے چاچا اللہ دتہ کہہ کر پکارتے تھے اور..... یہ کہ وہ ٹیوب ویل اور باغ کے درمیان واقع ایک گھر میں رہتا تھا..... یہ کہ وہ ٹیوب ویل اور باغ کے درمیان واقع ایک گھر رہتا تھا' وغیرہ..... وغیرہ.....!

قیصر کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں میرے ذہن میں اللہ دتہ کا ایک ہیولا سا بن گیا

تھا' لیکن اس ہیولے سے بھی زیادہ اہم وہ سنسنی خیز خیالات تھے' جو اللہ دتہ کے عزائم سے متعلق تھے۔ اس نے آخر کس مقصد سے کیسو کو وہ احمقانہ کام سونپا تھا۔ بظاہر احمقانہ نظر آنے والے اس کام کے پیچھے یقیناً اللہ دتہ کا کوئی گہرا مقصد چھپا ہوا تھا اور مجھے اسی اہم مقصد کو کھوج کر نکالنا تھا۔

میرا ذہن اگرچہ اللہ دتہ کے عزائم کے حوالے سے کلیئر نہیں تھا' لیکن ایک بات تو طے تھی..... اور وہ یہ کہ اللہ دتہ نہیں چاہتا تھا کہ بھوری بھینس کا دودھ نکالا جائے' جبھی اس نے کیسو کو پیسوں کا لالچ دے کر اس عجیب وغریب مصروفیت میں ڈال دیا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اللہ دتہ ایسا کیوں چاہتا تھا؟ اس سوال کے مختلف جواب میرے ذہن میں آرہے تھے۔ اللہ دتہ کو یقیناً تین میں سے کسی ایک سے دشمنی تھی۔ نمبر ایک..... بھوری بھینس سے دشمنی!

جب کافی دنوں تک کسی دودھ دینے والے جانور کا دودھ نہ نکالا جائے تو نتیجے کے طور پر رفتہ رفتہ اس کا دودھ سوکھنے لگتا ہے۔ اللہ دتہ چاہتا تھا کہ بھوری بھینس کا دودھ سوکھ جائے اور اس کی قدر و قیمت دو کوڑی کی نہ رہے۔

نمبر دو..... عنایت سے دشمنی! اللہ دتہ کی ہدایت پر کیسو جو حرکت کر رہا تھا' اس کے نتیجے میں عنایت کو بھوری بھینس کا دودھ نکالنے میں ناکامی کا سامنا ہو رہا تھا اور اس ناکامی پر عنایت کو چودھری ارشاد کی جھڑکیاں سننا پڑ رہی تھیں۔ اللہ دتہ' عنایت کو ذلیل وخوار کرنا چاہتا تھا۔

نمبر تین..... نورین سے دشمنی! چودھری ارشاد نے وہ بھوری بھینس خاص طور پر اپنی نئی نویلی دلہن الہڑ مٹیار نورین کے لئے خریدی تھی۔ نورین کو دودھ پینے کا اور بھوری بھینس کو دودھ دینے کا بہت شوق تھا' لیکن اس دس بارہ دنوں میں بدقسمتی سے بھوری بھینس کے دودھ کی ایک بوند بھی نورین کے حلق سے نیچے نہیں اتری تھی۔ اللہ دتہ نہیں چاہتا تھا کہ بھوری بھینس کا دودھ' نورین کے شکم میں اترے۔

ان تینوں اسباب میں سے کوئی ایک تھا یا پھر کوئی چوتھی وجہ تھی' بہرحال یہ جاننا زیادہ ضروری تھا کہ اللہ دتہ آخر ایسا چاہتا کیوں تھا؟

اس ''کیوں'' کا جواب تلاش کرنے کے لئے میں نے اپنے ذہن کو مامور کر دیا تھا اور تھانے سے اٹھ کر اپنے کوارٹر میں آگیا تھا' جو تھانے کے عقبی حصے میں بنا ہوا تھا۔ رات کو میں دیر تک چاچا اللہ دتہ کے بارے میں سوچتا رہا اور اپنے ذہن میں ایک خاص پروگرام ترتیب دے

کر سو گیا کہ اگلی صبح مجھے کون کون سے کام سرانجام دینا ہیں۔

سوچنا انسان کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کسی انسان کی سوچ پر پابندی عائد نہیں کر سکتے' لیکن اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ انسان جیسا سوچتا ہے عملاً ویسا پیش بھی آجائے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ اگلی صبح میرے پروگرام کا سوا ستیاناس ہو گیا تھا۔ میں ناشتے کے بعد حسب معمول تیار ہو کر اپنے کمرے میں پہنچا تو ایک بری خبر میری منتظر تھی۔

ایک کانسٹیبل نے مجھے بتایا۔ ''ملک صاحب! موضع فتح پور میں رات ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا ہے۔''

''کیسا واقعہ خادم حسین؟'' میں نے چونک کر اطلاع دینے والے کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔ اس کی بات سن کر میرا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔

''وہ چودھری صاحب کی بیوی ہے نا.....'' کانسٹیبل نے بتانا شروع کیا۔

''کون سی بیوی؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کر ڈالا۔ میرے لہجے میں حد درجہ اضطرار بھرا ہوا تھا۔

''چھوٹی یا بڑی.....؟''

''میں چھوٹی بیوی کی بات کر رہا ہوں ملک صاحب.....'' اس نے جواب دیا۔ ''جس کا نام نورین ہے اور جو.....''

میں نے ایک بار پھر قطع کلامی کی اور پوچھا۔ ''خادم حسین! چھوٹی چودھرائن نورین کو کیا ہو گیا ہے.....؟''

''آج رات کے آخری پہر چھوٹی چودھرائن فوت ہو گئی ہے۔'' خادم حسین نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔

''کیا.....؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

کانسٹیبل خادم حسین کا تعلق موضع فتح پور ہی سے تھا' لہٰذا اس کی اطلاع کو مبنی برصداقت ہی تصور کیا جانا چاہئے تھا۔ وہ روزانہ صبح ڈیوٹی کرنے تھانے آتا تھا اور رات کو ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد واپس اپنے گھر چلا جاتا تھا۔

میرے ''کیا؟'' کے جواب میں اس نے بتایا۔ ''جی ملک صاحب! مجھے بھی یہ خبر صبح ہی ملی ہے۔ میں ناشتہ کر رہا تھا کہ پتا چلا' حویلی میں چھوٹی چودھرائن جی کا انتقال ہو گیا ہے۔''

''لیکن یہ ہوا کیسے؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''زیادہ تفصیلات کا تو مجھے بھی پتا نہیں ہے جناب!'' خادم حسین نے کہا۔ ''میں نے ناشتہ ختم کیا اور ڈیوٹی پر چلا آیا ہوں۔''

''تفصیلات کا اگر تمہیں علم نہیں ہے تو فوراً جا کر پتا لگاؤ۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''مجھے مکمل رپورٹ چاہئے..... جلد از جلد.....''

وہ مجھے سلیوٹ کر کے کمرے سے نکل گیا۔

یہ عجیب واہیات صورت حال سامنے آئی تھی۔ میں نے تو سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو جائے گا اور نہ ہی چودھری ارشاد نے کبھی خواب و خیال میں اس بارے میں سوچا ہوگا۔

وہ پچھلے کچھ عرصے سے کتنا خوش تھا۔ اس نے جس تمنا کو پورا کرنے کے لئے بڑھاپے میں دوسری شادی کا فیصلہ کیا تھا' اس کی تکمیل کے واضح آثار نمودار ہو گئے تھے۔ چھوٹی چودھرائن نہ صرف یہ کہ امید سے ہو گئی تھی' بلکہ تجربہ کار دائی صفیہ نے یہ فتویٰ بھی دے دیا تھا کہ نورین انشاء اللہ اولاد نرینہ کو جنم دے گی۔

چودھری ارشاد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اسے اپنا نام لیوا اور جائیداد کا اصلی وارث ملنے والا تھا کہ اچانک وہ شاخ ہی ٹوٹ گئی تھی' جس پر فصل امید بہار دکھانے والی تھی۔ اس واقعہ نے یقیناً چودھری کو توڑ کر رکھ دیا ہوگا۔

ایک گھنٹے کے بعد خادم حسین واپس آ گیا اور اس نے آ کر بتایا کہ چھوٹی چودھرائن کے پیٹ میں آدھی رات کو شدید نوعیت کا درد اٹھا تھا۔ درد کی شدت اس درجے کی تھی کہ وہ پیٹ پکڑ کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ اس صورتحال نے حویلی اور اس کے مکینوں کو حد درجہ پریشان کر دیا تھا۔ چودھری نے فوری طور پر ایک بندہ حکیم جی کی طرف دوڑایا اور دوسرا صفیہ دائی کی جانب۔ یہ دونوں شخصیات موضع فتح پور ہی میں رہتی تھیں۔ دونوں چند منٹ میں حویلی کے اندر تھے۔

پہلے صفیہ دائی حویلی میں پہنچی تھی۔ اس نے تکلیف سے تڑپتی ہوئی نورین کو سیدھا کر کے اس کا طبی معائنہ شروع کر دیا۔ سیدھا کرنے کے باوجود بھی وہ چھوٹی چودھرائن کے دونوں ہاتھ اس کے پیٹ پر ہی تھے' جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے شکم میں بڑی طوفانی نوعیت کی تکلیف تھی۔

نورین کی یہ حالت برقرار رہی تو دائی کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کی کچھ سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس کو ہوا کیا ہے۔ رات کو وہ چودھرائن کو بھلی چنگی حویلی میں چھوڑ کر گئی تھی اور اب اس کی کیفیت ہی بدلی ہوئی تھی۔

اسی دوران میں حکیم جی بھی حویلی پہنچ گئے۔ ان کی ماہرانہ نگاہ نے نورین کو دیکھتے ہی کچھ اہم اندازے قائم کر لئے۔ وہ اس کی نبض تھام کر بیٹھ گئے اور اہل خانہ سے سوال و جواب شروع کر دیئے۔

''چودھرائن جی نے رات کو کھانے میں کیا کھایا تھا؟''

انہیں بتایا گیا۔ ''آلو بینگن کا سالن اور چاول۔ اس کے ساتھ اچار بھی۔''

''اچار کے علاوہ؟'' حکیم جی نے پوچھا۔

''اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

''دودھ وغیرہ تو چاول میں نہیں ڈالا گیا تھا؟''

''جی بالکل نہیں..... لیکن.....''

''لیکن کیا.....؟'' حکیم جی نے چونک کر دیکھا۔

''چودھرائن جی کو دودھ بہت پسند ہے۔'' چودھری ارشاد نے بتایا۔ ''رات کو سونے سے پہلے اس نے دودھ کا بھرا گلاس پیا تھا۔''

آلو بادی' بینگن بادی' دودھ بادی' اچار ترش تر.....'' وہ افسوسناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولے۔ ''بہت ساری مضر صحت چیزیں ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں۔ یہ ساری خرابی اسی وجہ سے ہے۔''

''حکیم جی! خرابی کسی بھی وجہ سے ہے' لیکن آپ چودھرائن جی کو کوئی دوائی وغیرہ تو دیں۔'' چودھری ارشاد نے خفگی آمیز لہجے میں کہا۔ ''دیکھیں نا..... تکلیف کی شدت سے بے چاری کس طرح تڑپ رہی ہے۔''

''مجھے چودھرائن جی کی کیفیت کا اچھی طرح اندازہ ہے چودھری صاحب!'' حکیم جی اپنا بکس کھولتے ہوئے بولے۔ ''میں ابھی ان کو ایک ایسی دوا چٹاتا ہوں کہ دیکھتے ہی دیکھتے پیٹ کا درد غائب ہو جائے گا۔ آپ ایک کام کریں.....''

''کیا کام.....؟'' چودھری نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''حویلی کے باورچی خانے میں اگر کوئی لیموں رکھا ہو تو لے آئیں۔ لیموں نہ ہو تو پھر

ادرک کا ایک ٹکڑا منگوا لیں۔'' حکیم جی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اور اس کے ساتھ ہی ایک چھری بھی.....''

چند سیکنڈ میں چھری کے ہمراہ لیموں اور ادرک دونوں چیزیں حکیم جی کو مہیا کر دی گئیں۔ حکیم جی نے چھری کی مدد سے لیموں کو دولخت کیا' پھر اپنے بیگ نما بکس میں سے ایک مٹیالا سا سفوف نکال کر اسے لیموں پر چھڑکا اور اس سفوف لگے لیموں کو چودھرائن کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ چاٹ لو بیٹا..... ابھی تمہاری تکلیف رفع ہو جائے گی۔''

چودھری کی بیوی کا درد کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ وہ اس حالت میں نہیں تھی کہ خود اپنے ہاتھ سے پکڑ کر لیموں کو چاٹ سکتی۔ اس وقت وہاں حویلی کے تمام وسینک موجود تھے۔ کیا ملازمین' کیا مالکان..... ہر بندہ سخت پریشان اور تشویش میں مبتلا تھا۔ صفیہ دائی نے فوراً ہاتھ بڑھا کر حکیم جی کے ہاتھ سے لیموں کا مذکورہ ٹکڑا لے لیا اور امداد طلب نظر سے چودھری کی طرف دیکھا۔

چودھری ارشاد جلدی سے آگے بڑھا اور اس نے چودھرائن کا سر اپنی گود میں رکھ لیا' پھر صفیہ دائی کو اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''میں اس کا منہ کھول رہا ہوں۔ تم اس کی زبان سے لیموں لگا دینا۔''

''میں ابھی زندہ ہوں چودھری صاحب!'' نورین نے تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے کہا۔ ''لائیں..... لیموں مجھے پکڑائیں۔ میں خود ہی چاٹ لوں گی۔''

حکیم نے نورین کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں' یہ زیادہ ٹھیک ہے۔ لیموں چودھرائن جی کو دے دیں۔''

فوری طور پر یہی کیا گیا۔ نورین نے لیموں کا ادھ کٹا ٹکڑا اپنے ہاتھ میں لے کر منہ کی جانب بڑھایا۔ چودھری ارشاد نے پوری طرح اسے سہارا دے رکھا تھا' لیکن اس سے پہلے کہ نورین اس لیموں کو زبان تک پہنچا کر چاٹ پاتی' ایک عجیب اور ہولناک واقعہ رونما ہوا۔

نورین کے بدن نے ایک خطرناک جھٹکا کھایا اور اگلے ہی لمحے اس نے ایک بڑی قے کر دی۔ سرخ سرخ..... خون آلود قے..... بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا' وہ قے نہ ہو' باقاعدہ خون کا اخراج الٹی کی صورت ہوا ہو۔''

نورین اور چودھری کا لباس خون خون ہو گیا۔ اس قے کے چھینٹے صفیہ کے کپڑوں اور بستر پر بھی گرے تھے' الغرض جو بھی شے اس کی لپیٹ میں آئی خون رنگ ہو گئی..... حکیم جی نفی میں گردن ہلاتے ہوئے ایک ہی جملہ دہرائے جا رہے تھے۔

''یہ آلو بینگن اور دودھ تک محدود نہیں ہے۔ مجھے تو یہ کوئی اور ہی معاملہ لگتا ہے۔''

''کیا معاملہ لگتا ہے حکیم.....؟'' چودھری نے فکرمندی سے پوچھا۔

''چودھرائن کے پیٹ میں خوراک کے ساتھ کوئی زہریلی شے بھی چلی گئی ہے۔'' حکیم جی تشویش بھرے لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ آثار تو ٹھیک نہیں ہیں.....''

''کچھ کریں حکیم جی.....'' چودھری بے بسی کے عالم میں چلایا۔ ''چودھرائن جی کو کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے پیٹ میں میرا بچہ ہے۔ اگر کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میری دنیا میں اندھیرا چھا جائے گا۔''

حکیم جی نورین کی نبض پکڑ کر بیٹھ گئے اور گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں کوشش کرتا ہوں۔ آگے اللہ مالک ہے۔''

''کریں..... کریں..... جو بھی کوشش کرنا ہے' فوراً کریں۔'' چودھری نے اصراری انداز میں کہا۔ ''لیکن چودھرائن جی کو کچھ نہیں ہونا چاہئے۔''

''اس کی نبض ڈوب رہی ہے چودھری صاحب!'' حکیم جی بے حد گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے۔ ''اللہ خیر کرے.....''

مگر اللہ نے اس مرحلے پر خیر نہیں کی یا یوں سمجھ لیں کہ اس وقت جو واقعہ پیش آیا' وہ چودھری ارشاد کی نظر میں' خیر کے زمرے میں نہیں آتا تھا۔ نورین نے خون کی مزید ایک قے کی اور اس کا بدن ٹھنڈا ٹھار ہو گیا۔ وہ ختم ہو گئی تھی۔ اور ظاہر ہے' اس کے پیٹ میں موجود چودھری کی اولاد نرینہ بھی نورین کے ساتھ ہی اس دنیا میں آنکھ کھولنے سے پہلے اُس دنیا کی طرف چلی گئی تھی۔

حکیم جی نے مایوسی بھرے انداز میں گردن جھکا دی۔

کانسٹیبل نے بڑی تفصیل سے نورین کی موت کی منظرکشی کی تو میں بھی پلک جھپکتے میں اسی نتیجے پر پہنچا' جہاں حکیم جی پہنچے تھے' یعنی نورین کی موت کسی زہریلی شے کے سبب واقع ہوئی تھی۔ خون کی الٹیاں کر کے جان سے ہاتھ دھو بیٹھنا اسی امر کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ مرنے

والی کو زہر دیا گیا تھا۔

حکیم جی تو ایک طبیب تھے' ایک معالج تھے' لہٰذا نورین کی موت کی درست ''تشخیص'' کر کے ایک طرف چپ ہو کر بیٹھ گئے تھے' لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ میں پولیس کا ایک اہم اور ذمے دار آفیسر تھا۔ قانون کا پاس اور عمل داری میرے فرائض کا حصہ تھا' لہٰذا میں بھلا کیسے خاموش ہو کر بیٹھ جاتا..... یہ وقت تو میرے سرگرم ہونے کا تھا۔ اگر نورین کو زہر دیا گیا تھا تو سیدھی سیدھی یہ قتل کی ایک واردات تھی۔

''خادم حسین!'' میں نے کانسٹیبل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تیاری کرو ہم ابھی اور اسی وقت چودھری کی حویلی جا رہے ہیں۔''

''او کے سر!'' وہ فرماں برداری سے بولا۔

***

حویلی کسی ماتم کدہ کا منظر پیش کر رہی تھی۔ چودھری ارشاد کی پہلی بیوی سے چار اولادیں پیدا ہوئی تھیں' جن میں سے صرف ایک پہلوٹھی کی بچی نادرہ عرف رانی زندہ تھی۔ اس کے بعد پیدا ہونے والے چودھری قدیر' چودھری نعیم اور چودھری سلطان اپنی اپنی باری پر زندگی کا ایک سال بھی پورا کرنے سے پہلے ہی راہی عدم ہو گئے تھے۔ تینوں بیٹوں کی موت اس کے سینے کے داغ بن کر تکلیف اور اذیت کا سامان پیدا کرتے رہتے تھے۔ اس کے بعد نور جہاں کے بطن سے پھر کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔

چودھری کو بیٹے کی خواہش تھی۔ اسے اپنی جائیداد کا وارث چاہئے تھا۔ ایک ایسا سپوت' جو اس کی نسل کو آگے بڑھانے کا سبب بنے' لیکن نور جہاں کی طرف ناامیدی اور مایوسی کی جھنڈی لہراتی رہتی تھی۔ لہٰذا مجبوراً اس نے بڑھاپے میں دوسری شادی کر لی تھی کہ اگر مقدر میں اولاد نرینہ ہے تو اس کی جانب سے کوشش اور تگ و دو میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

چودھری کا' دوسری شادی کا فیصلہ بڑا کامیاب رہا تھا' چھوٹی چودھرائن نورین نے اپنے حسن اور جوبن سے نہ صرف یہ کہ چودھری کی خلوت کو جگمگا دیا تھا' بلکہ اسکی اولاد نرینہ کی خواہش دیرینہ کی تکمیل کا باعث بھی بننے جا رہی تھی۔ ایک ماہر دائی صفیہ نے بڑے وثوق سے کہا تھا کہ نورین چودھری کے بیٹے کو جنم دے گی۔

اس خوش خبری نے چودھری ارشاد کے ارمانوں اور امنگوں کو بے طرح رقص کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی مسرتیں اور خوشیاں ابھی بالغ بھی نہیں ہونے پائی تھیں کہ سب کچھ پانی کے بلبلے کے مانند ٹائیں ٹائیں فش ہو کر رہ گیا تھا۔

اس وقت پوری حویلی میں سب سے زیادہ سوگوار چودھری ارشاد ہی تھا' لہٰذا میں اسی کے پاس جا بیٹھا۔ ہماری پہلے بھی ملاقات تھی اور دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف بھی

تھے۔ میں نے چھوٹی چودھرائن کی موت پر دلی صدمے کا اظہار کرتے ہوئے مناسب الفاظ میں تعزیت کر دی' پھر پوچھا۔

''چودھری صاحب! چودھرائن کی تدفین کا کیا وقت رکھا ہے؟''

''ظہر اور عصر کی نماز کے بیچ۔'' اس نے رنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

میں نے کہا۔ ''میں اس وقت چودھرائن جی کی صف ماتم پر بیٹھا ہوا ہوں اس لئے یہاں بیٹھ کر تفصیلی باتیں کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ کیا ہم تھوڑی دیر کے لئے تنہائی میں مل سکتے ہیں.....؟''

اس نے چونک کر الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا اور سرگوشیانہ انداز میں بولا۔ ''ملک صاحب! خیریت تو ہے نا.....؟''

میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''بس' سمجھ لیں کہ خیریت ہی نہیں ہے چودھری صاحب!''

اس کی آواز بھیگ گئی' ٹوٹے ہوئے لہجے میں مجھ سے مستفسر ہوا۔ ''میں اس وقت جتنی بڑی قیامت سے گزر رہا ہوں' کیا اس سے زیادہ بری خبر ہو سکتی ہے کوئی.....؟''

''جی چودھری صاحب!'' میں نے بھی جواباً سرگوشیانہ انداز ہی اختیار کیا۔ ''میں آپ سے جو بات کرنا چاہتا ہوں' اس کا تعلق چودھرائن جی کی المناک موت کی حقیقت سے ہے اور..... یہ گفتگو صف ماتم پر بیٹھ کر سب کے سامنے نہیں ہو سکتی۔''

''موت کی حقیقت.....؟'' وہ بدکے ہوئے انداز میں بولا۔

مجھے یہ سمجھنے میں قطعاً کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی کہ وہ میری بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا' تاہم اس نے چہرے کے تاثرات سے یہی ظاہر کیا کہ میری بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔''

میں نے ایک چال چلی۔ ''چودھری صاحب! آپ کی حویلی میں قدم رکھنے سے پہلے میں حکیم جی سے ایک بھرپور ملاقات کر چکا ہوں۔ ہم نے چودھرائن جی کی موت پر ہی بات کی تھی۔''

میں حکیم جی سے قطعاً نہیں ملا تھا' تاہم چودھری میرے داؤ میں آ گیا اور جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔

''ملک صاحب! آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میں اس وقت کتنا دکھی ہوں؟''

''کیوں نہیں چودھری صاحب!'' میں نے دل جوئی کرنے والے انداز میں کہا۔ ''مجھ سے زیادہ یہ بات اور کون جان سکتا ہے۔ میں آپ کے تمام تر حالات سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

''پھر آپ مجھ پر ایک مہربان کریں ملک صاحب!'' وہ منت ریز لہجے میں بولا۔ ''ہم اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے۔''

''بعد میں کب چودھری صاحب؟''

''نورین کی تدفین کے بعد.....''

''پھر کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ملک صاحب.....؟''

''میں آپ سے جو سنجیدہ بات کرنے والا ہوں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اس کا تعلق چودھرائن جی کی غیر طبعی موت سے ہے۔ جب موت غیر طبعی واقع ہوئی ہے تو پھر بات چیت تدفین سے پہلے ہی ہو جانا چاہئے۔ میں نہیں چاہتا کہ بعد ازاں چودھری جی کی قبر کو کھود کر.....''

''ٹھیک ہے ملک صاحب.....'' وہ ہتھیار پھینکتے ہوئے بولا۔ ''آئیں' ہم اندر کسی کمرے میں جا کر بیٹھتے ہیں۔''

ہم دونوں یکے بعد دیگرے نورین کی صف ماتم سے اٹھے' پھر میں چودھری کی رہنمائی میں چلتے ہوئے ایک ایسے کمرے میں پہنچا' جو خواب گاہ کا منظر پیش کرتا تھا۔ بعد ازاں معلوم ہو کہ وہ متوفی نورین اور چودھری ارشاد کا بیڈ روم تھا۔ جب ہم آرام سے بیٹھ چکے تو میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''چودھری صاحب! یہ ایسا موقع نہیں ہے کہ میں خوامخواہ بات کو گھما پھرا کر آپ کا اور اپنا وقت برباد کروں' لہٰذا مجھے جو کچھ کہنا ہے' صاف اور دوٹوک انداز میں کہہ رہا ہوں۔''

''میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں ملک صاحب!'' وہ بے بسی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

یہ ایک حقیقت تھی کہ میرا ابھی تک حکیم جی سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی' لیکن باہر صف ماتم پر بیٹھے ہوئے کانسٹیبل خادم حسین نے ایسے جامع الفاظ میں نورین کی موت کا منظر کھینچا تھا کہ اس سلسلے میں مجھے کسی سے کوئی تفصیل حاصل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔

میں نے نہایت ہی مختصر مگر پُر اثر الفاظ میں چودھری ارشاد کو اپنے حتمی اور تحقیقاتی خیالات سے آگاہ کیا۔ میرا بیان اتنا جامع اور مدلل تھا کہ چودھری کے پاس اختلاف یا انکار کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ وہ کوئی کوڑھ مغز اور بددماغ چودھری نہیں تھا' جو خوامخواہ کی کج بحثی پر اتر آتا۔ میں جب سے اس تھانے میں تعینات تھا' میں نے چودھری ارشاد کو ایک دانا و بینا اور زیرک شخص پایا تھا۔ حالیہ واقعہ کی تہ میں تو وہ بھی پوری طرح اترا بیٹھا تھا' لیکن اظہار سے ڈرتا تھا۔ یہ اس کی بزدلی نہیں' بلکہ مصلحت کوشی تھی۔ جب میں نے تمام تر حقیقت اس کے گوش گزار کر دی تو اس نے شکستہ لہجے میں پوچھا۔

''پھر آپ کا کیا ارادہ ہے ملک صاحب.....؟''

میں نے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا۔

وہ خوشامدانہ انداز میں بولا۔ ''ملک صاحب! چھوٹی چودھرائن بڑی اذیت اٹھانے کے بعد موت کے منہ میں گئی ہے۔ اب اس کی لاش کی چیر پھاڑ.....'' وہ جھرجھری لے کر خاموش ہو گیا۔

میں نے کہا۔ ''چودھرائن جی نے وہ تکلیف اور اذیت اس لئے سہی تھی کہ اس وقت ان کے بدن میں جان موجود تھی' لیکن اب جو کچھ بھی ہوگا وہ ایک مردہ جسم..... ایک لاش کے ساتھ ہوگا' لہٰذا آپ اس سلسلے میں قطعاً پریشان نہ ہوں۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ چودھرائن جی کی موت کی حقیقت کو کھول دے گی.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''ویسے مجھے تو پورا یقین ہے' چودھرائن جی کو زہر دے کر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ کیا آپ اپنی چہیتی بیوی کے قاتل کو یونہی چھوڑ دیں گے..... وہ بیوی جو آپ کے لئے جائیداد کا وارث پیدا کرنے والی تھی..... آپ کی نسل کو آگے بڑھانے والی تھی.....؟''

میرے ان جذباتی ڈائیلاگ نے چودھری کی آنکھوں سے آنسو جاری کر دیئے۔ وہ گلوگیر آواز میں بولا۔ ''ملک صاحب! سب کچھ ختم ہو گیا..... نہ نورین زندہ رہی اور نہ ہی میری نسل کا چراغ روشن کرنے والا وہ بچہ' جو اس کی کوکھ میں اپنی زندگی کی ابتدائی منزلیں طے کر رہا تھا' میری تو دنیا ہی لٹ گئی۔''

میں تھوڑی دیر تک اسے سینے سے لگا کر تسلی دلاسا دیتا رہا اور اس کے کان میں سمجھانے کا

عمل بھی جاری رکھا۔ بالآخر میری بات نے اس مردِ معقول کی عقل میں جگہ بنا لی اور وہ مجھ سے تعاون کے لئے تیار ہو گیا۔ بس میرے لئے اتنا اشارہ ہی کافی تھا۔

میں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

چھوٹی چودھرائن کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے سرکاری ہسپتال بھجوانے سے پہلے نے کچن والی کارروائی کو نمٹانا ضروری سمجھا اور چودھری سے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ خاموشی سے تماشا دیکھتا رہے۔ جو بھی ہوگا' اس کے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ اس نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

عموماً قتل کی واردات کے سلسلے میں' واقعاتی شہادتیں بعد میں تلاش کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے لاش کا معائنہ کیا جاتا ہے اور اسے پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوانے کے بعد دیگر کارروائی کی جاتی ہے' لیکن یہاں روایت کے برعکس ہو رہا تھا اور اس کی ایک خاص وجہ تھی۔

جب میں کانسٹیبل خادم حسین کے ساتھ چودھری کی حویلی پہنچا تو اس وقت تک حویلی کے اندر یہی تاثر پایا جاتا تھا کہ چھوٹی چودھرائن خون کی الٹیا کرتے ہوئے موت کے منہ میں چلی گئی ہے اور اب نمازِ ظہر کے بعد اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ حویلی کے اندر تعزیت کے لئے آنے والے افراد کا ہجوم جمع تھا' جن میں گاؤں والوں کے علاوہ چودھری ارشاد کے رشتے داروں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی' جو ظہر اور عصر کے درمیان چودھرائن جی کی تدفین کا ذہن بنائے بیٹھے تھے۔ اب اگر اچانک انہیں پتا چلتا کہ حویلی میں درحقیقت قتل کی ایک واردات ہوئی ہے اور چودھرائن نورین کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے سرکاری ہسپتال بھجوایا جا رہا ہے تو یقیناً وہاں ایک بھگدڑ سی مچ جاتی' جس سے پولیس کو کارروائی میں مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔

میرے اس فوری فیصلے کا ایک اور تکنیکی پہلو بھی تھا۔ اگر حویلی کے اندر یہ خبر عام ہو جاتی کہ پولیس چودھرائن نورین کی لاش کو قتل کے شبہے میں پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال بھیج رہی ہے تو کچن کی متوقع شہادتیں ضائع کر دیئے جانے کے روشن امکانات تھے۔ اگر نورین کا قاتل اسی حویلی سے تعلق رکھتا تھا اور جیسا کہ مجھے یقین تھا..... تو وہ واقعاتی شہادتوں کو میرے ہاتھ نہ لگنے دیتا۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آ چکی تھی کہ متوفی چودھرائن نے رات کو آلو بینگن' چاول اور اچار وغیرہ کھائے تھے یا پھر سونے سے پہلے دودھ کا ایک گلاس پیا تھا۔ یہ تمام ایسی اشیاء تھیں کہ جن کی کشتم کشتی سے پیٹ کے اندر بہت زیادہ گیس بن سکتی تھی اور یہ گیس تیزابیت'

سینے کی جلن اور زیادہ سے زیادہ معدے کا درد جگا سکتی تھی' اس بات کے قطعاً کوئی امکانات نہیں تھے کہ اس خوراک کے نتیجے میں خون کی الٹیاں جاری ہو جائیں اور وہ بھی ایسی کہ اس سے انسان کی فوری موت بھی واقع ہو جائے۔

یقیناً چھوٹی چودھرائن کو کوئی خطرناک زہر دیا گیا تھا۔ یہ دہرے قتل ایک سنسنی خیز واردات تھی۔ نورین کے پیٹ میں چودھری ارشاد کا بیٹا تھا یا بیٹی اس بحث میں پڑے بغیر یہ تو وثوق سے کہا جا سکتا تھا کہ وہاں ایک زندگی اپنے مخصوص مدارج طے کر رہی تھی۔

کچن کی تمام تر کارروائی میں مجھے ذرا برابر بھی کامیابی نہ ہوئی۔ رات کو تیار ہونے والا کھانا ختم ہو چکا تھا اور تمام تر برتن بھانڈے مانجھ کر دھو کر ایک طرف رکھ دیئے گئے تھے۔ اب مجھے کسی بدنظمی یا افراتفری کی پروا نہیں تھی۔

رات کو جب چھوٹی چودھرائن نے موت کو گلے لگایا تو حویلی کے تمام افراد بشمول دائی صفیہ اور حکیم جی وہاں موجود تھے اور سب کے سب اس بات کے گواہ تھے کہ نورین نے خون کی قے کرتے ہوئے جان دی تھی۔ میرے لئے بس اتنا سہارا ہی کافی تھا۔

میں نے فوری طور پر نورین کی لاش کا سرسری سا معائنہ کیا' پھر اسے خادم حسین کی نگرانی میں پوسٹ مارٹم کے لئے سرکاری ہسپتال بھجوا دیا۔ اس کے بعد میں حویلی کی اندرونی کارروائی میں مصروف ہو گیا۔

میں نے چودھری ارشاد سے پوچھا۔ ''گزشتہ رات آپ کی حویلی میں کل کتنے افراد موجود تھے؟''

''میں..... بڑی چودھرائن' چھوٹی چودھرائن.....'' اس نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''اور چھ ملازم۔''

''ملازمین کی تفصیل کیا ہے چودھری صاحب؟''

''دو سمجھدار عورتیں تو دونوں چودھرائنوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔'' اس نے بتایا۔ ''نور جہاں کی خدمت کے لئے جیواں ماسی مخصوص ہے اور نورین کی دیکھ بھال کے لئے چاچی بسم اللہ..... ان کے علاوہ باقی چاروں ملازم مرد ہیں۔''

''اور باورچی خانے میں کھانا وغیرہ کون پکاتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کھانا پکانے کی ذمے داری تو جیواں ماسی کی ہے۔'' چودھری نے جواب دیا۔ ''لیکن

چاچی بسم اللہ بھی اس کی مدد کرتی ہے۔ اس کے علاوہ.....'' وہ لمحے بھر کیلئے متوقف ہوا' پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''ویسے میری بیویاں بھی کچھ نہ کچھ پکاتی رہتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''چودھری صاحب! اب اس بحث میں پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ چھوٹی چودھرائن کے پیٹ میں آپ کی اولاد نرینہ تھی یا اولاد زرینہ' وہ جو کچھ بھی تھا' چودھرائن جی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا.....؟''

''جی نہیں..... آپ ایک حقیقت بیان کر رہے ہیں۔''

''اور یہ بھی طے ہے کہ چودھرائن جی اور ان کے پیٹ میں پلنے والی ننھی منی زندگی کو زہر دے کر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔'' میں نے بہ دستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''حکیم جی ان کی زہریلی موت کی تصدیق کر چکے ہیں۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گی۔ میری طرح آپ بھی یہی چاہتے ہوں گے کہ چھوٹی چودھرائن کا قاتل نہ صرف بے نقاب ہو' بلکہ اسے عبرت ناک سزا بھی ملنا چاہئے؟''

میں نے بات ختم کر کے سوالیہ نظر سے چودھری ارشاد کی طرف دیکھا تو وہ گلوگیر آواز میں بولا۔ ''جی..... جی بالکل.....''

''میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ چودھرائن نورین کے قاتل کو میں بہت جلد آپ کی نگاہ کے سامنے لے آؤں گا۔'' میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''لیکن اس کٹھن کام کے لئے مجھے آپ کے بھرپور تعاون کی ضرورت پیش آئے گی۔ آپ تعاون کریں گے نا؟''

''تعاون نہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''بتائیں' آپ کو مجھ سے کس نوعیت کا تعاون چاہئے۔''

''میں جو بھی سوال آپ سے کروں اس کا سچا اور کھرا جواب چاہئے تھے۔'' میں نے کہا۔ ''اور میں تفتیش کے نام پر جو کچھ بھی کرنا چاہوں اس کے راستے میں آپ کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

''بس' تو پھر سمجھیں کہ چھوٹی چودھرائن نورین کا قاتل قانون کی گرفت میں آ چکا.....'' میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

چودھری ارشاد نے زور دے کر کہا۔ ''چودھرائن اور میرے بچے کا قاتل.....''

''جی ہاں..... دونوں' ماں بچے کا قاتل۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ ''میرا یہی مقصد تھا۔''

وہ منتظر نظر سے مجھے دیکھنے لگا کہ میں آگے کیا کہتا ہوں' میرے ذہن میں تفتیشی نقشہ بالکل واضح اور دوٹوک تھا۔ میں نے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے کہا۔

''چودھری صاحب! یہ تو آپ مانیں گے نا کہ ان دنوں آپ چھوٹی چودھرائن کی حد سے بڑھ کر دیکھ بھال اور نگہداشت کر رہے تھے اور انہیں گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں بھی ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ آرام مل سکے؟''

''جی ہاں' ملک صاحب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

''چودھری صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''چھوٹی چودھرائن جی نے پچھلی رات آلو بینگن' چاول' اچار وغیرہ کھائے تھے اور سونے سے پہلے ایک گلاس دودھ پیا تھا اور یہ تمام چیزیں باورچی خانے میں تیار ہو کر ان تک پہنچی تھیں؟''

''جی' بالکل.....'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''اور انہی چیزوں میں سے کسی میں زہر ملا ہوا تھا۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''جو آپ کی چھوٹی بیوی اور ہونے والے بچے کی موت کا سبب بنا۔''

''لیکن کھانا تو ہم سب نے وہی کھایا تھا۔'' وہ چونکے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''پھر چودھرائن ہی زہریلی خوراک کا نشانہ کیوں بنی؟''

''یہ ایک اہم سوال ہے چودھری صاحب! اور اس کا جواب بھی ہے میرے پاس۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ قاتل بہت ہی چالاک اور عیار ہے۔ چودھرائن جی کی موت کے فوراً بعد باورچی خانے میں سے رات کے کھانے کے حوالے سے تمام ثبوت ختم کر دیئے گئے اور تمام کے تمام برتن بھی مانجھ کر دھو کر رکھ دیئے گئے' تاکہ بعد ازاں پولیس کی کارروائی کا راستہ بند کیا جا سکے۔ اگر رات کے کھانے کا بچا کھچا کچھ حصہ میرے ہاتھ لگ جاتا تو میں اس کا لیبارٹری ٹیسٹ کرا کے حقیقت حال تک پہنچ سکتا تھا۔ بہر حال.....''

میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اب میں آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ عین ممکن ہے' بلکہ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا کہ..... چودھرائن جی نے رات سونے سے پہلے دودھ کا جو گلاس پیا تھا' اس میں زہر ملایا گیا ہو۔''

''یعنی..... یعنی آپ کا زور اس بات پر ہے کہ چودھرائن کا قاتل میری حویلی ہی کے اندر موجود ہے.....؟'' چودھری نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''جی ہاں!'' میں نے پورے تیقن کے ساتھ کہا۔ ''آپ کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق' پچھلی رات حویلی کے اندر دائی صفیہ' حکیم جی کے علاوہ آپ' بڑی چودھرائن' چھوٹی چودھرائن' نور جہاں کی خادمہ جیواں ماسی' نورین کی خادمہ چاچی بسم اللہ اور چار مرد ملازم موجود تھے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا.....؟''

''آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں ملک صاحب!'' اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

''صفیہ اور حکیم جی کا براہ راست حویلی سے کوئی تعلق نہیں اور ان دونوں کو چھوٹی چودھرائن کی طبیعت خراب ہونے کے بعد ہی بلایا گیا تھا' لہٰذا یہ دونوں شک کے دائرے میں نہیں آتے۔ اسی طرح جان کی بازی ہار جانے والی چھوٹی چودھرائن نورین کو بھی مشکوک افراد کی فہرست سے خارج کر دیں۔'' میں نے کہا۔ ''آپ نے جن چار گھریلو مرد ملازموں کا ذکر کیا ہے' ان کا بھی باورچی خانے سے کوئی تعلق نا تا نہیں' چنانچہ ہم ان کے ناموں پر بھی لکیر کھینچ دیتے ہیں۔ باقی بچے آپ' آپ کی بیوی بیگم چودھرائن نور جہاں' جیواں ماسی اور چاچی بسم اللہ.....''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''تو آپ کا مطلب ہے' ہم چاروں میں سے کسی نے چھوٹی چودھرائن کو زہر دیا ہے؟''

''چاروں نہیں..... تینوں میں سے کسی ایک نے!'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''میں سمجھا نہیں ملک صاحب.....؟'' وہ تعجب خیز نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''میں نے آپ کو بھی اس فہرست سے خارج کر دیا ہے چودھری صاحب!'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''چودھرائن نورین اور اس کے پیٹ میں نمو پانے والے معصوم بچے کے حوالے سے میں آپ کی سنجیدگی اور خوشی سے اچھی طرح واقف ہوں۔ آپ اپنی خوشیوں کو آگ لگانے کے لئے اس قسم کی گھناؤنی حرکت کر ہی نہیں سکتے۔''

''تو.....آپ کا مطلب ہے.....نور جہاں' جیواں یا بسم اللہ میں سے کسی نے نورین کو زہر دے کر زچہ و بچہ کو قتل کیا ہے.....؟'' وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے بکھری ہوئی آواز میں بولا۔

''جی ہاں' میرا مطلب یہی ہے۔'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ''مجھے یقین ہے' پوسٹ مارٹم رپورٹ اور میری تفتیش کی تکمیل بھی اسی نتیجے پر پہنچے گی کہ جو رائے میں نے حالات و واقعات کی روشنی میں قائم کی ہے۔''

''لیکن جیواں اور بسم اللہ تو سالہا سال کی آزمائی ہوئی اور قابل بھروسہ ملازمائیں ہیں۔'' وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اور میں سمجھتا ہوں' نور جہاں بھی ایسی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتی۔''

''کون کیا کر سکتا ہے اور کیا نہیں کر سکتا' اس کا فیصلہ بہت جلد ہو جائے گا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن ایک بات ذہن میں رکھیں چودھری صاحب کہ..... پولیس کی تفتیش کی گاڑی شک کے پٹرول سے چلتی ہے اور اس دہرے قتل کی واردات میں میرا شک تین افراد پر آ کر رک گیا ہے۔ نمبر ایک' آپ کی بڑی بیگم چودھرائن نور جہاں' نمبر دو نور جہاں کی خادمہ جیواں ماسی اور چھوٹی چودھرائن کی خادمہ چاچی بسم اللہ لہٰذا.....'' میں نے چند لمحات کا توقف کرنے کے بعد گہری نظر سے چودھری ارشاد کی آنکھوں میں دیکھا' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''لہٰذا میں ان تینوں افراد سے کڑی پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہوں اور آپ اس سلسلے میں مجھ سے بھرپور تعاون کریں گے۔''

''جی ضرور کروں گا تعاون۔'' وہ آمادگی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

''ہم اس نتیجے پر تو پہنچ ہی چکے ہیں کہ زہر باورچی خانے سے سفر کر کے چھوٹی چودھرائن کے معدے تک پہنچا تھا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''اور آپ کے مطابق' کھانا پکانے کی ذمے داری جیواں ماسی کی ہے اور اس کام میں بسم اللہ چاچی اس کی مدد کرتی ہے اور.....آپ کی بیویاں بھی کچھ نہ کچھ پکاتی رہتی ہیں۔ حالات و واقعات کی رو سے چھوٹی چودھرائن نے گزشتہ رات باورچی خانے میں کچھ نہیں پکایا ہوگا' کیونکہ آپ آج کل انہیں زیادہ سے زیادہ آرام دینے کی کوشش میں رہتے تھے۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آپ کی بڑی بیگم چودھرائن نور جہاں نے

پچھلی رات باورچی خانے میں جیواں ماسی کی کوئی مدد کی تھی؟''

''میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا جناب۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولا۔ ''میں چودھرائن سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔''

بات ختم کر کے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا۔ ''آپ ضرور چودھرائن جی سے یہ سوال کریں اور اس کے ساتھ ہی دونوں گھریلو ملازماؤں کو بھی میرے پاس بھیج دیں' تاکہ میں ان سے پوچھ گچھ کر سکوں۔''

''جی بہت بہتر.....'' وہ بڑی فرماں برداری سے بولا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور ایک ادھیڑ عمر عورت کو میرے حوالے کرتے ہوئے بولا۔ ''ملک صاحب! یہ چاچی بسم اللہ ہے۔ آپ اس سے بات چیت کریں' میں ابھی آتا ہوں۔''

میں نے اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا اور بسم اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ عام سی شکل وصورت کی مالک ایک ادھیڑ عمر ملازمہ تھی۔ میں نے لگ بھگ دس منٹ تک چاچی بسم اللہ کا انٹرویو کیا اور ہر زاویے سے سوالات کئے اور وہ مجھے اس گمبھیر معاملے میں بے قصور نظر آئی۔ دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے۔ یہ رائے میں نے اپنے تجربے کی بنیاد پر قائم کی ہے۔

چاچی بسم اللہ کے مطابق گزشتہ رات کھانا جیواں ماسی نے بنایا تھا اور اس کام میں اس نے جیواں کی مدد کی تھی۔ جیواں نے بڑی چودھرائن کے لئے اور بسم اللہ نے چھوٹی چودھرائن کے لئے کھانا چنا تھا۔ چودھری ارشاد نے بھی چھوٹی چودھرائن کے ساتھ ہی کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے بعد انہوں نے برتن سمیٹے اور باورچی خانے میں بیٹھ کر دونوں نے خود بھی کھانا کھایا تھا۔ اس کے بعد چاچی بسم اللہ چھوٹی چودھرائن کی پکار پر اس کے کمرے میں چلی گئی تھی اور جیواں ماسی برتن دھونے میں لگ گئی تھی۔

''اور دودھ..... دودھ والا گلاس تم نے کب چھوٹی چودھرائن کو دیا تھا؟'' وہ لمحے بھر کے لئے خاموش ہوئی تو میں نے پوچھا۔

''کھانے کے کوئی آدھا گھنٹہ بعد۔'' اس نے بتایا۔

''تو دودھ والا گلاس تم خود باورچی خانے سے لے کر آئی تھیں؟'' میں نے اس کی آنکھوں

میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی.....روزانہ میں ہی لے کر آتی ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''جب تم چھوٹی چودھرائن کے لئے دودھ کا گلاس لینے باورچی خانے میں پہنچیں تو کیا جیواں ماسی ابھی تک وہیں موجود تھی؟''

میرا فوکس لامحالہ دودھ والے گلاس پر ہو گیا تھا' کیونکہ اس رات حویلی کے باورچی خانے میں جو کھانا پکا تھا' وہ تو وہاں موجود تمام افراد نے کھایا تھا اور کسی کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ وہ کھانا زہریلا نہیں تھا' لہٰذا اس سنگین واقعہ کے سلسلے میں تان دودھ والے گلاس پر ہی آ کر ٹوٹتی تھی۔

بسم اللہ ماسی نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ''جی ہاں.....جیواں باورچی خانے میں موجود تھی' بلکہ وہ کام ختم کر کے وہاں سے جانے ہی والی تھی۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے کہا تھا.....میں نے چودھرائن جی کے لئے دودھ نکال دیا ہے۔''

''تو کیا روزانہ جیواں ہی چھوٹی چودھرائن کے لئے دودھ نکالا کرتی تھی؟'' میں نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''یہ ڈیوٹی تو میری تھی اور روزانہ میں ہی بی بی جی کے لئے گلاس میں دودھ ڈال کر لے جایا کرتی تھی' مگر کبھی کبھار جیواں بھی دودھ ڈال دیا کرتی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''لیکن باورچی خانے سے بی بی جی کے کمرے تک دودھ والا گلاس میں ہی لے جایا کرتی تھی۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سوالات کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''پچھلی رات تم نے چھوٹی چودھرائن کو دودھ پلانے کے بعد گلاس کہاں رکھا تھا؟''

''جب بی بی جی نے خالی گلاس مجھے واپس کیا تو میں اسے باورچی خانے میں چھوڑنے گئی تھی۔'' اس نے بتایا۔ ''جیواں چونکہ سارے برتن دھو کر بڑی بی بی جی کے کمرے میں جا چکی تھی' اس لئے میں نے خود ہی وہ گلاس دھو کر رکھ دیا تھا.....'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''جب سے چھوٹی بی بی امید سے ہوئی تھیں' چودھری صاحب نے میری ڈیوٹی انہی کے ساتھ لگا دی تھی۔ اب باورچی خانے میں' میں برائے نام ہی کام کرتی تھی' ورنہ کھانا پکانے اور برتن دھونے میں پہلے میں جیواں کا بھرپور ہاتھ بٹایا کرتی تھی۔''

ادھر بسم اللہ چاچی کی بات ختم ہوئی' ادھر چودھری ارشاد نمودار ہوا۔ وہ خاصا گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔ گزشتہ رات اس حویلی میں جتنا بڑا واقعہ پیش آیا تھا اس نے چودھری ارشاد کو اندر باہر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا' لیکن اس وقت مجھے چودھری کے چہرے پر جو گھبراہٹ دکھائی دی تھی' وہ بڑی مختلف نوعیت کی تھی۔

چودھری پر نگاہ پڑتے ہی چاچی بسم اللہ یکلخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ چودھری اسی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''نور جہاں کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے اور جیواں ماسی کہیں نظر نہیں آ رہی۔ تمہیں کچھ پتا ہے اس کا؟''

''جی چودھری صاحب!'' بسم اللہ نے بڑے اطمینان سے گردن ہلائی۔ ''میرے یہاں آنے سے دس منٹ پہلے وہ حویلی سے باہر گئی تھی اور کہا تھا کہ تھوڑی دیر میں واپس آ جائے گی۔''

''اس نے کچھ بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے.....؟'' چودھری نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

''کہہ رہی تھی' ذرا گھر سے ہو کر آ رہی ہوں۔'' بسم اللہ نے بتایا۔ ''جب تک حویلی کے کام کو میں سنبھال لوں۔ کیا وہ بڑی بی بی جی کو بتا کر نہیں گئی.....؟''

چودھری ارشاد نے بسم اللہ کے سوال کا جواب دینا ضروری خیال نہ کیا اور تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''تم فوراً نور جہاں کے پاس جاؤ' میں کسی بندے کو بھیج کر جیواں کو بلاتا ہوں۔''

بسم اللہ چاچی فوراً سے پیشتر وہاں سے کھسک گئی۔ میں نے چودھری سے پوچھا۔ ''چودھری صاحب! بڑی چودھرائن جی کو ہوا کیا ہے؟''

''میں سمجھتا ہوں' حویلی کے سوگوار ماحول نے اس کے اعصاب پر گہرا اثر ڈالا ہے۔'' وہ تشویش بھرے انداز میں بولا۔ ''آپ بیٹھیں' میں کسی بندے کو جیواں کی طرف بھیج کر آپ کے پاس آتا..... بلکہ آپ اگر مناسب سمجھیں تو اس تفتیشی کارروائی کو کل پر رکھ لیں۔ آپ خود بھی دیکھ رہے ہیں کہ حویلی میں کیا افراتفری مچی ہوئی ہے۔''

''چودھری صاحب! میں آپ کے حالات اور مجبوریوں کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور دوسری طرف میں بھی قانونی تقاضوں کے سامنے مجبور ہوں۔ بہرحال' آپ اپنی بڑی بیگم کا خیال رکھیں۔ میں شام میں آپ کی حویلی کا چکر لگا لوں

گا۔'' بات ختم کرتے ہی میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''بڑی مہربانی آپ کی ملک صاحب!'' وہ تشکرانہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آئیں' میں آپ کو حویلی کے گیٹ تک چھوڑ دیتا ہوں۔''

ہم دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے حویلی کے اندرونی حصے سے باہر نکلے تو ایک فوری خیال کے تحت میں نے پوچھ لیا۔ ''چودھری صاحب! جیواں ماسی تو سالہا سال سے بڑی چودھرائن کی خدمت میں ہے اور وہ دن رات حویلی ہی میں رہتی ہے۔ ایسا ہی ہے نا.....؟''

''جی..... جی ہاں.....'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''پھر..... بسم اللہ سے کیوں کہہ رہی تھی کہ..... وہ ذرا گھر سے ہو کر آ رہی ہے۔'' میں نے اپنی الجھن بیان کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا حویلی سے باہر بھی اس کا کوئی گھر ہے؟''

''اس کا نہیں' اس کے بھائی کا گھر ہے۔'' چودھری نے بیزاری سے جواب دیا۔ ''وہ کبھی کبھار اللہ دتہ سے ملنے چلی جاتی ہے' مگر آج تو اسے حویلی سے باہر قدم نہیں نکالنا چاہئے تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ پچھلی رات سے حویلی پر کیا قیامت ٹوٹی ہوئی ہے۔''

''اللہ دتہ.....'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''آپ نے جیواں کے بھائی کا نام اللہ دتہ ہی بتایا ہے نا.....؟''

''ہاں' ہاں..... کیوں' کیا ہوا؟'' چودھری حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ وہی اللہ دتہ ہے نا.....'' میں گویا کسی غیبی قوت کے زیر اثر بولتا چلا گیا۔ ''جسے گاؤں والے چاچا اللہ دتہ کہتے ہیں۔ اس کا گھر ٹیوب ویل اور باغ کے درمیان واقع ہے اور اس اللہ دتہ کی کوئی اولاد بھی نہیں۔ وہ دبلا پتلا اور دراز قد والا ہے۔ رنگت گہری سانولی اور ہاتھ پاؤں بڑے۔ اس کے بالائی ہونٹ پر زخم کا نشان بھی ہے.....''

''آپ ماسی جیواں کے بھائی اللہ دتہ ہی کا حلیہ اور تفصیل بیان کر رہے ہیں۔'' چودھری کی حیرت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

''مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ اچانک آپ اللہ دتہ جیسے فضول آدمی میں اتنی دلچسپی کیوں لینے لگے ہیں؟''

''اچانک نہیں چودھری صاحب!'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''بلکہ میں گزشتہ شام ہی سے اس کالیا اللہ دتہ میں دلچسپی لے رہا ہوں اور.....'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ڈرامائی

انداز میں اضافہ کیا۔

''اور آپ اسے فضول آدمی نہ کہیں۔ میں اسی مفید آدمی کی مدد سے چھوٹی چودھرائن کے قاتل تک رسائی حاصل کروں گا۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں ملک صاحب!'' وہ الجھن بھری نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''آئیں' میں آپ کو سمجھاتا ہوں۔'' میں نے چودھری کا ہاتھ پکڑ کر حویلی سے باہر لاتے ہوئے کہا۔ ''جیواں کو بلانے کے لئے کسی آدمی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں اللہ دتہ کے گھر جا رہے ہیں۔''

چودھری ارشاد ہکا بکا مجھے دیکھتا چلا گیا۔ تاہم اس نے اللہ دتہ کے گھر جانے میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔

***

اسی رات میں ایک مرتبہ پھر چودھری ارشاد کی حویلی میں بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی رات اس حویلی میں جو قیامت ٹوٹی تھی' اس کی تباہ کاری اور ہلاکت خیزی سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا تھا' لیکن آج دن بھر کی میری کارروائی نے جو طوفان اٹھائے تھے' وہ بھی بڑی اہمیت کے حامل تھے۔

گزشتہ روز میں نے قیصر عرف کیسو نامی جس دبلے پتلے بچے کو بہلا پھسلا کر بہت سی کام کی باتیں معلوم کی تھیں' اسی نے انکشاف کیا تھا کہ اللہ دتہ نامی ایک سیاہ شخص نے اسے بھینس کو تنگ کرنے کا کام سونپا تھا' پھر اس سے پہلے کہ میں اللہ دتہ کی چیکنگ کے بعد یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ اس نامراد کو چودھری ارشاد کی بھوری بھینس سے کیا دشمنی تھی' چودھری کی حویلی میں چھوٹی چودھرائن کو پیش آنے والا واقعہ سامنے آ گیا تھا اور میں اللہ دتہ کو بھول کر حویلی کے معاملات میں مصروف ہو گیا تھا اور جب اسی تفتیش میں اللہ دتہ کا نام سامنے آیا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے چودھری کی موجودگی میں جب اللہ دتہ سے بھوری بھینس اور کیسو والے واقعے پر سوال و جواب کئے تو اس نے جیواں ماسی کا نام لیا کہ یہ سب کچھ اس نے اپنی بہن کے کہنے پر کیا تھا۔ علاوہ ازیں جب میں نے اللہ دتہ پر سختی کی تو اس نے یہ بھی بتا دیا کہ جیواں ماسی کی فرمائش پر اس نے زہر بھی لا کر دیا تھا۔ تفتیش کا رخ جب جیواں ماسی کی طرف مڑا تو وہ زیادہ دیر تک مزاحمت پیش نہ کر سکی اور اس کی زبان سے بڑی چودھرائن نور جہاں کا نام پھسل گیا..... اس کے بعد کچھ سوچنے'

کچھ کہنے یا کچھ سننے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ آپ بڑی توجہ سے کہانی پڑھتے چلے آرہے ہیں' لہٰذا بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ نور جہاں نے یہ قدم کیوں اٹھایا تھا۔

میں نے قیصر عرف کیسو اور بھوری بھینس والے واقعے کی تفصیل سے چودھری ارشاد کو آگاہ کرنے کے بعد کہا۔ ''اب تو بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی چودھری صاحب؟''

وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''واقعی..... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ بچہ بڑا ہی کائیاں اور بدمعاش ہے۔ یہ انسان کی نہیں' کسی شیطان کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔''

''میں اسی شیطان کی اولاد کے توسط سے اصل مجرم تک پہنچا ہوں چودھری صاحب!'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔ ''تفتیشی معاملات میں بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے۔ ہم جا کہیں اور رہے ہوتے ہیں اور تفتیش ہماری انگلی پکڑ کر کہیں اور لے جاتی ہے۔ بہرحال' آپ کی بیوی اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے بچے کے قتل کا معمہ حل ہو چکا ہے۔''

''آہ.....!'' اس نے ایک افسردہ سی سانس خارج کی اور زخمی لہجے میں بولا۔ ''نور جہاں کی جفا نے مجھے جو زخم دیئے ہیں' وہ کبھی بھر نہیں سکیں گے۔''

''جیواں اور اسی کا سازشی بھائی اللہ دتہ اسی وقت میرے تھانے کی حوالات میں بند ہیں۔'' میں نے اپنے فرائض سے مجبور ہوتے ہوئے کہا۔ ''انہوں نے جس کے اشارے پر یہ سب کچھ کیا' مجھے اس کی بھی ضرورت ہے..... تاکہ قانون کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا؟''

چودھری ارشاد نے اپنی پگڑی اتار کر میرے پاؤں پر رکھ دی اور رحم طلب نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

وہ بڑے نازک لمحات تھے۔ ان کڑے آزمائشی لمحات میں' میں نے کیا فیصلہ کیا ہوگا.....؟ ذہین قارئین اندازہ لگانے کی کوشش کریں۔

***

Pakistanipoint Waqar Azeem